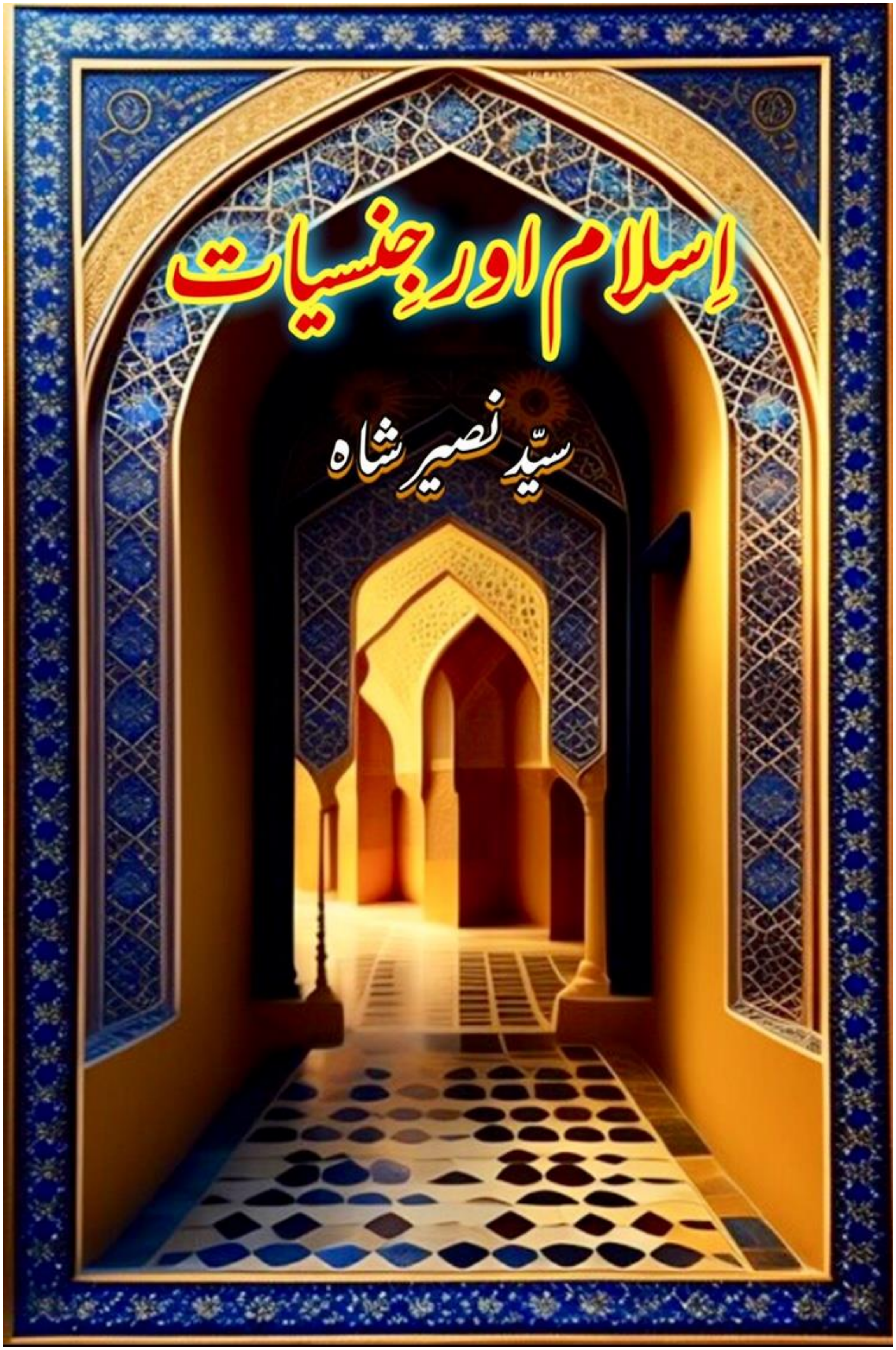

اِسلام اور جنسیات
سیّد نصیر شاہ

اسلام اور جنسیات

سید نصیر شاہ

نیازمانہ

نیازمانہ پبلیکیشنز

اسلام اور جنسیات

سید نصیر شاہ

نیا زمانہ

محمد شعیب عادل نے
حاجی حنیف پریس سے چھپوا کر
نیا زمانہ پبلیکیشنز،
14 بی، ٹیمپل روڈ، لاہور سے شائع کی

ماہنامہ نیا زمانہ، 14 بی ٹمپل روڈ، لاہور، فون 042 5065015
Email:niazamana@yahoo.com, www.niazamana.com

قیمت ـــــ 260 روپے


PDF By: Ehsan Awan
0345-8711418
0302-7642151

فہرست

ابتدائی انسان اور تمدن

''جنسیات'' دنیا کا انتہائی نازک اور انتہائی اہم موضوع ہے اور جب سے انسان نے شعور و ہوش کی وادی میں قدم رکھا ہے اس موضوع پر سوچتا چلا آتا ہے۔ ماہر تمدن وعمرانیات کی تحقیقات کے مطابق ابتداء میں انسان شکار پر زندگی منحصر کیے ہوئے تھا وہ بھی باقی درندوں کی طرح گوشت خور تھا اور شکار کے لئے دوڑ دھوپ میں وقت گزارتا تھا۔ یہ بڑا تھکا دینے والا عمل تھا اس میں مرد عورت دونوں ایک سی جدو جہد میں مصروف رہتے، اس دور میں باقی جانوروں کی طرح انسان بھی ایک خاص موسم میں اور خاص وقت میں مادہ (Female) میں پیدا ہونے والے جنسی ملاپ کی طلب کو تسکین دیتا تھا، جنس کی بھوک ایسی نہیں تھی جیسی بعد میں ہوئی۔ دودھ پلانے والے جانوروں میں کچھ جوڑوں کی صورت میں رہتے تھے کچھ الگ الگ، اندازہ ہے کہ یہ چونکہ ہوشیار جانور تھا اس لئے یہ بھی جوڑے کے صورت میں رہتا ہوگا لیکن یہ باہم پیوستگی دائمی اور تاحینِ حیات نہیں تھی مرضی پر منحصر تھی یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر جگہ یہ جوڑوں کی صورت میں رہتے ہوں کیونکہ مادہ کو تو اکثر بقائے نسل عزیز ہوتی ہے لیکن جانوروں میں دیکھا گیا ہے کہ نر کو اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ اکثر نر بچوں کو مار مار کر مجبور کرتا ہے کہ وہ الگ ہو جائیں خاص طور پر اس وقت جب وہ کچھ بڑے ہو جاتے ہیں۔ اس زندگی میں انسان کا مطمع نظر شکار اور صرف شکار تھا شکار کی صورت حال غیر یقینی ہوتی ہے اسلئے وہ تقریباً ہمہ خور ہو گیا اور ہر چیز حتیٰ کہ اپنے ابنائے جنس کو بھی کھانے لگا۔ مشہور تمدنی وعمرانی سکالر ول ڈیورانٹ لکھتے ہیں۔

> ''غذا کی غیر یقینی فراہمی نے ان لوگوں کو تقریباً ہمہ خور (Omnivorous) بنا دیا تھا۔ صدفی مچھلی، سندری چوہے، دوسرے چوہے، مینڈک، گھونگے، گلہری، کیچوے، کنکھجورے، بچھو، ٹڈی، چھپکلی، سانپ، اژدہے، کتے، گھوڑے، حتیٰ کے ایک دوسرے کے سر سے جوئیں پکڑ کر مزے سے

کھاتے ،گوشت خوری کی عادت نے انہیں آدمی خور بھی بنا دیا تھا۔ اور یہ عادت صدیوں بعد تک رہی ،وہ انسانی گوشت کو سب سے زیادہ لذیذ سمجھتے تھے تہینی کے ایک بوڑھے پولینز یہ سردار نے پیری لوئی سے کہا جب کسی سفید فام کو اچھی طرح تلا جائے تو اس کا مزہ پکے ہوئے کیلے کی طرح ہوتا ہے۔''

(انسانی تہذیب کا ارتقاص۱۹)

عورت اور مطالعہ فطرت

مرد کی درندگی کے اس تمدن میں یہ عورت ہی تھی جس نے فطرت کے عمیق مطالعہ سے زراعت کا ہنر ایجاد کیا اور تمدن کو ایک بہت بڑے انقلاب سے دوچار کر دیا مرد شکار کے لئے نکل جاتے تو عورت فطرت کا مشاہدہ کرتی اس غور و فکر میں اس پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ نباتات بیج سے اگتی ہے۔ ول ڈیورانٹ لکھتے ہیں۔

''اس دوران عورت سب سے بڑی معاشی دریافت کر رہی تھی اور یہ دریافت زمین کی فیاضی تھی جب مرد شکار پر جاتا تو اسے جھونپڑے کے اردگرد جو بھی کھانے کے قابل چیز ملتی اسے اٹھا لیتی یا درخت سے توڑ لیتی وہ درختوں سے خوز اور پھل توڑتی شہد، بیج اور قدرتی اناج اکٹھا کرتی''

(انسانی تہذیب کا ارتقاء ص۱۶)

عورت کا یہی مطالعہ فطرت تھا جس میں اس نے آگے چل کر آگ اور اس کی افادیت سے بھی آگاہی حاصل کر لی اور تمدن ایک اور عظیم تر انقلاب سے دوچار ہوا مصنف مذکور لکھتے ہیں۔

''آگ سے آگہی بھی عورت نے حاصل کی پتھروں کو باہم ٹکرانے کا کھیل ہی آگ کی دریافت کا موجب ہوا ہوگا۔ گھاس پھوس نے آگ پکڑ لی ہوگی اس طرح یہ جن عورت کے قابو میں آ گیا، آگ کی دریافت سے درندگی گھٹ گئی آگ اور زراعت کی بدولت انسان شکار کے تعاقب سے آزاد ہو گیا پکانے کے عمل سے ہزاروں ناقابل ہضم پودوں کے خام حالت کے چھوٹے خلیے اور نشاستے کھانے کے قابل ہو گئے اور انسان زیادہ سے زیادہ اناج اور سبزیوں کی طرف رغبت کرتا گیا'' (ایضاً ص 19)

یوں غذا با افراط فراہم ہونے لگی شکار کے تھکا دینے والے عمل سے مرد کو کچھ نجات ملی تو اس کا اثر

جنسی جذبات پر بھی ظاہر ہوا، ورائے (Viroy) لکھتے ہیں:

''جب تک انسان کو حصول غذا میں دشواریوں کا سامنا رہا اس کی خواہشات نفسانی بھی دبی رہیں لیکن جب سامان خورد و نوش کافی اور بآسانی فراہم ہونے لگا تو اسکی بدمستیاں بھی بڑھ گئیں چنانچہ آپ جنگلی جانوروں کو دیکھئے جب تک وہ جنگل میں رہتے ہیں غذا کی فکر سے آزاد نہیں ہوتے صرف مخصوص زمانہ میں جنسی ملاپ کی تحریک ہوتی ہے اور بچے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب انہیں پالتو بنالیا جاتا ہے اور وہ فکر و غذا سے آزاد ہو جاتے ہیں تو وہ بے موسم بھی ایک دوسرے سے ملتفت نظر آتے ہیں۔ (بحوالہ شہوانیات ص 12)

زرعی انقلاب اور آگ کی دریافت کے بعد انسان بھی جنسی ملاپ کے لیے ہمہ وقت تیار رہنے لگا ابتدائی تمدنی ترقی عورت ہی کی مرہون احسان ہے اس نے زراعت کے ساتھ ساتھ ایسے فنون کی بنیاد رکھی جو بعد میں اہم صنعتوں کی صورت اختیار کر گئے۔ عورت ہی تھی جس نے سینا پرونا' سوت کات کر کپڑا تیار کرنا، ٹوکری سازی' برتن سازی، لکڑی کا کام اور عمارات کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مختلف جانوروں کے بچے پالے جو بعد میں پالتو جانور بن کر انسان کے مددگار ہو گئے ول ڈیورانٹ لکھتے ہیں۔

''عورت نے گھر کی تزئین بھی کی، جانور بھی پالے اور اپنے جانوروں کی فہرست میں مرد کو بھی شامل کر لیا اور اسے سماجی رجحانات اور خوش اطواری کی تربیت دی جو تہذیب کی نفسیاتی بنیاد ہیں'' (انسانی تہذیب کا ارتقاء ص 55)

اس طرح انسان دھرتی سے وابستہ ہوا' بدویانہ زندگی چھوڑ کر شہری زندگی اختیار کی اور تمدن کی بنیاد پڑ گئی چونکہ یہ سارا تمدن عورت ہی کا مرہون احسان تھا اس لئے اسے قبیلے کے وجود' پرورش اور افزائش کا واحد سبب قرار دے کر برتر تسلیم کیا گیا اور یقین کر لیا گیا کہ پیدائش' پرورش اور افزائش زراعت میں ہو یا نسل انسانی میں عورت ہی کا کارنامہ ہے۔ اس لئے اسے تمام تر قوت و اختیار کا سرچشمہ قرار دیا گیا یوں اموی یا مادر سری نظام رائج ہوا یہ نظام اس وقت کی آباد دنیا مصر' عراق' یونان 'ایشیائے کوچک اور وادی سندھ میں صدیوں قائم رہا یہی علاقے تہذیب و تمدن کے ابتدائی گہوارے تھے مصر میں فراعنہ کے عہد تک تخت و تاج کی حقیقی مالک اور معابد کی مہا پروہت ملکہ ہی کو سمجھا جاتا تھا

۔فراعنہ کوملکہ کے ساتھ شادی کر کے ثانوی اقتدار نصیب ہوتا تھا۔ مادرسری دور کا تعارف کراتے ہوئے پروفیسر ریوز لکھتے ہیں۔

''ہر شخص کو اس کے حقوق باپ کی بجائے ماں کی طرف سے ملتے تھے''

(Primitive Culture Vol:P.119)

آج بھی بعض پسماندہ قبائل جنہوں نے اپنے آپ کو زراعت تک محدود رکھا ہوا ہے اسی تمدن کے حامل ہیں۔

اسی دور میں زمین کو اناج اگانے کے باعث عورت سے مشابہت دے کر ''مادرِارض'' یا ''دھرتی ماتا'' کا لقب دیا گیا اس زمانے کے لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ زمین کا تخلیقی عمل اور عورت کا تخلیقی عمل ایک ہی حقیقت کے دو مظاہر ہیں لوگوں کا یہ عقیدہ بھی ہو گیا کہ صرف عورتیں ہی بہتر فصل اگا سکتی ہیں۔ اسی دور میں عورت کی مورتیاں تراشی گئیں جنہیں فصلوں میں برکت ڈالنے کے لئے مختلف موسموں میں پوجا گیا۔ سر جان مارشل موہنجوڈارو کی مورتیوں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''ہر شخص جانتا ہے کہ وادی سندھ اور بلوچستان میں جو مورتیاں نکلی ہیں ویسی ہی مورتیاں عراق، شام، فلسطین، قبرص، کریٹ، بلقان، ایران اور مصر میں کائنات یا قدرت کی دیوی کی ہیں وادی سندھ کی مورتیاں مغربی ایشیاء کی مورتیوں کی طرح سماج کے مادرسری دور میں وجود پذیر ہوئی ہونگی'' (بحوالہ ماضی کے مزار ص60)

دھرتی ماتا یا مادرارض کو مکمل عورت سمجھا جاتا تھا اور اسے بہت بڑی دیوی کی حیثیت حاصل تھی مرکندیہ ایران میں یہ دیوی یوں خطاب کرتی ہے۔

''اس کے بعد میں ساری دنیا کو حیات بخش سبزیوں سے نوازدونگی ان سبزیوں کو تیز بارش میں اپنے جسم سے اگاؤنگی اور سکمبھری (ہریالی پیدا کرنے والی) کہلاؤں گی''

(Tokoyala By Chattapodhia P.83)

ہڑپہ کی کھدائی سے برامد ہونے والی تین ہزار برس پرانی مہریں بھی اسی کی تصدیق کرتی ہیں ان میں عورتوں کو ہی پودوں کے نامیاتی عمل کی علامت بتایا گیا ہے۔

مادرارض کو عراقیوں نے ''نن ہورسگ'' کا لقب دیا سومری اور عکادی گیتوں میں اس کے کئی نام آتے ہیں وہ نن تو'' ہے جو سب کو جنم دیتی ہے وہ ''نگ زمی گال دم دمی'' دلمون کی سرزمین سے نن

ہورسگ کی داستان نے جنم لیا یہ داستان منظوم صورت میں دو ہزار قبل مسیح میں لکھی گئی لیکن اس کا مزاج تقریباً پنج ہزار قبل مسیح کا ہے غالباً اتنا عرصہ وہ سینہ بسینہ اور نسل در نسل منتقل ہوتی رہی اس داستان کی اصل ہیروئن مادر کائنات ہے جو درختوں، پودوں، حتیٰ کے دیوی، دیوتاؤں کو پیدا کرتی ہے اور کوئی بڑے سے بڑا دیوتا بھی اس کے امور میں مداخلت کرتا ہے تو وہ اسے سخت سزا دیتی ہے ذہن ذرا آگے بڑھا اور بہار وخزاں کے مناظر کا پر غور مشاہدہ ہوا تو دو اور دیویوں نے جنم لیا بہار کی علامت، محبت اور افزائش کی دیوی عشتار اور موت اور ظلمات کی دیوی ''اریش گل'' ہے عشتار کی حیثیت آفاقی ہے اور یہ اس وقت کی آباد دنیا میں مختلف ناموں سے ہر جگہ موجود رہی ہے سید سبط حسن کی تحقیق کے مطابق

''عشتار سومیر دیومالا میں ''انانا'' ہے، عکادی اور اشوری دیومالا میں ''عشتار'' ہے فونیقی میں ''اشیراہ'' ہے مصر میں ''ازیس''، ''تحوت'' اور ''جحور'' ہے فلسطین میں ''انات''، ''اشیراۃ'' اور ''عشروت'' ہے ایران میں ''شالا''، ''اتاہتیا'' اور ''نائیار'' ہے ہندوستان میں ''درگاہ''، ''گوری''، ''اما''، ''اشا''، ''سرسوتی'' اور ''رتی'' ہے یونان میں ''ایفروڈیٹا'' اور ''آڑے'' ہے عربوں میں ''زہرہ'' اور ''مشتری'' ہے۔

(ماضی کے مزارص73)

اس پورے عرصہ میں مادرسری نظام رائج رہا عورت برتر و اعلیٰ تھی اور مرد کی حیثیت ثانوی تھی، ثانوی سمجھ جانے والی ہر چیز کی طرح مرد کو توجہ حاصل کرنے کے لئے کوئی بناؤ سنگھار کرتا اور زیور پہنتا تھا۔ ول ڈیورانٹ لکھتے ہیں:۔

''اس معاشرہ میں عورتوں کی بجائے مرد زیور پہنتا تھا اسی طرح وہ گالوں کندھوں، ماتھوں اور سینے پر قسم قسم کے رنگ لگاتا اور اپنے خیال میں اپنی آرائش وزیبائش کرتا تھا'' (انسانی تہذیب کا ارتقاص132)

مادرسری نظام جب تک اور جہاں جہاں رہا اسکی ایک نمایاں خصوصیت رہی کہ اس معاشرہ میں امن وآشتی کا دور دورہ ہوتا تھا لوگ بڑے صلح جو اور آپس میں محبتوں اور ہمدردیوں سے سرشار ہوتے تھے یہ خصوصیت وادی سندھ کی قدیم تہذیب کا بھی طرز امتیاز رہی ہے، ہڑپہ اور موہنجوڈارو سے ملنے والے آثار کا ذکر کرتے ہوئے سبط حسن لکھتے ہیں:۔

''ڈھال، تلوار، خود، زرہ بکتر یعنی جنگی اسلحہ ایک بھی نہیں ملا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے

کہ وادی سندھ کا معاشرہ نہایت محفوظ معاشرہ تھا لوگ بڑے امن پسند اور صلح جو تھے لوٹ مار، قتل و غارت گری ان کا شیوہ نہ تھا وہ نہ سپاہ ولشکر رکھتے تھے نہ کسی پر حملہ کرتے تھے وادی سندھ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے کہ اسکی تخلیقات وتعمیرات میں کسی دوسری قوم کا خون پسینہ شامل نہیں ہے یہ درست ہے کہ موہنجوڈارو اور ہڑپہ والوں نے یادگاری عمارتیں نہیں چھوڑی ہیں نہ قصر وایوان' نہ عالی شان عبادتگاہیں، اور مقبرے، مگر کوئی ان پر یہ الزام تو نہیں لگا سکتا کہ تم نے اپنی عظمتوں کے مینار انسانوں کی کھوپڑیوں پر کھڑے کئے ہیں وہ آج کے معیار سے بھی نہایت شائستہ اور مہذب لوگ تھے''

(پاکستان میں تہذیب کا ارتقاص69.70)

مادرسری دور کے پرسکون ماحول میں ''جنسی مسائل'' کس انداز کے تھے اور انسان انہیں کیسے حاصل کرتا تھا؟ عام خیال ہے کہ عورت کو مشترکہ ملکیت سمجھا جاتا تھا یہ کہنا بات کو گھما دینا ہے کہنا یوں چاہیے کہ سب کچھ اجتماعی ملکیت تھا عورت کے ساتھ مرد بھی تو اجتماعی ملکیت رکھتا تھا۔ اصل صورت حال کو سمجھنے کے لئے آج کے حیوانات کو دیکھ لیا جائے جب مادہ میں جنسی ملاپ کے تہیجات ابھرتے ہیں نر اکھٹے ہو جاتے ہیں جو طاقتور ہوں مادہ بھی انکی طرف رجوع رکھتی ہو وہ کامیاب ہو جاتے ہیں باقی ناکام رہتے ہیں، یہی صورتحال ہوگی۔ اس صورت حال میں ملکیت کا لفظ استعمال کرنا اور وہ بھی صرف عورت کے لئے سراسر زیادتی ہے۔ بہرحال یہ مادرسری دور تھا عورت نے دریافت اور ایجاد کا سلسلہ جاری رکھا اور فطرت کے مطالعہ سے سماج کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرتی رہی۔ ڈیورانٹ کی تحقیقات کے مطابق ڈاکڑی بھی عورتوں کی ایجاد ہے یوں عورت سوچتی اور سوچ پر عمل کرتی رہی اور مرد اس کا آلہ کار رہا جب تمدن ترقی کی ایک خاص سطح پر پہنچ گیا تو مرد نے اپنے درندگی کی قوت کو دوسرا روپ دیا اور معاشرہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی اب بھاری ہل ایجاد ہو گئے تھے اور دیگر قوت طلب بھاری زرعی آلات وجود میں آگئے تھے مرد انہیں استعمال میں لا سکتا تھا وہ آگے بڑھا اور دنیا کے اکثر حصوں میں اموی کی بجائے ابوی یا مادرسری کی بجائے پدرسری نظام عمل میں آگیا۔ مادرسری دور میں زیادہ عرصہ تک انسان افزائش نسل کو تنہا عورت کا کارنامہ سمجھا جاتا رہا تھا جنسی خواہشات کی تسکین اور افزائش نسل دوسرے جانوروں کی طرح ایک خاص وقت پر ہوتی تھی ابھی ''فحاشی اور بے حیائی'' جیسے لفظ وجود

میں نہیں آئے تھے۔

اگلا قدم:

اسی زرعی ترقی کے دور میں گلہ بانی کا رواج ہوا اور گلہ بانی سے ہی "میرے اور تیرے" (Mine and thine) کا تصور پیدا ہوا میرے اتنے جانور ہیں تیرے اتنے" میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں۔ اب چراگاہوں اور اجناس خوردنی کا سوال اٹھا زمین پر قبضہ اس سے وابستہ تھا طاقتور لوگ زمین پر میری اور تیری کی لکیریں کھینچنے لگے۔ زیادہ سے زیادہ مویشی اس صورت میں پالے جاسکتے تھے۔ جب اپنے اشارہ پر کام کرنے والے افراد کی تعداد زیادہ ہو اسکی دو صورتیں تھیں کمزور لوگوں کو بڑی تعداد کو اپنا غلام بنایا جائے۔ اس کے ساتھ دوسری صورت یہ تھی کہ عورت کو اپنے قابو میں لاکر اپنی اولاد پیدا کی جائے۔ غلاموں سے زیادہ اولاد وفادار ہوسکتی تھی اسلئے قبیلوں اور خاندانوں کی بنیاد پڑی۔ زمین اور چراگاہ کی طرح عورت بھی میری اور تیری کی حدود میں آگئی۔

یہ ضروری نہیں تھا کہ زمین پر جو لکیریں کھینچی گئیں تھیں وہ کفایت کرتیں اور وہ زمین انکی ضروریات پوری کرتی رہتی۔ قبیلہ میں افراد کی تعداد زیادہ ہوئی تو زیادہ خوراک درکار ہوئی، زیادہ خوراک حاصل کرنے کے لیے زیادہ زرعی زمین اور زیادہ چراگاہوں کی ضرورت تھی، اسلئے جنگ و جدال کی بنیاد پڑی اور دوسروں سے اپنی ضروریات چھین لینے کا عمل شروع ہوا ایک قبیلہ دوسرے پر ٹوٹ پڑتا اور غلہ حاصل کر لیتا، انکی زمین پر قابض ہوجاتا ان کے مال مویشی کا مالک بن جاتا اور مال مویشی کے ساتھ عورتوں پر بھی قبضہ کر لیتا کیونکہ وہ بھی ملکیت کی چیز سمجھی جاتی تھیں۔ اسی طرح دوسرے قبیلے کے افراد بھی اپنے قبضہ میں لے لئے جاتے اور انہیں غلام بنالیا جاتا۔ پھر اس زورازوری کے تمدن نے یہ صورت اختیار کی کہ مرد بلکہ جوانمرد وہی سمجھا جاتا جو خاندان سے باہر کسی دوشیزہ کو پکڑ لاتا اس طرح ہر قبیلہ کو خطرہ رہتا کہ کوئی دوسرا آپڑیگا اور انکی کوئی بیٹی پکڑ کر لیجائے گا اس جارحیت کا مقابلہ مرد ہی کر سکتے تھے اس لئے اولاد دیرینہ کو بہت بڑی نعمت سمجھا جانے لگا۔ چونکہ بیٹیوں کا تحفظ کیا جاتا تھا اور مال مویشی سے زیادہ ان کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اس لئے بہت سے قبائل میں بیٹی کو لعنت کا طوق سمجھ کر اس سے گلو خلاصی کرانا بہتر سمجھا جاتا تھا یوں دختر کشی شروع کردی گئی بچی کو پیدا ہوتے ہی ختم کردیا جانے لگا۔ اس سے بھی اپنے قبیلہ میں عورتوں کی تعداد کم ہونے لگی اب ہر جواں مرد کو ضرورت تھی کہ دوسرے قبیلہ کی عورت پکڑ لائے اور اس سے شادی رچائے۔

آج کے مہذب دور میں بھی اگر چہ شادی باہمی رضامندی سے ہوتی ہے لیکن اکثر جگہ شادی کی رسوم ایسی ہیں کہ پرانے دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے باراتیوں کے قافلہ کے آگے ڈھول پیٹنے والے ہوتے ہیں یہ گویا طبل جنگ کی یادگار ہے باراتی بندوقیں داغتے ہیں اور بندوقوں کے شور میں آگے بڑھتے ہیں جیسے دلہن کے گھر پر حملہ آور ہو رہے ہوں۔ آگے دلہن کے گھر بیٹھے ہوئے بارات کو روکتے ہیں اکثر جگہ رسا باندھا ہوتا ہے یہ گویا مزاحمت ہے عورت کے دوپٹہ کا آنچل مرد کے کندھے کی چادر سے باندھا جاتا ہے گویا وہ اسے گرفتار کر کے لا رہا ہے، عورت کے زیورات بھی اس کی غلامی کی علامت ہیں کڑے، کنگن، اور چوڑیاں گویا ہتھکڑیاں ہیں، ناک کی نتھلی وغیرہ گویا نکیل کی علامت ہے گلے کے حمائل طوق کی یاد دلاتی ہے کانوں کی بالیاں کانٹے وغیرہ بھی غلامی کی نشانیاں ہیں پرانے زمانے میں غلاموں کے کان چھید کر ان میں حلقے ڈال دیئے جاتے تھے "حلقہ بگوش" کی ترکیب انہی غلاموں کے لئے وضع ہوئی تھی۔

غلام داری کا دور عرصہ دراز تک جاری رہا اور اسکے لوازمات و متعلقات بھی جاری رہے۔ بنی اسرائیل میں بھی مغلوب اور شکست خوردہ لوگوں کی عورتوں کو پکڑ کر لانے اور انہیں اپنی بیویاں بنانے کا سلسلہ چل رہا تھا صحیفہ قاضیون باب 21 آیت 22 میں جو کچھ بیان ہوا مختصراً یوں ہے

"تب انہوں نے بارہ ہزار بہادر مرد روانہ کیے اور انہیں حکم دیا کہ یبیس جلعاد کے باشندوں کو جا کر قتل کریں ان تمام عورتوں کو جو مردوں سے ہم بستر ہو چکی ہوں ہلاک کر دیں اور کنواری عورتیں قابو میں کر لیں، پس انہوں نے یبیس جلعاد میں چار سو کنواری عورتیں پائیں جو مرد سے ناواقف تھیں اور وہ انہیں سرزمین کنان میں سیلا کے بیچ لشکر میں لے آئے پھر انہوں نے بنی بن یامین کو طلب کیا اور ان عورتوں کی ان سے شادیاں کر دیں لیکن وہ ان کو کافی نہ ہوئیں تب جماعت کے لوگ بولے جو مرد بچ رہے ہیں ان کے لئے بھی بیویوں کی فکر کی جائے تا کہ بنی اسرائیل کا ایک حصہ نابود نہ ہو جائے مگر لوگوں نے کہا ہم نے قسم کھائی ہے کہ بنی بن یامین کو بیٹیاں ہرگز نہ دیں گے تب انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ سیلا میں اس جگہ جو جانب شمال بیت ایل کی سڑک پر واقع ہیں وہاں کے لوگ ہر سال عید مناتے ہیں پس بنی بن یامین جائیں اور تاکستانوں میں چھپ کر گھات میں بیٹھ جائیں جب سیلا کی بیٹیاں دف و

چنگ بجاتی ناچتی گاتی آئیں تو یہ کمین گاہوں سے نکل کر ٹوٹ پڑیں اور ہر شخص اپنے لیے ایک لڑکی گرفتار کر لے اور اپنے ملک کو چلا جائے الغرض بنی بن یامین نے ایسا ہی کیا اور اپنے لیے ایک بیوی پکڑ لی''۔

یہی کچھ رومیوں نے بھی کیا تھا جب انہیں بیویوں کی ضرورت پڑ گئی تھی اومولس نے صابین (Sabine) لوگوں اور ارد گرد کے شہروں اور قصبوں کے باشندوں کو مدعو کیا کہ انہیں نادر تماشے دکھائے جائیں جب بہت سے مرد وزن جمع ہو گئے تو رومیوں نے چھاپہ مارا اور جس قدر شادی کے قابل عورتیں ہاتھ لگیں انہیں پکڑ کر لے گئے''

(History of Rome By Liddel p. 20)

اس طرح تمدن میں لونڈیاں اور کنیزیں بھی داخل ہوئیں پھر جانوروں کی طرح انکی خرید و فرخت ہونے لگی۔

جب ارتقائے تہذیب و تمدن کے ساتھ وحشت کم ہو گئی تو شادی کی دو صورتیں رہ گئیں یا لڑکی والے رضامندی سے بیٹی بیاہنے لگے اور یا پھر بیٹیاں بکنے لگیں۔ باہمی رضامندی میں بھی ایک صورت یہ پیدا ہو گئی کہ ''وٹہ سٹہ'' یعنی تبادلے کی شادیاں ہونے لگیں۔''

بہر حال اس دور میں جب عورت اور مرد جوڑوں کی صورت میں رہنے لگے تو ''عصمت و عفت'' کا تصور پیدا ہوا۔

عام خیال یہ ہے کہ مرد اور عورت کا جوڑے کی صورت میں اکٹھا رہنے کا تصور اس وقت پیدا ہوا جب پدرسری نظام کی ابتداء ہوئی۔ لیکن ہمارا خیال ہے جب مادرسری نظام میں بقول ول ڈیورانٹ عورت نے جانوروں کو پالتو بنایا اور انکی فہرست میں مرد کو بھی شامل کر کے اسے سماجی رجحانات کی تربیت دی'' تو اسی وقت اس نے مرد پر یہ ذمہ داری ڈالنا ضروری سمجھا ہو گا کہ اپنے بچوں کی پرورش میں وہ عورت کے ساتھ برابر کا شریک رہے اس سلسلہ میں فطرت رہنمائی فراہم کر رہی تھی خاص طور پر پرندوں کی صورت میں یہی کچھ تھا کہ ان کے بچے گائے کے بچھڑے یا بطخ کے بچے کی طرح پیدا ہونے کے فورا بعد چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتے تھے بلکہ عرصہ دراز تک گوشت کے لوتھڑے کی طرح پڑے رہتے صرف کھا سکتے تھے اور گردن کو حرکت دے سکتے تھے اس لئے ان کو پالنے کے لئے نر اور مادہ

دونوں ڈیوٹی دیتے تھے اور جوڑے کی صورت میں رہتے تھے انسانی بچے کی بھی یہی صورت حال تھی اس لئے عورت نے ابتک جو ذمہ داری تنہا نبھائی تھی اس میں مرد کو شامل کر لیا ہوگا۔ مرد نے جب سارا اقتدار سنبھال لیا اور سماج میں قوت غالب بن گیا تو اس نے عورت کو دبا کر رکھنے کے لئے اپنی ملکیت شمار کر لیا۔ یوں وہ خاندانی نظام وجود میں آیا جس کا سربراہ مرد ہوتا ہے اور جس میں حسب نسب باپ کی طرف سے طے ہوتا ہے۔

مرد کی جنسی خواہشات

مرد کی جنسی خواہشات اتنی بدلگام ہوگئیں کہ ایک بیوی اس کے لئے نہ کافی ہوسکی اس نے زیادہ سے زیادہ عورتوں کو فتح کرنے کا راستہ اختیار کیا تو یوں تعداز دواج کی صورتیں پیدا ہوئیں پھر بیویوں کے ساتھ لونڈیوں اور کنیزوں کو بھی شامل کرلیا گیا اب انسان اس بات سے آشنا ہو چکا تھا کہ افزائش نسل تنہا عورت کا کارنامہ نہیں بلکہ یہ مرد اور عورت کے اعضائے تناسل کے باہمی اتصال سے ممکن ہوتی ہے اس لئے جنسی اعضاء کے تقدس کا عقیدہ پیدا ہوا اور اکثر مقامات پر جنسی اعضاء کی پرستش شروع ہوگئی اور یہ پرستش مذہب کا جز بن گئی۔ جاپان میں جاری وساری مذہب شنٹوازم تھا اس کے پرانے مندروں میں تو دیوتاؤں کے بت ایسے بنائے جاتے تھے جن میں مردانہ اعضائے جنسی پوری ایستادگی و آمادگی کی حالت میں دکھائے جاتے تھے، ہندوستان میں بھی لنگ پوجا عام رہی پھر ''لنگ'' اور ''یونی'' کے اتصال کی حالت کی تصویریں بنائی جاتی رہیں اور انکی پرستش ہوتی رہی، امریکہ بھر میں جہاں اقوام مایا پیرو کا تمدن پایا جاتا تھا وہاں کے مندروں کی خصوصیت انہی اعضاء کی پوجا تھی جن کے نشانات اکثر پرانے مندروں میں آج بھی ملتے ہیں۔ قدیم مصر میں بھی اسی طرح کی صورت حال تھی وہاں یہ روایت عام تھی کہ ''سیت'' خداوند ''شر'' تھا اس کا بھائی ''روسیرز'' خداوند خیر تھا سیت نے اوسیرز کو قتل کر کے اس کی لاش کے ٹکڑے ادھر ادھر دفنا دیئے ''اوسیرز کی بہن اور بیوی اس دور میں بہن کو بیوی بنانے کا رواج تھا) آئسین نے بڑی دوڑ دھوپ کر کے لاش کے ٹکڑے تلاش کئے مگر کوشش بسیار کے باوجود عضو تناسل کہیں نہیں ملا، باقی ٹکڑے جوڑ کر لاش کا جسم مکمل کیا گیا اور عضو تناسل اصل نہیں مل سکا تھا اس لئے لکڑی کا بنا ہوا اس کی جگہ لگا دیا گیا اور لاش کے ساتھ دفن کیا گیا، اسکے بعد مصر کی عورتیں اس کی پوجا کرنے لگیں یہ پوجا اتنی عام ہوئی کہ مصری مذہب کے پجاریوں کو یہ فحش رسم اپنے مذہب میں داخل کرنا پڑی۔

قبائلی زندگی میں صحت مندی اولادنرینہ کی بڑی ضرورت تھی مگر یہاں ابتدا میں قبائل میں یہ دستور عام ہو گیا تھا کہ شادی اپنے قبیلہ کی لڑکی سے ہوتی نہ باہر اپنے لڑکی کو جانے دیتے نہ باہر سے کوئی لڑکی لاتے۔اس کے نتائج یوں سامنے آئے کہ اولاد کمزور پیدا ہونے لگی، وہ باہر سے بھی عورتیں لانے لگے اور اپنی عورتیں بھی گھر میں رکھنے لگے اب یہ مسئلہ تھا کہ اپنی عورتوں سے ہونے والی اولاد کمزور ہوتی ہے اس کمزوری کو رفع کرنے کیلئے مذہب کے علم برداروں نے یہ چیز فرائض مذہبی میں داخل کر دی کہ ہر عورت کم از کم ایک دفعہ کسی اجنبی کو قریب آنے کا موقع ضرور دے چونکہ اسے مذہب کا جزو بنایا گیا۔ اسلئے معابد کو اس فحاشی کے مراکز بنایا گیا۔اس فحاشی کا رواج اس قدر بڑھ گیا تھا کہ روز کی گفتگو میں جب کوئی عورت اپنی ہمسائی کو طعنہ دیتی تو کہتی''تو اس قابل ہی نہیں تھی کہ کوئی غیر مرد تیرے کمر بند پر ہاتھ ڈالتا''۔ہیرڈوٹس اور سٹریبو (Starbo) نے اس فحاشی کا کھلے طور پر ذکر کیا ہے کہتے ہیں سکندر اعظم کے دور میں یونان میں یہ فحاشی عام تھی، کلانیہ،شام،قرطاجنہ میں یہ فحاشی ہر جگہ نظر آتی تھی، قدیم ایران میں بھی یہی کچھ تھا۔

جب معاشرہ پر زیادہ زور دیا جانے لگا اور مرد کو اپنی نسل کو بے آمیز اور خالص رکھنے کا خیال آیا تو عورتوں کو محفوظ رکھنے کے عملی طریقے اختیار کئے گئے۔اب عورتوں کا زندگی میں کم از کم ایک بار اجنبی یا غیر مرد سے مواصلت کا قاعدہ کسی حد تک ختم ہو گیا لیکن عورتیں معابد میں جا کر اس مواصلت کی رسمیں پوری کرتیں رہیں۔ایسے بت بنائے گئے جن کا عضو مخصوص ایستادگی کی حالت میں ہوتا اور بے اولاد عورتیں اس سے مواصلت کرتیں۔

کلر کہار ضلع چکوال میں بھی ایک مندر میں ایسا بت تھا جس کے ساتھ بانجھ عورتیں جا کر اس سے باقاعدہ مواصلت کرتی تھیں کہ اس سے بانجھ پن دور ہو جاتا ہے ہندوؤں کے یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی عقیدہ باقی رہ گیا تھا اور مسلمان عورتیں یہی کچھ کرتیں تھیں' ڈاکٹر لیاقت علی نیازی جب وہاں بطور ڈپٹی کمشنر گئے تو انہوں نے یہ مندر بند کرا دیا اور کہتے ہیں کہ لوگوں نے اسے بہت بری طرح محسوس کیا اور کہنے لگے کہ کیسا ڈی سی ہے جس نے لوگوں کے لئے مفید مطلب جگہ بند کرا دی۔

(بحوالہ تاریخ چکوال از لیاقت نیازی)

مرد چونکہ جنسی معاملات میں بدلگام ہو چکا تھا اسلئے وہ ایک مقدس فحاشی کو نہیں چھوڑ پایا۔ڈاکٹر

مردوں نے ضروری سمجھا کہ عورتوں کی ایک خاص تعداد پرانے طریقہ پر ''مقدس فحاشی'' کرتی رہے، چنانچہ جولڑکیاں ''وقتاً فوقتاً'' دیوی' دیوتاؤں کے نام پر مندروں کی نذر کی جاتی تھیں وہ زندگی بھر یا کچھ عرصہ کے لیے مردوں کی ہوس کاری کا نشانہ بنی رہتی تھیں ۔مختلف ملکوں میں ان کے مختلف نام تھے۔ نویان میں ہائرڈیولز (Haerodules) روما میں واسٹل ورجنز (Vastal Virgins) اور بابل میں کاشٹو (Kadishto) اور جنوبی ہند میں یہ دیوداسیاں اور مرلیاں کہلائیں ۔ادھر مسیحی دنیا میں (Nuns) بن گئیں'' (Adoins Attir Osiris) مختلف ملکوں میں لڑکیاں اپنی شادی کے لئے جہیز وغیرہ تیار کرنے کی خاطر بھی عصمت فروشی کرتی تھیں اور اسے برانہیں سمجھا جاتا تھا۔

جنسی مسائل اور قدیم قوانین

اگر چہ حمورابی کے ضابطہ قانون سے پہلے کے کچھ ضابطہ ہائے قانون کا سراغ بھی ملا ہے مگر مٹی کے الواح کے شکستہ ہونے کے باعث ارغو، اشنونا اور پست اشتر کے ضابطہ ہائے قانون کی تفاصیل سامنے نہیں آسکی ہیں۔حمورابی کے ضابطہ قانون کی تفاصیل سامنے آسکی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قوانین کے تحت زنا جرم تھا اگر شادی شدہ عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ پکڑی جاتی تو دونوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں غرق دریا کر دیا جاتا لیکن اگر عورت کا خاوند اس جرم کو معاف کر دیتا تو حکومت بھی کچھ سزا نہ دیتی۔

عہد قدیم کے مشہور مقنن سولن نے جنسی مسائل پر عجیب انداز سے قانون سازی کی۔

سولن کے قوانین کے مطابق ہر شخص کو حق حاصل تھا کہ وہ اگر کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ ملوث دیکھے تو اسے قتل کر ڈالے لیکن اگر کنواری عورت سے کوئی شخص بالجبر ملوث ہوتا تو اسے جرمانہ کی سزا دی جاتی جو بالعموم سو بھیڑوں کی صورت میں یا انکی قیمت کے برابر ہوتی لیکن اگر کوئی کنواری عورت کو اغوا کر لیتا تو اس کا جرمانہ کم ہوتا جو عموماً بیس بھیڑوں کی قیمت کے برابر ہوتا کیونکہ اغوا کے بعد وہ عورت اس کے ذمہ لگ جاتی۔ یہ بھی قانون تھا کہ اگر کوئی مالدار عورت دیکھے کہ اس کا شوہر اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں تو اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر لے تا کہ اپنی جائداد کا وارث پیدا کر سکے۔

سولن نے قحبہ گری کی حوصلہ افزائی کی اس نے چکلوں کا وجود ضروری قرار دیا اس کا خیال تھا کہ اس طرح مرد کی بدلگام جنسی خواہشات باہر سے پوری ہوتی رہیں تو معاشرہ میں فحاشی نہیں پھیلے گی اور ساری غلاظت اپنے مخصوص مراکز پر جمع ہوتی رہے گی۔اور گھروں کی عزت وحرمت قائم رہے گی۔

سولن بیوی کو تو ہر حال میں خاوند کا پابند رکھنا چاہتا تھا لیکن مرد کو اس نے کھلی چھٹی دے دی تھی

کہ وہ جنسی تسکین کے لئے رنڈیوں کے پاس جائے۔ سولن اجازت نہیں دیتا تھا کہ جو عورت چاہیے چکلے میں بیٹھ جائے وہ چکلوں میں لونڈیوں، اور کنیزوں کو بٹھاتا تھا جو غیر ملکی ہوتی تھیں۔ سولن کے قانون میں چکلوں کے مصارف حکومت ادا کرتی تھی اور ان سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی وہ (پانڈیموس) کے مندر میں پجاریوں کو دے دی جاتی تھی گویا مذہبی فحاشی کا تصور سولن کے ذہن میں زندہ تھا۔

سولن شادی شدہ عورت کو مجبور کرتا تھا کہ وہ گھر میں بیٹھی رہے اور بال بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں ڈوبی رہے۔

قدیم یونان میں زنا معمولی بات نہیں تھی جس شخص کی بیوی یا بیٹی کے ساتھ یہ جرم کیا جاتا تھا اس کو یہ حق حاصل تھا کہ مجرم کے ساتھ جو سلوک چاہے روا رکھے اور جس طرح سے چاہے انتقام لے اس میں سزائے موت بھی شامل تھی۔

حکومت کی طرف سے بھی انسداد زنا کی مختلف سزائیں مقرر تھیں۔ ان سزاؤں کے خوف سے صاحب عصمت عورتیں محفوظ رہتی تھیں ادھر مرد چکلوں میں جا کر رنڈیوں سے ملوث ہوتے۔

قدیم یونان کی طرح روم میں بھی زنا سب سے بڑا جرم تھا زانیہ کے شوہر کو حق حاصل تھا کہ وہ اپنی بدکار بیوی کو قتل کر ڈالے اور اسے گناہ میں ملوث کرنے والے سے جس طرح چاہیے انتقام لے، ادھر مرد کے لیے قحبہ خانے کھلے تھے وہ وہاں آزادی سے اپنی جنسی بھوک مٹا سکتا تھا۔ یونان کی طرح روم میں بھی قحبہ خانوں کو گھریلو زندگی کی پاکیزگی کا معاون سمجھا جاتا تھا۔

لیکن یہ سمجھنا بڑی غلط فہمی تھی کیونکہ عورتوں نے بھی اپنے لئے خفیہ رستے نکال لیے تھے حتیٰ کہ بعض شہنشاہوں کی بیویاں بھی قحبہ خانوں میں جا کر خفیہ طریقے سے لطف اندوز ہوتی تھیں اس سلسلہ میں شہنشاہ کلاڈیوس (Cladius) کی ملکہ Messalina بہت مشہور ہوئی اسے اسی جرم کے کھل جانے پر قتل بھی کر دیا گیا اسکے لئے قحبہ خانے میں ایک کمرہ مخصوص تھا اور وہ ہر شب سنہری بالوں کی وگ پہن کر لائی سسکا (Lisisca) کے نام سے جاتی تھی۔

گھر کے اندر گھر کے باہر

مرد کی بالادستی اور فوقیت کے اس معاشرہ (Male Dominated Society) میں عورت کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ وہ عصمت وعفت کی پاسداری کرے تاکہ نسل ونسب کی حفاظت ہوتی رہے اور مرد کی اولاد خالص اور بے آمیز رہے عورت کو پابند کیا گیا کہ وہ غیر مرد کا تصور بھی نہ کرے لیکن مرد نے اپنے لیے کسی طرح کی پابندی قبول نہ کی اور ایک مرد کئی بیویاں رکھنے لگا جب اس سے بھی جی نہ بھرا تو لونڈیوں کے باڑے بھر لیے۔ اسکے علاوہ قحبہ خانے کھل گئے جہاں اپنی مرضی اور اپنی خواہشات کے مطابق تسکین نفس کا سامان موجود رکھا گیا۔

بیوی کے لئے ضروری سمجھا گیا کہ وہ گھر میں مقید ہو کر بیٹھے تاکہ کسی کی اس پر اور اسکی کسی پر نظر نہ پڑے اسے تعلیم سے بے بہرہ رکھا گیا اس کا فریضہ صرف یہی قرار پایا وہ بچے جنتی اور اسے پالتی رہے اس کا باہر نکلنا حرام ٹھہرا اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بزدل، سراسیمہ اور ذہنی طور پر معذور ومفلوج ہو کر رہ گئی جب بھی کوئی بیرونی حملہ آور ہوتا مرد شکست کھا جاتے تو عورتوں کی طرف سے کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑتا. حملہ آور فوج کا ایک ایک فرد سو سو عورتوں کو بھیڑوں کی طرح ہانک کر لے جاتا۔ جہالت، خوف اور بے توقیری نے اسے پست فطرت بنا دیا، اسکے سارے جذبے منفی رخ پر بہنے لگے اپنے خاوند کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اسے بیماری وغیرہ کے سوانگ رچانے پڑے اور قسم قسم کے بہانے تراشنا ہوتے اس طرح اس کے کردار میں مکر وفریب کے عناصر شامل ہوئے، تعدد ازدواج کی صورت میں ہر بیوی کو دوسری بیوی سے حسد پیدا ہوتا۔ انکی اولاد سے نفرت ہوتی اس طرح سوکن کا جلاپا ایک ضرب المثل بن گیا ان عورتوں کی اولادیں بھی ایک دوسرے سے نفرت کرتیں اور ان میں باہم دشمنی اور رقابت مستقل صورت اختیار کر لیتی ایسی اولاد کے دل میں باپ کا خوف تو ہوتا لیکن محبت کبھی پیدا نہ ہوتی۔ گھر کے اندر ماحول جہنم سے کم نہ تھا جس سے وہ مرد بھی گھبرا جاتا تھا جس نے یہ جہنم دہکایا تھا اور

جو اس بگڑی ہوئی معاشرت کا ذمہ دار تھا گھر کا گھبرایا ہوا مرد کوٹھوں اور بالا خانوں میں پناہ لیتا اور رنڈیوں کے آغوش میں اپنا تھکا ہوا سر رکھ کر عافیت و راحت محسوس کرتا۔

غلام داری کا نظام آیا اور عورتوں کی خرید و فروخت شروع ہوئی تو پیشہ ور لوگ کنیزوں کی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ہوئے انہیں رقص و موسیقی سکھائی ادب سے روشناس کرایا گیا۔ ان میں اعلیٰ شوق و ذوق پیدا کیا گیا۔ انہیں شیریں کلامی اور خوش اخلاقی جیسی صفات سے بہرہ ور کیا گیا تا کہ وہ بازار میں اچھی قیمت پر بک سکیں۔

فنون لطیفہ اور رنڈیاں

بڑے بڑے لوگ ان کے دام محبت میں اسیر ہوتے تھے اسلئے وہ بہت دولتمند ہو جاتی تھیں ہیر وڈوئس نے لکھا ہے کہ رہوڈوپی (Rhodopey) نام کی ایک رنڈی مصر میں جا کر اتنی دولت مند ہوگئی کہ ہرام مصر میں سے ایک ہرم اس نے ذاتی خرچ سے تعمیر کرایا تھا۔

پلوٹارک نے پیریکلیز (pericles) کے سوانح عمری میں لکھا ہے کہ اس کے دل ودماغ پر ایک رنڈی اسپاسیا (Aspasia) اس قدر چھائی ہوئی تھی، کہ اس نے اس کو خوش کرنے کے لئے ایتھنز کے ہنستے بستے شہر کو جنگ میں جھونک دیا یہ اسپاسیا بھی کوئی عام کسبی نہیں تھی بڑی دانشمد اور عالی دماغ سیاستدان تھی۔ سقراط اور اس کے احباب بھی اس کی صحبت میں بیٹھ کر دانشورانہ باتیں سن کر محظوظ ہوتے۔

گھر میں بیٹھی ہوئی جاہل، ناخواندہ اور ڈری سہمی ہوئی مخلوق ان عورتوں کا مقابلہ کہاں کر سکتی تھی، یہی عورتیں تھیں جنہوں نے آرٹ کو پروان چڑھایا ادب انہی کی کوٹھریوں اور چھتوں پر روشنی پاتا رہا۔

مشہور شاعر سیفو (Sappho) جس کا نام ادب واحترام سے ہومر Homer کے ساتھ لیا جاتا ہے اگر چہ اسے ہم رنڈیوں میں شمار نہیں کر سکتے مگر وہ ایک بڑی اخلاقی بیماری میں مبتلا تھی وہ ہم جنس پرستی کا شکار تھی۔

اس بازار کی مشہور عورت آرچے (Archippe) ہی شعر وادب کی وہ تخلیق کار تھی جس کی خوشہ چینی مشہور ڈرامہ نگار سوفو کلیس نے کی اور جب مرنے لگا تو اس کے احسانات کے اعتراف کے طور پر اپنی ساری دولت اسے دے گیا۔

لیون شون (Leontion) وہ عظیم مصنفہ اور دلاسفر تھی جس پر اپی کیورس قدر رتھا، فرائنے (Phiyne) بھی اپنی انہی صفات کے باعث سکندر اعظم کی محبوبہ ہوئی اور اس کے بعد بطلیموس اول شاہ مصر کو ایسی بھائی کہ وہ اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھا کر دربار کیا کرتا تھا۔

طولیہ دی آرا گونہ (Toliah The Araguna) اپنی اعلیٰ فلسفیانہ شاعری کی وجہ سے بہت مشہور کسبی تھی اس نے ایک بیس سالہ نوجوان کی محبت میں گرفتار ہو کر وہ انتہائی خوبصورت چودہ مصرعوں والی نظم (Sonnet) لکھی تھی جو بے حد مشہور ہوئی جس کا ابتدائیہ یوں ہے۔

''ہوائیں مست ہو کر بڑھ رہی ہیں کہ رنگا رنگ پھولوں سے جمع کی ہوئی خوشبو اس کے سونے کے تاروں جیسے بالوں میں پرودیں''

میری گلی کو ناز ہے کہ تو نے اسکی دھڑکنیں اپنے پاؤں میں جذب کی ہیں میرے مکان کی سیڑھیاں شاید آسمان کو چھو لیں کہ تو ان پر قدم رکھتا آرہا ہے تیرے قدموں کی چاپوں پر سازوں کی سارے سر قربان ہو رہے ہیں۔''

1546ء میں فلورسنین کے حاکم نے فرمان جاری کیا کہ تمام کسبیاں چہرے پر زرد نقاب ڈالا کریں یا ہاتھ میں زرد رومال رکھا کریں تاکہ ان کی پہنچان قائم رہے اور ہر شخص جان لے کہ یہ پیشہ کرنے والی عورت ہے طولیہ نے اس کی شکایت حاکم کی زوجہ سے کی وہ ایک روشن خیال اور مہذب خاتون تھی اس نے اپنے شوہر کو مجبور کیا اور بالآخر شوہر کو حکم دینا پڑا کہ طولیہ اس حکم سے مستثنا ہے کیونکہ وہ ایک اعلیٰ درجے کی فلسفی شاعر ہے۔ اس کے بعد سے طولیہ نے اپنی نظمیں حاکم کی اس بیگم سے منسوب کرنا شروع کر دیں۔

ورونیکا فرانکو (Veronca franco) ایک اور ممتاز رنڈی تھی جس کا دماغ شاعری اور فنون لطیفہ کے لیے بہت موزوں تھا وہ متعدد زبانیں جانتی تھی بہترین مغنیہ تھی اور بہت سے ساز بڑی مہارت سے بجا سکتی تھی وہ اتنی مشہور ہو گئی کہ ایک مرتبہ شاہ فرانس ہنری سوم بھی اس سے جا کر ملا اور رخصت ہوا تو اس کی تصویر بھی ساتھ لے گیا۔

غرضیکہ فنون لطیفہ نے انہی بالا خانوں سے ترقی پائی بلکہ پیدا بھی یہیں ہوئے اور پروان بھی یہیں چڑھے ڈرامہ کے کئے اداکار بھی اسی بازار سے آئے۔ رقص موسیقی کی پرورش گاہیں بھی یہی کوٹھے تھے۔ اور بڑی حد تک آج بھی ایسا ہے۔

انسدادِ فحاشی کی تدابیر

فحاشی سے تمدن کی دنیا تہہ و بالا ہو جاتی تھی بڑی بڑی تہذیبوں کو اس نے زوال آشنا کر دیا اور اس کے اثرات بد کا اہل نظر کو ہمیشہ ادراک رہا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کی انسداد کی تدبیر بھی کی گئی ہیں فحاشی کا سب سے بڑا مظاہرہ قحبگی کو ختم کرنا ضروری سمجھا گیا۔

قحبگی کے خلاف سب سے زیادہ سخت جنگ فرانس میں ہوئی شاہ لوئی نہم نے 1254ء میں حکم جاری کیا کہ تمام کسبیوں کا مال اسباب چھین لیا جائے اور انہیں ملک بدر کر دیا جائے۔ 1256ء میں اس فرمان کو سختی سے نافذ العمل کرنے کی کوشش کی گئی مگر قحبگی کا مکمل استیصال نہ ہو سکا۔ 1269ء میں جب وہ صلیبی جنگوں میں شمولیت کے لئے فلسطین جانے لگا تو اس نے ضروری سمجھا کہ اس ''مقدس جہاد'' پر نکلنے سے پہلے اپنے ملک کو رنڈیوں سے پاک کر دے، چنانچہ حکم دیا کہ رنڈیوں کے گھر اور قحبہ خانے مسمار کر دیئے جائیں ایسا کیا بھی گیا مگر اس کے نتائج اور زیادہ بدتر صورت میں نمودار ہوئے، پہلے یہ بدکار عورتیں الگ تھلگ رہتیں تھیں انکی آبادی اکٹھی تھی اور شہر سے جدا تھی اب کسبیوں نے خوف سے اپنے مسکن چھوڑ دیئے اور شہروں میں دوسرے لوگوں سے گھل مل کر رہنے لگیں یوں پہلے گندگی کا ڈھیر ایک جگہ پڑا تھا اب گلی گلی پھیل گیا اور پورا معاشرہ متعفن ہو گیا، اب گھر چکلے بننے لگے یہ تو شہروں کی حالت ہوئی خود وہ جس لشکر کو لے کر اپنے خیال میں مقدس جہاد پر نکلا تھا اسی لشکر میں عصمت فروشی ہوتی تھی اور لشکر تو کجا خود شاہی خیموں کے ساتھ کے خیمے کسبیوں کی آماجگاہ تھے۔

سترھویں صدی کے وسط تک شہنشاہ لوئی کے احکام کا ہی بے سود اعادہ ہوتا رہا مگر یہ احکام خلا میں معلق رہے۔ ادھر 1560ء میں چارلس نہم نے بھی فرمان جاری کیا کہ ملک کے سارے قحبہ خانے برباد کر دیے جائیں اسکا اثر بھی الٹا ہوا اور کسبیوں کا کاروبار بھی پھیل گیا اور تعداد بھی زیادہ ہو گئی۔ پہلے بدکاری اعلانیہ ہوتی تھی اب خفیہ طور پر ہونے لگی پہلے قحبہ خانے نمایاں تھے اور اکثر بدنامی کے خوف سے

ان کا رخ نہیں کرتے تھے لیکن اب جن گھروں میں یہ فحاشی ہو رہی تھی ان پر شرافت کا غلاف چڑھا ہوا تھا کسی کو محسوس نہ ہوتا تھا کہ جانے والا کہاں جا رہا ہے۔ اس طرح یہ کاروبار اندر ہی اندر پھیلتا گیا الغرض سخت اور تلخ جنگ کے باوجود بھی یورپ میں فحاشی کو ختم نہ کیا جا سکا اور اٹھارویں صدی تک پہنچتے پہنچتے یہ کاروبار پیرس میں تو اس عروج پر پہنچا کہ انتہائی پرشکوہ عمارت وجود میں آ گئی جن میں قحبہ خانے تھے،

وینس (Venus) میں بھی بہت سخت قوانین نافذ کئے گئے لیکن سب کچھ بے اثر ہو گیا سترھویں صدی کی ابتداء میں کوریاٹ (Coriyat) نے اپنا سفر نامہ (Coructitas) میں وینس کا حال لکھتے ہوئے کہا کہ

''ان دنوں وینس میں کسبیوں کی تعداد بیس ہزار تھی جن سے حکومت کو اس قدر ٹیکس وصول ہوتا تھا کہ ایک درجن جنگی جہازوں کے عملہ کے مصارف اس سے نکل آتے''

یورپ میں اس سلسلہ کی آخری کوشش اٹھارویں صدی میں وائنا کی ملکہ (Maria Tharesa) نے کی قید و بند، جرمانے، تازیانے، غرضیکہ ہر طرح کی سزا دی گئی۔ معاشرتی اصلاح کے نام پر تمام عورتوں پر کچھ پابندیاں عائد کی گئیں عورتوں کو اونچا لباس پہننے سے منع کر دیا گیا کہ اس طرح مرد کو جنسی تحریک ملتی ہے۔ ہوٹلوں قہوہ خانوں اور شراب خانوں کی سختی کے ساتھ چیکنگ کی جانے لگی ان مقامات پر عورتوں کو ملازم رکھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ 1751ء میں Chastisty (Commission) بٹھایا گیا جسے انسداد فحاشی کے سلسلہ میں اور زیادہ موثر سفارشات پیش کرنا تھیں لیکن ملکہ کا عہد ختم ہو گیا اسکے بعد شہنشاہ جوزف جونیئر نے تخت پر قدم رکھتے ہی اس کمیشن کو ختم کر دیا اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے متعلق جے۔ شرینک (J. Shrank) لکھتے ہیں:۔

''ان سخت قوانین سے فحاشی کا خاتمہ تو کیا ہوتا اس میں اور زیادتی ہو گئی اور واقعہ یہ ہے کہ پھر جس قدر فحاشی وائنا میں ہوئی تھی یورپ کے کسی اور شہر میں نہیں ہوئی تھی''۔

(Duprasitution in Wina)

تھک ہار کر ہر معاشرہ میں قحبہ گری کو برداشت کر لیا گیا بلکہ مختلف جگہوں پر اسے قانونی حیثیت دے دی گئی لائسنس جاری ہوئے ڈاکٹری معائنے ہونے لگے گویا ناز برداشت کر لیا گیا صرف یہ احتیاط کی گئی کہ بدکار مردوں کو جنسی بیماری نہ ہو جائے، مختلف معاشروں میں کوشش کی گئی کہ کسبیوں کے لئے کوئی نشانی ایسی مقرر کی جائے کہ انکی شناخت ہو سکے اب چونکہ بیویوں کو گھر میں بند رکھنا اکثر ملکوں میں

ناممکن ہو گیا تھا اس لئے علامت شناخت ضروری سمجھی گئی ہم لکھ آئے ہیں کہ 1546ء میں فلورینس میں یہ قانون نافذ اہوا کہ تمام کسبیاں چہرے پر زرد نقاب ڈالا کریں ہاتھ میں زرد رومال رکھا کریں تا کہ معاشرہ میں ان کی پہچان قائم رہے اور وہ دوسری عورتوں سے ممیز رہیں جرمنی میں پندھویں صدی میں زانیہ اور دلالہ کے لئے عام سزا مقرر ہوئی کہ سر منڈ دیا جاتا اور سے مجبور کیا جاتا کہ تمام عمر چہرہ پر نقاب ڈالے رکھے۔

شہنشاہ شارلیمین کے قوانین میں رنڈیوں کو زیادہ نشانہ نہیں بنایا گیا لیکن انہیں اس کا پابند کیا گیا تھا کہ وہ اپنے ملبوسات پر مقررہ نشان ضرور لگائیں تا کہ انکے پیشہ کی پہچان ہو سکے، تمام کسبیوں کو حکم تھا کہ سیاہی مائل لباس پہنیں اور بائیں بازو پر ایک سفید کمان سی لگالیا کریں اور اگر لباس کا رنگ ہلکا ہوتا تو اس کمان کا رنگ سیاہی مائل ہونا ضروری تھا۔ پیرس میں بھی یہی پابندیاں تھیں علاوہ ازیں یہ بھی حکم تھا کہ وہ بازاروں میں باریک لباس، ریشمی پوشاک اور زیور پہن کر نہ نکلیں، اگر کوئی عورت اس حکم کے خلاف ورزی کرتے ہوئے ریشمی پوشاک یا باریک لباس پہن کر نکلتی تو اس کا لباس پشت کی جانب سے چاک کر دیا جاتا اور نیلام کر کے حاصل شدہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کرا دی جاتی۔

شہر تولوز میں ان پر پابندی تھی کہ وہ بازوؤں پر سفید فیتہ باندھ لیا کریں جب شہنشاہ چارلس ششم تولوز گیا تو کسبیوں نے اسکا خیر مقدم کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ انہیں سفید فیتہ باندھنے سے آزاد ی دی جائے کیونکہ اس طرح ان کا پیشہ ظاہر ہو جاتا ہے اور لوگ ان کی بے عزتی کرتے ہیں۔ بادشاہ نے ان کا مطالبہ مان لیا لیکن تولوز کے لوگوں نے بادشاہ کے حکم پر سر خم نہ کیا اگر کسبی اس امتیازی نشان کے بغیر باہر پھرتی پائی جاتی تو غضبناک ہجوم اسے پیٹنا شروع کر دیتا۔

یہودیت اور جنسیات

انسان نے قبائل کی صورت میں تمدن کا آغاز کیا تو اسے نظر آیا کہ قبیلہ میں افراد کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی زیادہ سے زیادہ زمین زیر کاشت لائی جاسکے گی اور زیادہ سے زیادہ زمینوں پر قبضہ کیا جاسکے گا' اس لئے افزائش نسل پر زور دیا گیا اس وقت نکاح یا شادی کا مقصد صرف یہ تھا کہ آبادی بڑھائی جائے' جنسی تعلق افزائش نسل سے وابستہ تھا۔ محرمات کا تصور پیدا نہیں ہوا تھا ہر عورت کو صرف عورت اور مرد کو صرف مرد سمجھا جاتا تھا، ماں بیٹی، بہن جیسے رشتے جنسی ملاپ کی راہ میں حائل نہیں ہوتے تھے یہ صورتحال اکثر جگہ 26 قبل مسیح تک قائم رہی کیونکہ عہد قدم میں جنسی تعلق لذت و بدمستی اور نفس پرستی کے لیے نہیں صرف افزائش نسل کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا قدیم مذاہب میں بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر پایا جاتا ہے اور رشتوں کا تقدس مفقود ہوتا نظر آتا ہے۔ ہندوؤں میں دیوتا بھی ایسا کر گزرتے تھے، چنانچہ ہر بھانے اپنی بیٹی سرسوتی سے شادی کر لی۔ مصریوں میں آمون نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا' ڈین اپنی بیٹی فریگا (Friggaa) کا خاوند بن گیا جیو پیٹر نے اپنی بہن جونز سے شادی رچائی۔

تورات میں کسی حد تک ان قدیم خیالات کا پرتو پایا جاتا ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنی سوتیلی بہن سارہ سے شادی کر لی اور انکا کا ایک بیٹا اپنی بیوی کی کنیز حاجرہ سے پیدا ہوا، یعقوبؑ نے اپنی دو بہنوں سے شادی کی اور ان کی دو کنیزوں سے بھی انکی اولاد ہوئی۔

تورات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تعدد ازدواج کی بھی اجازت تھی مرد ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا تھا۔ لیکن اسقف اعظم یعنی سب سے بڑا پیشوائے مذہبی صرف ایک بیوی رکھ سکتا تھا، بعد میں بادشاہوں پر بھی یہی پابندی عائد کر دی گئی۔ لیکن بادشاہوں نے اس کی پرواہ نہ کی، بتایا گیا ہے کہ داؤدؑ کی متعدد بیویاں تھیں اسرائیلیات میں وہ مشہور روایت بھی ہے کہ انکی ننانوے بیویاں تھیں۔ جب وہ ایک شخص اوریا کسی کی بیوی پر عاشق ہوئے اور اسے طلاق دلوا کر اس کی بیوی اپنے حبالہ عقد میں لے آئے۔ سلیمانؑ کا سات سو بیویوں کے ساتھ تین سو لونڈیاں رکھنا اور ان سے متمتع ہونا

بھی تورات سے ثابت ہے۔ یہ بھی ہے کہ لوطؑ کی بیٹیوں نے افزائش نسل کے لئے اپنے باپ کو شراب پلائی اور ان سے مختلط ہوئیں لوطؑ کا جو قصہ تورات میں درج ہے اس سے بقول علامہ نیاز فتح پوری پوری طرح واضح ہوتا ہے کے لڑکیوں کی عصمت کا خیال اس قدر ضعیف تھا کہ انہیں مہمانوں کے سامنے پیش کر دیا جاتا، (شہوانیات ص302)

عبرانی قانون میں بیوی شوہر کی ملکیت سمجھی جاتی تھی اسے شوہر کے کسی طرز عمل کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ طلاق کا حق صرف مرد کو حاصل تھا عورت کسی طرح بھی مرد سے چھٹکارہ حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ خاوند کو اپنی بیوی پر لامحدود اختیارات حاصل تھے اسی طرح اولاد پر بھی اسکے مالکانہ اختیارات لامحدود تھے وہ چاہتا تو اولاد کو قتل بھی کر سکتا تھا اور بیٹیوں کے سلسلہ میں وہ ایسا کر بھی گزرتا تھا۔ وہ اپنی بیوٹیوں کو فروخت بھی کر سکتا تھا اور ہر وہ سلوک کر سکتا تھا جو اپنی مملوکہ اشیاء کے ساتھ کرنا ممکن تھا۔

تورات سے یہ بھی معلوم ہوت ہے کہ اسرائیلی معاشرہ میں حضرت لوطؑ کے زمانہ میں امرد پرستی عام ہوگئی تھی۔ امرد پرستی کی تاریخ بہت قدیم ہے اس پر بحث کسی اور جگہ کی جائیگی۔

بائبل میں مذہب کے نام پر فحاشی کی روایات درج ہیں جن کی تفصیل یہاں مطلوب نہیں انہی فحاشیوں کی باقیات میں یہ بھی ہے کہ عبرانیوں میں حلف اٹھانے کا رواج یہ تھا کہ جب وہ حلف اٹھاتے تھے تو حلف کو زیادہ پرزور بنانے کے لیے اپنے عضو مخصوص پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتے تھے کیونکہ یہ عضو تمام اعضائے جسم میں نازک بھی تھا اور ایسی چیز بھی جس پر نسل انسانی کا انحصار تھا قدیم زمانہ سے اسے افزائش نسل کا دیوتا مانے چلے آتے تھے اور مختلف صورتوں میں اس کی پوجا ہوتی رہی تھی یہی رسم متوارث طور پر بنی اسرائیل میں بھی آئی تھی، مثلاً کتاب پیدائش میں ابراہام اپنے سب سے زیادہ عمر کے نوکر کو طلب کر کے کہتا ہے۔

''میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو اپنا ہاتھ ران کے نیچے رکھ اور میں تجھ سے خداوند کی جو آسمان کا خدا ہے اور زمین کا خدا ہے قسم لونگا'' (بائبل کتاب پیدائش باب 24)

گویا خدائے واحد کا تصور آ گیا لیکن حلف کے پرانے طریقہ کی باقیات موجود رہیں

اسی طرح اسرائیل نے یوسفؑ کو حلف کا کہتے ہوئے یوں بات کی؛

''اور جب اسرائیل (یعقوب) کے مرنے کا وقت پہنچا تب اس نے اپنے بیٹے یوسفؑ کو بلا کر اس سے کہا اب جو میں نے تیری نظر میں مہربانی پائی تو اپنا ہاتھ میری ران تلے

رکھو اور مہربانی اور صداقت کا سلوک میرے ساتھ کر مجھے مصر میں نہ گاڑنا میں اپنے باپ دادا کے پاس سوؤں گا مجھے مصر سے لے جاؤ اور مجھکو ان کے قبرستان میں گاڑ"

(بائبل کتاب پیدائش باب 47)

بائبل میں "ران تلے" کے جو الفاظ ہیں، ان سے مراد خصیتیں (Testicles) ہیں عبرانیوں میں ان پر ہاتھ رکھ کر جو حلف اٹھایا جاتا تھا اسے سب سے زیادہ پختہ حلف سمجھا جاتا تھا' خیال رہے کہ عہد نامہ کے لئے (Testament) کا جو لفظ آتا ہے اس میں بھی (Testicles) کا اشارہ ملتا ہے کیونکہ ان دونوں الفاظ کا مادہ (Root) ایک ہے نیز دستاویز کے لیے (Testimony) کا لفظ بھی اسی مادہ سے وجود میں آیا۔ قدیم مصریوں میں یہ رواج تھا کہ جب وہ قسم کھاتے تھے تو اپنے عضو کو اوپر اٹھا لیتے تھے۔ آج بھی جب حکومت کا کوئی عہدہ دار حلف اٹھاتا ہے تو اپنے ہاتھ سے مٹھی بند کر کے عضو تناسل کی صورت بناتا ہے اور اسے بلند کر کے حلف بردار ہوتا ہے۔ مغرب کی دیکھا دیکھی اب تو ہر قوم حتیٰ کہ مسلمانوں میں بھی یہ رواج سرایت کر گیا ہے۔ کھلاڑی بھی جب کارنامہ دکھاتا ہے تو مظاہرہ قوت کے طور پر ایسا کرتا ہے۔ ہاتھ میں انگوٹھے کو بھی مردانہ عضو تناسل کی علامت سمجھا جاتا ہے ملا قطبی نے تو لکھا ہے کہ انگوٹھے کے ساتھ چار انگلیاں بنا کر قدرت نے اشارہ کر دیا کہ مرد چار بیویاں رکھ سکتا ہے۔

(الدین الیسیر ص 13)

ہمارے ہاں طاقتور جب کسی کو کچھ نہ دینا چاہتا تو انگوٹھا دکھا دیتا تھا اب مظاہرہ قوت اور کامیابی کے اظہار کی مسرت میں انگوٹھا دکھایا جاتا ہے۔

جہاں عورت کی کوئی حیثیت نہ ہو اسے بھیڑ بکریوں کی طرح جنگ میں پکڑ لیا جائے اور اپنے استعمال میں لایا جائے یا بیچ دیا جائے وہاں فحاشی اور بے حیائی کا عام ہو جانا معمولی بات ہے۔ علامہ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں۔

"عبرانیوں میں حرام کاری کثرت سے رائج تھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ بائبل میں فاحشہ عورتوں کا ذکر بار بار آتا ہے صحیفہ امثال کے ابواب فاحشہ عورتوں کی مذمت سے بھرے پڑے ہیں بایں ہمہ عبرانی قوم غیر عورتوں کے فحش کو گوارا کر لیتی تھی اور خود اپنی عورتوں کی فحش پر سخت قانون نافذ کرتی تھی۔ (شہوانیات ص 90)

ختم

عیسائیت اور جنسی مسائل

یہودیت کی طرح مسیحیت میں بھی عورت کو گناہ آدم کی ذمہ دار قرار دیکر قابل نفرت سمجھا جاتا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ناپاک خیال کی جاتی تھی اور اس کا قرب غلاظت کے ڈھیر کو گلے لگانا تھا۔ اسے دنیا میں آنے والی ہر تباہی کا موجب تصور کیا جاتا تھا۔ ٹرٹولین (Tertulline) نے عورت کو دوزخ کا دروازہ کہا ہے ہیرونیمس (Heironomymus) شادی کو ''عادت بد'' کہتا ہے' اور یجنیس (Originus) کے نزدیک نکاح معصیت ہے۔ تھامس اکیناس (Thomas Aquinas) کا خیال ہے کہ نقصان دہ اشیاء میں عورت سب سے زیادہ مضرت رساں ہے۔

جناب مسیحؑ کی تعلیمات جس حالت میں موجود ہیں ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زنا کو انتہائی کبیرہ گناہ خیال کرتے تھے اور اس سے بچنے کے لئے برائی کا خیال تک دل میں نہ لانے کی تاکید کرتے تھے پہاڑی پر جو وعظ انہوں نے کیا تھا اس میں فرمایا

> تم نے سنا ہوگا کہ پرانے زمانے کے لوگوں کی طرف سے کہا گیا تو زنا نہ کر لیکن میں تم سے کہتا ہوں کو شخص کسی عورت کی طرف نگاہ بد سے دیکھے گا وہ اپنے دل میں اس سے زنا کر چکا''

وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ رشتہ ازدواج کو کھیل نہ سمجھا جائے اور طلاق انتہائی صورت میں دی جائے وہ کہتے ہیں:

> جو شخص اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور وجہ سے چھوڑ دے اور کسی دوسری عورت سے شادی کرلے تو وہ زنا کرتا ہے اور جو شخص اس چھوٹی ہوئی عورت سے شادی کریگا وہ بھی زنا کرے گا۔ اس عبارت سے یہ نتیجہ قطعی اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ آدمی شادی نہ کرے اور تجرد کی حالت میں زندگی بسر کرے لیکن پولوس نے مسیحت کی ان

تعلیمات کو اور ہی معنی پہنا دیئے۔ اس نے مردوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ عورت کو ہاتھ نہ لگائیں اور بچے پیدا نہ کریں کیونکہ گوشت پوست کی سب چیزیں فنا ہو جائیں گی، وہ شادی کو صرف زنا سے بچنے کے لیے ناگزیر برائی کے طور پر قبول کرتا ہے اور کہتا ہوں کہ دوزخ میں جانے سے یہی بہتر ہے کہ آدمی نکاح کر لے"۔

یہ ہیں وہ تعلیمات جو مسیحیت میں رہبانیت کی بنیاد بنیں۔ جناب مسیحؑ نے گناہگاروں پر توبہ کے دروازے کھولے تھے اور انہیں بشارتیں دی تھیں کہ بھٹکے ہوئے واپس آجائیں تو خداوند کو زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

"تم لوگوں کا خیال ہے؟ اگر کسی شخص کے پاس سو بھیڑیں ہیں اور ان میں سے ایک کہیں بھٹک جائے تو کیا وہ باقی ننانوے کو چھوڑ کر پہاڑوں میں نہیں جاتا اور گم شدہ بھیڑ کی تلاش نہیں کرتا اور اگر وہ بھیڑ اسے مل جاتی ہے تو خوش نہیں ہوتا۔ یقیناً ہوتا ہے بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ جو ننانوے اس کے پاس تھیں اس کی خوشی کی وہ کیفیت نہیں تھی جو اس کو پا کر ہوئی"۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یسوع مسیح نے بدکاروں کی حوصلہ افزائی کی، نہیں وہ بدکاری کے سخت خلاف تھے وہ فحاشی نہیں برداشت کر سکتے تھے، قحبہ خانوں سے نفرت کرتے تھے اور فاحشہ عورتوں کا نام سن کر انجام کے خیال سے لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ لیکن وہ ان کے بھی خلاف تھے جو اونٹ نگل جاتے تھے مگر مچھر چھان چھان کر پیتے تھے وہ ان لوگوں کے خلاف تھے جو اپنے اوپر نکوکاری اور شرافت کا خول چڑھائے رکھتے ہیں۔ لیکن اندر سے سخت بدکار ہوتے ہیں وہ سفیدی پھری قبروں میں بھری ہوئی متعفن ہڈیاں دیکھتے تھے وہ ان کے دشمن تھے جنہیں دوسرے کی آنکھ کا تنکا تو نظر آ جاتا تھا مگر اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔ یوحنا کی مشہور روایت ہے کہ یسوع سے سوال کیا گیا اگر عورت زنا کرتی ہے اور پکڑی جاتی ہے تو اس سے کیا سلوک کیا جائے۔ تو یسوعؑ نے جواب دیا۔ "وہ شخص جو تم میں سے معصوم ہے وہی سب سے پہلے اس عورت کو پتھر مارے"

یہ سنتے ہی تمام الزام لگانے والے وہاں سے نکل گئے اور ایک بھی باقی نہ رہا۔ یہ اور اس قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوعؑ کو دنیا اور معاشرہ کا پورا ادراک تھا۔ اور ایسا آدمی کوئی ایسی تعلیمات نہیں نشر کرتا جو نا قابل عمل ہوں۔ لیکن ابتداء میں جن لوگوں نے مسیحیت قبول کی ان پر یہودیوں کے

ایسینی (Essenes) فرقہ کے زہد و ورع کے اثرات تھے یہ لوگ مل جل کر رہتے اپنی روزی اپنی محنت سے پیدا کرتے اور اکٹھے بیٹھ کر کھاتے۔ یہ لذت نفس سے دور رہتے ان کا خیال تھا کہ انکی پارسائی خداوند کو خوش کریگی اور اس طرح جلد وہ مسیح کو ورود ثانی کے لیے زمین پر بھیج دیگا۔ اسی شوق میں انہوں نے ترک لذت کی راہ اپنائی اور تجرد کی زندگی کو اختیار کی حقیقت سے یہ فرار زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا حتیٰ کے سینٹ آگسٹائین کو یہ کہنا پڑا:

''کسبیوں کے پیشہ کو نہ روکو ورنہ شہوت رانی بدلگام ہو کر تمام سوسائٹی کو تہ و بالا کر دے گی''

پھر عیسائیوں میں نکولائی جیسے فرقے وجود میں آئے جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو لوگ بخشش کے طلبگار ہوں۔ ان کے لیے لازم ہے کہ وہ گناہ کریں۔ یورپ میں مسیحیت آئی تو بت پرستی کے عہد کے عیاش دیوتا بھی مذہب میں شامل کر لئے گئے انہی میں سے بعض کو اولیاء اللہ (Saints) بنا دیا گیا اور انکے ساتھ طرح طرح کی داستانیں منسوب ہوگئیں۔ سینٹ ویلنٹائن (St.valentine) عشق و محبت کا سرپرست ہو گیا اور اسکی پرستش ہونے لگی۔ پرپالیس دیوتا کے بت موجود تھے۔ ان سے گرد جھاڑ کر انکی پرستش شروع کر دی گئی بعض دیوتاؤں کے اصل نام بھی باقی رہ گئے اور انہی ناموں سے انکی پرستش ہونے لگی۔ چنانچہ وینس جیسی حسین دیویاں عیسائی شعرا کے کلام کے ساتھ عوام کے معتقدات پر بھی راج کرنے لگیں۔

کہا جاتا ہے کہ قرون وسطی کی رنڈیاں عام طور پر ''کنواری مریم'' کی پرستش کر کے دعا مانگا کرتی تھیں کہ آج کی رات وہ خوب کمائی کریں۔

اس طرح آہستہ آہستہ اور غیر محسوس طریقہ سے فحاشی مسیحیوں پر رسوم کی شکل میں غالب آتی گئی۔

1585ء میں جب پروٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائیوں نے امبروم فتح کیا تو انہوں نے تبرکات میں ایک ''عضو مخصوص'' دیکھا جسے بانجھ عورتوں نے شراب مل مل کر سرخ کر دیا تھا۔ پادری لوگوں کو بتایا کرتے تھے کہ یہ فوتین راہب کا عضو ہے جو شہر لائنیس کا سب سے پہلا پادری تھا یہ روایت من گھڑت تھی، اصل میں فوتین ایک ننگا بت تھا جس کے عقید تمند بہت سے لوگ تھے۔ اس کی پوجا قدیم سے چلی آتی تھی وہاں عیسائیت پہنچی تو پادریوں نے دیکھا کہ اگر یہ بت توڑ دیا جائے تو ایک طرف لوگ بھڑک اٹھیں گے دوسرے ایک معقول ذریعہ آمدنی ختم ہو جائیگا۔ چنانچہ اس بت کو راہب فوتین کا نام دے دیا

گیا۔ سینٹ ٹرزینٹی سینٹ گائلز انجو سینٹ رینی وغیرہ سب اسی قسم کی فرضی ہستیاں تھیں۔ جن پر تقدس کے پردے ڈال کر فحاشی کو فروغ دیا گیا اسطرح فحاشی مذہب کا جزو بنتی گئی۔ برچارڈ (Burchard) کی شہادت کے مطابق بات یہاں تک پہنچ گئی کہ

''اکتوبر 1501ء میں پاپائے اعظم نے حکم دیا کہ دربار میں اعلیٰ طبقہ کی پچاس پیشہ ور عورتیں لائی جائیں حکم کی تعمیل ہوئی۔ عشاء کے بعد یہ عورتیں قیصر بورجیا اور اسکی بہن لقریزیہ کے سامنے پہلے تو پشواز یں پہن کر اہل دربار کی موجودگی میں رقص کرتی رہیں پھر انہیں بالکل ننگا نچایا گیا اسکے بعد کافوری شمعیں روشوں کی صورت میں آراستہ کی گئیں شمعیں روشن ہوئیں اور فرش پر اخروٹ بکھیر دیے گئے ان عریاں بدن عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ چوپاؤں کی طرح چلتی رہیں اور اخروٹ اکھٹے کریں ان عورتوں میں مقابلہ تھا جس کی بے حیائی اہل محفل کو زیادہ پسند آئی اسے انعام سے نوازا گیا''۔ (بحوالہ شہوانیات)

دنیا میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مذہبی تقدس کے حامل لوگ دوغلی زندگی بسر کرتے ہیں انکے قول اور فعل میں تضاد ہوتا ہے وہ نیکی کا وعظ کرتے ہیں لیکن اپنی نجی زندگی میں بدی کے شیطان بن جاتے ہیں قرآن حکیم میں اہل کتاب پر یہی فرد جرم عائد کی گئی ہے

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ (البقرہ)

(کیا ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو)

ہمارا سارا ادب واعظین اور مبلغین کی ایسی دوغلی زندگی پر شکوہ کناں ہے حافظ شیرازی نے کہا

واعظاں کیں جلوہ برمحراب ومنبر می کنند
چوں بخلوت می روند ایں کار دیگر می کنند

اور غالب اپنے تیکھے انداز میں کہتا ہے

کہاں مے خانے کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

یہ صورت کلیسا کے پادریوں کی رہی ہے جنہوں نے لوگوں کے نزدیک خداوند کو خوش رکھنے کے لئے تجرد کی زندگی اختیار کر لی تھی اور نفسانی خواہشات سے دور ہو گئے تھے لیکن عملی صورتحال کیا تھی؟

ڈاکٹر سینگر (Sengur) لکھتا ہے۔

''مسیحیت میں پارسائی پر بہت زور دیا جاتا تھا پادری بڑے جوش وخروش سے فحاشی کے خلاف لفظ و بیان کے شعلے اگلتے تھے لیکن یہ بھی ایک عریاں حقیقت ہے کہ یہی لوگ رنڈی خانوں کی سرپرستی بھی کرتے تھے، حتیٰ کہ ان لوگوں نے مقدس معبدوں کو بھی رنڈی خانہ بنا رکھا تھا۔ پال جیری (Paul.jieery) نے وضاحت کی ہے کہ ''قرون وسطیٰ کے قحبہ خانوں کو سب سے زیادہ آمدنی ان راہبوں سے حاصل ہورہی تھی جو راتوں کی تاریکی میں چھپ چھپا کر آتے تھے اور اپنے گناہ کے ساتھ پردہ داری ی قیمت بھی ادا کرتے تھے دوسرے نمبر پر مزدوری پیشہ لوگ تھے پھر طلبہ و امراء''

(The Sleepless nigts p.219)

مذہبی خانقاہوں میں جو کچھ ہوتا تھا اس کی تفصیلی تصویر کشی کرنے کے بعد آرتھر سیڈ (Arthersead) لکھتا ہے:۔

''مذہبی خانقاہوں میں قحبہ خانوں سے بدتر حالت تھی اسی لیے وہ اتنی بدنام ہوگئیں تھیں کہ وہاں کسی بھی لڑکی کا پہنچ جانا یقینی طور پر بے آبرو ہو کر نکلنا ہوتا یوں جو لوگ تجرد کی غیر فطری زندگی گزارنے کا دعویٰ کرتے تھے ان کا ہر فعل ان کے دعوے کی تردید وتکذیب تھا''

(Sex And Celibacy.p.83)

یوں قحبہ گری بڑھتی گئی لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ اسے روکنے کی تدابیر نہیں ہوئیں اس کے استیصال کی بھی کوششیں ہوتی رہیں، قانونی طور پر بھی اور مذہبی واخلاقی طور پر بھی قانونی کوششوں کا ہم کسی قدر ذکر کر چکے ہیں۔ مذہبی واخلاقی کوششیں بھی اسی طرح کی تھیں کہیں سختی کی گئی کہیں نرمی۔ ایسی ہی ایک تحریک تھی جس میں کوشش کی گئی کہ اس بازار کی عورتیں توبہ کرلیں۔ جرمنی میں تیرھویں صدی میں ایک جماعت ''تائبات سینٹ مریم میگڈیلینی'' کے نام سے قائم ہوئی اس قسم کی عورتوں کو ''سسٹرز'' کہا گیا اور ننکے لئے ملک کے طول وعرض میں خانقاہیں قائم کی گئیں جن کا خرچ اسقفوں کے عطیات اور ان عورتوں کے لئے دی گئی خیرات سے چلتا تھا ان کا لباس سفید رکھا گیا اور انہیں ''سفید

بہنیں'' (white sisters) کہا جانے لگا اسی صدی میں فرانس میں ایسی ہی تنظیم ''بنات خداوندی'' (Daughter of God) کے نام سے قائم ہوئی بہت سی عورتیں ان میں داخل ہوتیں تھیں کچھ پابندیوں سے گھبرا کر نکل جاتیں تھیں اور دوبارہ گنہگار زندگی اختیار کر لیتی تھیں کچھ یہاں سے نکل کر فحاشی سے بھی رقم کماتی تھیں اور لوگوں سے ''تائبات'' کے نام پر خیرات بھی وصول کرتی تھیں۔ ادھر پادری بھی اپنی حرکات جاری رکھتے۔ اسی طرح یہ کوششیں بارور نہ ہوسکیں۔

جب رومیوں نے برطانیہ فتح کیا تو دیکھا کہ یہاں لوگ بہت ناشائستہ اور گنوار تھے۔ یہاں عام دستور تھا کہ جماعتی یا اجتماعی شادیاں ہوتیں اور شادی کے روز تمام دلہنیں ننگی ہوتی تھیں۔ اینگلوسکسن لوگوں میں نکاح کا کوئی خاص قانون نہیں تھا لیکن زنا کی سزا بہت سخت تھی بدچلن بیوی کو بعض اوقات خودکشی کا موقع دیا جاتا جس کے بعد اس کی لاش جلادی جاتی تھی۔ اگر وہ خودکشی نہ کرتی تو عورتوں کو جم غفیر ہاتھوں میں ڈنڈے اور خنجر یا چھرے لئے اس پر ٹوٹ پڑتا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا اس کے ساتھ اس مرد کو بھی قتل کیا جاتا جس نے اس کے ساتھ بدکاری کی تھی۔

شادی کیلئے بیویاں خریدی جاتی تھیں اور شادی کے بعد عورت کے بال کاٹ دیے جاتے تاکہ وہ بدصورت معلوم ہو اور دوسرا اس کی طرف توجہ نہ کرے نیز پہچان ہو جائے کہ یہ عورت شادی شدہ ہے۔ شاہ کینبوٹ کے قانون کے مطابق زانیہ کے ناک کان کاٹ ڈالے جاتے تھے۔ بعد میں یہ سزا ختم کر دی گئی اور جرمانہ یا تاوان کی رقم مقرر کر دی گئی جو اس شوہر کو دلائی جاتی تھی جسکی بیوی کے ساتھ کوئی دوسرا آلودہ ہوتا تھا۔ لیکن اس سے فحاشی پھر بڑھنے لگی اور دوبارہ جسمانی سزا کا طریقہ اپنانا پڑا۔ اب یہ سزا مقرر ہوئی کہ مجرم کو بادشاہ کا غلام بنا دیا جاتا اور سالہا سال اس سے مشقت لی جاتی تھی شاہ ایڈگر نے یہ سزا مقرر کی کہ زانی اور زانیہ کو سات سال تک ہفتہ میں تین دن روٹی اور سادہ پانی پر گزارا کرنا پڑتا تھا۔

انگلستان میں رومیوں نے قحبہ خانے بھی قائم کر دئے تھے نویں صدی میں مسیحی علماء اس پر اصرار کرتے تھے کہ قحبہ خانوں کی آمدنی کا دسواں حصہ کلیسا کے حوالے کیا جائے پھر یہ مطالبہ ترک کر دیا گیا کیونکہ فقہا اس رقم کو حرام سمجھتے تھے لیکن بعد کے اسقف قحبہ خانوں سے آمدنی کو برا نہیں سمجھتے تھے' ڈینز Danes انگلستان پر غالب آئے تو یہ قانون ہوا کہ جو کسی دوسرے کی بیوی سے زنا کرے گا اس بیوی کے شوہر کو تاوان ادا کرے گا اور اس کے شوہر کے لئے دوسری بیوی کا بھی انتظام کرے اگر بیوی غریب کسان کی ہوتی تو زنا کا تاوان بیس پچیس روپے سے زیادہ نہ ہوتا۔ اگر کسی امیر کی بیوی ہوتی تو

تاوان دوسو تین سوتک ہوجاتا۔

ولیم روفس (William Rufus) کے زمانہ میں یہ سوال اٹھا کہ کلیسائے مسیحی کے اسقف بادشاہ کی اجازت کے بغیر خود ہی سزا دے سکتے ہیں یا سزا دینا حکومت کا کام ہے کافی جھگڑے کے بعد اسقف رضامند ہوگئے کہ بادشاہ کے خلاف جھگڑا مناسب نہیں۔

انگلستان میں ہنری سوم کے زمانہ میں مذہب اور سیاست میں ایک اور جھگڑے کی ابتداء ہوئی مسئلہ یہ تھا کہ زنا کے بعد جو بچے پیدا ہوں اور پھر وہ جوڑا (جس نے زنا کا ارتقاب کیا تھا) باہم شادی کر لے تو شادی سے پہلے کی اولاد جائز ہوگی یا ناجائز، تعجب ہے کہ ملکی قانون تو ایسی اولاد کو ناجائز کہتا ہے اور انہیں اولاد جیسے حقوق دینے پر تیار نہ تھا مگر اسقف اس اولاد کو جائز سمجھتے چونکہ جائز اور ناجائز کا فیصلہ بالا آخر مذہبی عدالتوں میں آجاتا اس لئے اس مسئلہ میں اسقفوں کی رائے ہی کو مان لیا گیا۔اور قانون اسی کے مطابق ڈھل گیا۔اس کا نتیجہ عجیب تر صورت میں برآمد ہوا اب لوگ اپنے گھروں میں بے نکاح عورتیں رکھنے لگے اور اس طریقہ کو آزمائشی ازدواج کا نام دیا گیا۔

قرون وسطٰی میں جرمنی نے بھی قوانین میں تغیر لانا ضروری سمجھا پہلے یہ قانون تھا کہ اگر کوئی لڑکی فحاشی کی مرتکب ہوتو اسے تین سو کوڑے مارے جاتے تھے اور وہ والدین کی رضامندی سے ایسا کرتی تو والدین کو بھی یہی سزا دی جاتی لیکن قرون وسطٰی میں جب جرمن کے ارباب حکومت اور ارباب مذہب نے دیکھا کہ قحبہ خانے آمدنی کا بڑا ذریعہ ہیں تو جرمنی میں قحبہ خانے کھل گئے جن کے مہتم ارباب کلیسا ہوئے۔

فرانس کی صورت حال بھی مختلف زمانوں میں مختلف رہی شہنشاہ شارلیمین کے قوانین میں فحاشی ممنوع تھی، راہبوں اور راہبات پر بھی سختی تھی لیکن امرا اور پادریوں کو اجازت تھی وہ گھروں میں بے نکاح مدخولہ عورتیں رکھ سکتے تھے۔

تیرھویں صدی میں لوئی سیزوہم نے انسداد فحاشی کی مہم شروع کی لیکن بے سود۔چونکہ نکاح کے لئے عورتیں خریدی جاتیں تھیں اس لئے انہیں عام اشیائے صرف کا درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ ہمیں قرون وسطٰی کے فرانسیسی ادب میں ایسے کئی حوالے ملتے ہیں جن میں میزبان اپنی بیوی مہمان کو پیش کر دیا کرتا تھا۔

اس دور کے مشہور معروف واعظین کی تقریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت گرجا گھر بھی

ایک طرح کے قحبہ خانے بن گئے تھے ان تقریروں میں انہوں نے گرجا کے پادریوں اور اسقفوں کو خاص طور پر ہدف ملامت بنایا ہے کہ وہ اپنے پیمان پارسائی کو چھوڑ چکے ہیں۔ تمام کسبیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں اور وہ قحبہ خانہ میں رہنے پر مجبور تھیں ایک صدی بعد اس شہر میں ''شاداب گھر'' (Green House) کسبیوں کے لیے تعمیر کیا گیا۔

قرون وسطیٰ کے فرانس میں سے کئی سود خور ساہوکار بھی چکلے قائم کر لیتے جہاں زنا کے ساتھ شراب اور جوا ہوتا تھا ان کے ساتھ دلکش حمام بھی ہوتے تھے۔ اسی وقت فرانس کے جنوبی صوبوں میں انسداد فحاشی کی سرتوڑ کوشش کی جا رہی تھی، جس کے ماتحت کبھی رنڈیوں اور کبھی رنڈی خانہ سے پکڑے جانے والے عاشقوں کو برہنہ تن بازاروں میں بھی پھرایا گیا یہ بھی ہوا کہ ایسی تمام فاحشہ عورتوں کو آہنی پنجرے میں بند کر کے دریا میں غرق کر دیا گیا۔ لیکن فحاشی ختم نہ ہو سکی۔

قحبگی اور سنجیدہ حمایت

جب ہر طرح کوشش کر کے دیکھ لیا گیا کہ انسداد قحبگی اور استیصال فحاشی کے سلسلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تو بہت سے لوگوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ قحبگی کو ایک ناگزیر برائی (Necessary evil) کے طور پر قبول کر لیا جائے لیکن کچھ ایسے قواعد وضوابط وضع کیے جائیں اور اسے حکومت کی نگرانی میں لایا جائے تا کہ اس کے اثرات بد کم سے کم ہو سکیں اور ان خیالات کا سب سے بڑا مبلغ برنینڈ مینڈ بوئل (Bernanad Mandel ville) تھا۔اس نے 1724ء میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ہی یہ تھا(Modest defence of public. slums)''یعنی عوامی قحبہ خانوں کی سنجیدہ حمایت''۔اس کتاب میں اس نے کہا کہ ''اگر پبلک قحبگی سرکاری نگرانی میں چلنے والے چکلے) کی حمایت اور حوصلہ افزائی کی گئی تو نہ صرف یہ ہوگا کہ اس سے گناہ کی بدترین مضرتیں کم ہو جائیں بلکہ عام حرامکاریوں میں بھی کمی ہو جائیگی اور قحبگی کی حدود سمٹ کر قحبہ خانوں تک آ جائینگی عام معاشرہ انکی آفات سے محفوظ رہیگا۔

اس نے یہ تجویز پیش کی کہ اگر پارلیمنٹ قانون پاس کرے اور کسبیوں کو انکے خاص حقوق عطا کر دیئے جائیں تو خانگی فحاشیوں میں کمی آ جائیگی معاشرہ ان برائیوں سے پاک ہو جائیگا۔

مینڈ یوائیل کی باتوں کو اس وقت ''ایک پاگل آدمی کی بکواس'' سمجھا گیا تاہم ''دانشوروں'' کی طرف سے دبے دبے اسکی حمایت میں آوازیں اٹھنے لگیں۔علامہ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں۔

''ان لوگوں کے نزدیک کسبیوں کا وجود ایک ''معصیت ناگزیر'' ہے، ایک مفید ادارہ جو معزز گھرانوں کی عصمت وعفت کا پشتیبان ہے، اور وحدت ازدواج سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی اصلاح کا ضامن ہے''۔

ایک زبردست مصنف نے ان کی شاعرانہ تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''کسبی اخلاق عامہ کی بداخلاق نگران کار ہے''

ایک دوسرے مصنف کا قول ہے کہ

''یہ ایک مجلسی یا معاشرتی مقصد کو پورا کرتی ہے اور دوسری لڑکیوں کی عصمت وعفت کی محافظ ہے'' (شہوانیات ص133)

مشہور مصنف بالزاک (Balzac) نے کسبیوں کی قصیدہ گوئی کرتے ہوئے لکھا ''کسبیاں خود کو جمہور پر قربان کر دیتی ہیں اور اپنے جسموں کو معزز خاندانوں کی عزتوں کا پاسبان بنا دیتی ہیں''

(Marriage physidogic p.145)

شوپنہاور Shopenhaur لکھتا ہے ''یہ وحدت ازدواج کی قربان گاہ پر انسانی قربانیاں ہیں'' (بحوالہ Notorious Streets p.16)

لیکی نے کہا

''قحبہ گری ہر چند بدترین گناہ ہے لیکن ساتھ ہی یہ گناہ پارسائی، پاکدامنی اور نکوکاری کا پاسبان بھی ہے اگر یہ فاحشہ عورتیں نہ ہوتیں تو بے شمار عزت دار گھرانوں کی عصمت وعفت میں داغ لگ جاتا اور جو لوگ اپنی پارسائی اور پرہیزگاری کے غرور میں کسبیوں کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں انہیں برسرِ عام شرمندگی کا منہ دیکھنا پڑتا'' (تاریخ اخلاق یورپ)

مسیحیت کا زور ہوا تو چونکہ پولوس جیسے عورت دشمن خیالات کے لوگوں کی مذہب پر گرفت تھی اس لئے کلیساؤں میں راہب اور راہبات کی تعداد زیادہ ہوگئی لوگ بڑے شد و مد سے جنسی تعلق کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہ دینے کے دعوے سے کلیساؤں میں آئے لیکن بہت جلد خود کلیسا کے لوگ ناجائز تعلقات میں گرفتار ہوئے اور صورت حال انتہائی خطرناک ہوگئی یہ تمام تفاصیل گزشتہ صفحات میں ہم کسی قدر وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔ جاگیرداری نظام آیا تو جاگیردار اپنے مزارعین کی بیٹیوں کو اپنی جاگیر کا حصہ سمجھنے لگے۔ان لڑکیوں کو ان کے گھروں میں کام کرنا پڑتا تھا اور وہاں ہر طرح کے مصائب سے گزرنا پڑتا، جن میں جنسی بے راہروی بھی تھی۔ کوئی شخص شادی کرتا تو دلہن کو پہلی رات جاگیردار کے پاس گزارنا پڑتی۔صنعت وحرفت کا عروج آیا تو مزدور طبقہ پیدا ہوا اور مضافات سے لوگوں نے شہروں کا رخ کیا۔ مزدور پیشہ لوگ اگر شادی شدہ بھی ہوتے تو اکثر حالات میں اپنے بال بچوں کو ساتھ نہ لاسکتے، یہاں قحبہ خانوں کا رخ کرتے اور وہاں کی رونق بڑھاتے اسطرح قحبہ گری کا رواج عام ہوتا گیا۔

مارٹن لوتھر اور پروٹسٹنٹ تحریک

مارٹن لوتھر بھی ایک پادری تھا، جب وہ ستمبر 1511ء میں رومہ گیا تو پکا رومن کیتھولک تھا اس نے کلیسا کے پورے نظام کو قریب سے دیکھا اور اس میں روحِ احتجاج نمودار ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ پاپائے اعظم کے تمام لواحقین کا بے جا احترام کیا جاتا ہے اور مذہبی عہدے باقاعدہ بکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی معافی نامے بھی بکتے ہیں اور دولتمند لوگ گویا ارباب کلیسا کو پیسے دے کر عمر بھر کے گناہ معاف کرا لیتے ہیں اور جنت کا ٹکٹ خرید لیتے ہیں۔ ان سے زیادہ جس چیز نے اس میں بغاوت کے جذبات پیدا کیے وہ پاپائے اعظم کے دربار میں فحاشی کی بھرمار تھی۔ اس وقت رومہ کا شہر کسبیوں اور عہدہ داران کلیسا کے آشناؤں سے بھرا ہوا تھا۔ مذہب کا احترام یونہی دکھاوے اور بناوٹ کے لیے تھا۔ یہ ساری ریاکاری اور مذہب کے پردے میں کھلے عام فحاشی ناقابل برداشت تھی لیکن نوجوان پادری نے فوراً ہی ان چیزوں کے خلاف احتجاج نہیں شروع کیا۔ اس کی تبلیغ صرف یہ رہی کہ نجات صرف مذہب کی سچی اطاعت سے حاصل ہو سکتی ہے'' آہستہ آہستہ اس تبلیغ میں شدت آتی گئی اور اس کا نشانہ ''معافی ناموں کی فروخت'' بن گیا۔ پھر تقریباً 1519ء میں اس نے اعلان کر دیا کہ پاپائے اعظم اور اس کی کونسل معصوم نہیں۔ 1525ء میں اس نے کلیسائی پابندیوں کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک راہبہ کیتھرینا فان بورا سے شادی کر لی حالانکہ دونوں میاں بیوی عمر بھر مجرد رہنے کی قسم کھا چکے تھے، اس نے صرف شادی ہی نہ کی یہ تبلیغ بھی شروع کر دی کہ اصول ازدواج فطرت کا تقاضا ہے تمام مخلوق میں یہ قانون زیر عمل ہے حتیٰ کہ جانور تو ایک طرف پھول تک نر مادہ سے خالی نہیں اس لئے رہبانیت قوانین فطرت سے کھلا انحراف ہے اور مسیحیت بحیثیت مذہب اسکی تائید نہیں کرتی۔ اسطرح راہبوں اور راہبات کا تجرد انتہائی بے معنی اور لغویات ہے۔

لوتھر کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ نکاح سے لذت نفس مقصود نہیں ہونی چاہیے، نکاح صرف افزائش نسل

کے لئے ہونا چاہیے اگر نکاح کا مقصد لذت نفسانی ہو جائے تو میاں بیوی کے تعلقات بھی ناجائز ہو جائینگے۔ وہ راہبوں اور راہبات (Monks and nuns) کو کہتا تھا کہ وہ تجرد کی زندگی چھوڑ کر نکاح کر لیں کیونکہ تجرد ان سے ممکن نہیں اور وہ اس حالت میں اور زیادہ گناہ کرتے ہیں۔

بلاشبہ لوتھر کی تحریک نے ارباب کلیسا کے تقدس کا عقیدہ مجروح کیا اور تجرد کو سخت زک پہنچائی لیکن اس کے ساتھ ہی لوتھر خود بعض تضادات کا شکار تھا' ایک طرف اس نے اس خیال کی سختی سے تردید کی کہ عورتیں ناپاک اور قابل نفرت ہیں دوسری طرف وہ یہ عقیدہ بھی رکھتا تھا کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں اور عورتوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبردار رہیں، وہ فحاشی کے بھی خلاف تھا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتا تھا کہ افزائش نسل اس حد تک ضروری ہے کہ جب تک عورت کی اولاد نہ ہو وہ مکمل نہیں ہوتی اس لئے اگر اس کا مرد اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تو وہ اولاد پیدا کرنے کے لئے کسی دوسرے مرد سے عارضی جنسی تعلق قائم کر سکتی ہے۔ وہ تجرد کے خلاف تو تھا لیکن کہتا تھا کہ ایک جوان آدمی خواہ کتنا ہی شہوت پرست ہو اگر چاہے تو اپنے شہوانی جذبات کو کنٹرول میں رکھ سکتا ہے اس پر وہ اپنی حیات تجرد کو بطور ثبوت پیش کرتا تھا اس نے کلیسا کے نظام پر سخت تنقید کی اور آخر اسکی تعلیمات نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ 1562ء میں جب نورمبرگ میں قحبہ خانہ بند کیا گیا تو شہر کی انتظامیہ نے اسکی وجوہ بتاتے ہوئے لکھا کہ اس سے ایک طرف تو آتشک پھیلتی ہے دوسری طرف پروٹسنٹ پادریوں کے وعظ ونصیحت نے اس اقدام پر آمادہ کیا ہے۔ اس طرح پروٹسنٹ ایک فرقہ بن گیا۔ فرانس میں لوتھر جیسے خیالات رکھنے والا ایک وکیل کالوین پیدا ہوا۔ فحاشی کے خلاف اس کے خیالات بہت متشدد تھے۔ آخر ایک کلیسا نے اس کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا۔ وہ وطن چھوڑ گیا جینوا میں اس کے خیالات کو خوب پذیرائی ملی اور وہ سیاسی لیڈر بن گیا اس نے فحاشی کا قلع قمع کرنے کے لئے تھیٹر بھی بند کرا دیئے۔

سکاٹ لینڈ میں جان ناکس (John knox) یہی خیالات رکھتا تھا اس نے ان ہی خیالات کی وہاں اشاعت کی اسطرح وہاں پروٹسنٹ فرقہ کا نام پریسبیٹرین Presbyterian ہو گیا۔

آج کا مغرب

ہنری ہشتم شاہ انگلستان جسے ابتدا میں اہل کلیسا نے محافظ مذہب وعقیدہ (Defender of The Faith) کا خطاب دیا تھا آخرثنویت (Dualism) لے آیا یہ فیصلہ کیا گیا کہ کلیسا خدا کے لیے اور کلیسا کے باہر کی زمین بادشاہ کے لئے اسطرح مذہب اور سیاست الگ ہو گے۔

رفتہ رفتہ فحبگی آزاد ہو گئی، زنا بالجبر کو ہی قابل مؤاخذاہ سمجھا گیا اور حکومت کسی کی پرائیوٹ زندگی میں جھانکنے سے الگ ہو گئی۔

مذہب کلیسا میں مقید ہو گیا اسکی تعلیمات وعظ اور اپدیش ہو گئیں جنہیں پادری ہر اتوار کو دہرا دیتا ہے، انہیں ماننے والے بھی ہیں، سن کر اعراض کرنے والے بھی اور سرے سے چرچ نہ جانے والے بھی۔

یسوع مسیح کا پہاڑی وعظ آج بھی لوگ سنتے ہیں، کلیساؤں میں اب بھی یہ گونج سنائی دیتی ہے۔

> ''تم نے سنا ہوگا کہ پرانے زمانے کے لوگوں کی طرف سے کہا گیا تو زنا نہ کر' لیکن میں تم سے کہتا ہوں جو شخص کسی عورت کی طرف نگاہ بد سے دیکھے وہ اپنے دل میں اس عورت سے زنا کر چکا ہے''۔

مگر اس تعلیم کا عملی لحاظ سے کیا حشر ہوا اس پر بحث کرتے ہوئے اپٹن سمکلیئر لکھتا ہے۔

''اس میں شک نہیں کہ نکاح کا ادارہ بلند تعلیمات پر مبنی ہے لیکن صحیح معنوں میں نہ کبھی اس پر عمل ہوا نہ ہو سکتا ہے اس سے قبل بھی یہی دیکھا گیا اور اب تو عام طور پر دیکھا جا رہا ہے کہ جو چیز نکاح کے نام سے رائج ہے اور جسے لوگ اپنائے ہوئے ہیں اسے ہم شادی اور فحاشی دونوں کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں۔

عورت کے ساتھ کیا ہوتا رہا ہے اسے اردو کے مشہور ترقی پسند شاعر ساحر لدھیانوی نے ایک نظم مین بڑی رقت سے بیان کیا ہے، جس کا ایک بھر پور شعر یہ ہے

عورت نے جنم دیا مردوں کو' مردوں نے اسے بازار دیا

جب جی چاہا مسلا ' کچلا' جب چاہا دھتکار دیا

مگر اب عورت کو مختلف اسباب نے اتنا نفس فروش بنا دیا ہے کہ وہ مردوں کا شکار ہونے کی بجائے مردوں کو شکار کرنے لگی ہے۔ کہتے ہیں کہ مغرب میں اب ہوٹلوں، شراب خانوں اور کلبوں میں عورتیں شام ہوتے ہی عیاش مردوں کی تلاش میں گندی مکھیوں کی طرح بھنبھنانے لگتی ہیں محولہ صدر مصنف لکھتا ہے۔

''آج کل عورت اور تعلیم یافتہ مردوں کی جماعت نکاح سے پہلے جس انداز کی زندگی گزارتی ہے وہ مسیحی تعلیمات کی نظر میں کچھ بھی ہو سوسائٹی میں اسے ''تفریحات درون خانہ'' سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ پہلے فحاشی وعصمت فروشی عورتوں سے متعلق تھی اب سوچا جائے تو یہ بڑی حد تک مردوں سے متعلق ہوگئی ہے مطلب یہ ہے کہ پہلے عورتوں کو عصمت بچانا پڑتی تھی اب مردوں کو ایسا کرنا پڑتا ہے چنانچہ آپ مغرب کے ہوٹلوں میں دیکھیں گے کہ شام ہوئی اور عورتوں کے دھاوے مردوں پر شروع ہو گئے گویا یہ عجیب کینڈے کا جدید دور ہے جس میں جنسیات کے نقطہ نظر سے ''مردانہ عصمت فروشی'' کا دور کہنا زیادہ موزوں ہوگا''

(The Book of Life p.197)

عرب، تمدن اور عورت

عرب جنوب مغربی ایشیا میں ایک بہت بڑا جزیرہ نما ہے اسکے تین طرف سمندر ہے مغرب کی طرف بحر احمر، مشرق کی طرف بحر عمان اور خلیج فارس، جنوب کی طرف بحر ہند اور شمال میں صحرائے شام بقول ڈاکٹر گستاؤلی بان۔(تمدن عرب مصنفہ ڈاکٹر گستاؤلی بان مترجمہ سید علی بلگرامی ص 21) اس جزیرہ نما کا زیادہ سے زیادہ طول 1555 میل اور زیادہ سے زیادہ عرض 622 میل ہے اس میں ایسی ندیاں اور دریا نہیں جن میں ہمیشہ پانی رہتا ہو بارشیں ہوتی ہیں تو ندیاں رواں ہو جاتی ہیں وگرنہ خشک پڑی رہتی ہیں۔ اسکا بڑا حصہ وہ صحرا ہے جو وسطی علاقہ واقع ہے۔ صحرا بھی تین طرح کا ہے ایک وہ صحرا جسے پہلے صحرائے ساوہ کہتے تھے اور اب صحرائے نفوذ کہہ دیتے ہیں۔ یہ شمال میں واقع ہے یہ شمالاً جنوباً 140 میل اور شرقاً غرباً 180 میل ہے اس کے ٹیلے بڑے نرم اور ریتیلے ہیں جن میں چلنے والے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں اس میں کنویں اور چشمے بہت کم ہیں یہاں تیز ہوائیں ریت کے ساتھ کھیلتی ہیں یوں تودے بنتے بگڑتے رہتے ہیں سردیوں میں بارش ہوتی ہے تو اس کے بعض حصوں میں رنگ برنگے چھوٹے چھوٹے پودے نکل آتے ہیں اس صحرا کے باشندے زیادہ تر بدوی ہیں جو گرمیوں میں تخوم کی طرف چلے جاتے ہیں اور سردیوں میں پھر واپس آجاتے ہیں ان کا سب سے بڑا پیشہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں پالنا ہے۔ صحرائے ساوہ کے جنوب میں ہلالی شکل کا پہاڑی سلسلہ ہے اسی سلسلہ میں دو پہاڑ اجلا اور سلمٰی ہیں جنہیں پہلے طے اور اب شمر کہنے لگے ہیں۔ اس حصہ میں کچھ شہر اور گاؤں آباد ہیں۔ اسی سے متصل جنوب میں ایک صحرا شروع ہو جاتا ہے جو مشرق کی طرف پھیلتا ہوا خلیج فارس تک پہنچ جاتا ہے اسکی پیمائش کا اندازہ پچاس ہزار مربع میل ہے۔۲(فجر الاسلام از علامہ احمد امین مصری ص 44) اس کی زمین سخت اور ہموار ہے اور ہر طرف سنگریزے پھیلے ہوئے ہیں اپنے موسم پر بارش ہو جائے تو خوب گھاس اگ آتی ہے جو گرمیاں شروع ہوتے ہی سوکھ جاتی ہے۔

اس صحرا میں بھی اکثر قحط سالی رہتی ہے ۔ کہیں کہیں درخت، بن اور نخلستان (کھجوروں کے جھنڈ) ہوتے ہیں اس صحرا کا وہ حصہ جو یمن اور حضر موت کے مشرق میں واقع ہے اسے ''صیحد'' کہتے ہیں جو علاقہ حضر موت کے شمال مشرق میں ہے اسے ''احقاف'' اور جو مہرہ کے شمال میں ہے اسے ''دھنا'' کہتے ہیں مگر آج کل اس پورے حصہ کو ''ربع خالی'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

صحرا کی تیسری قسم وہ ہے جسکے قطعات ''کوحرات'' کہتے ہیں یہ سیاہ سنگستان ہے حرہ سیاہ جھاؤں کی سرزمین کو کہتے ہیں۔۱(معجم البلدان از یاقوت حموی) یہاں ایسے سیاہ بھربھرے پتھر ہوتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے انہیں آگ میں جلا دیا گیا ہے۔ یہ سیاہ سنگستان حوران کے مشرق سے شروع ہو کر بڑھتے بڑھتے مدینہ منورہ تک پہنچ گیا ہے خود مدینہ منورہ دو حروں کے درمیان واقع ہے۔

صحرا سے آگے بڑھئے تو جزیرہ عرب کا مغربی علاقہ دو حصوں پر مشتمل ہے شمال میں حجاز اور جنوب میں یمن، حجاز (عقبہ) سے لے کر یمن تک چلا گیا ہے حجاز طویل نشیبی، خشک اور چٹیل علاقہ ہے جس میں بہت سی وادیاں ہیں جو بارش کے دنوں میں پانی سے بھر جاتی ہیں پھر خشک ہو جاتی ہیں بعض شہروں مین مثلاً طائف میں موسم معتدل ہوتا ہے مگر دوسری جگہوں کا موسم نہایت گرم ہوتا ہے اس کے اکثر باشندے بدوی ہیں شہر ہیں مگر کم ،شہری آبادیاں آج بھی کم ہیں حجاز کی اہمیت اسلئے تھی کہ یہ یمن کو شمالی شہروں سے ملانے والے تجارتی راستے پر تھا اس کا مشہور ترین شہر مکہ ہے جس قرآن نے بکہ اور وادی ''غیر ذی زرع'' کہا ہے وہ بلند حصہ جو حجاز کے پہاڑوں سے شروع ہو کر مشرق کی طرف صحرائے بحرین تک چلا گیا ہے، نجد۲ (فجر الاسلام ص 48) کہلاتا ہے یہ بلند اور کشادہ حصہ ہے اس میں صحرا بھی ہیں اور پہاڑ بھی آب و ہوا کے لحاظ سے یہ بہترین حصہ ہے۔ نجد اور یمن کے درمیان ''یمامہ'' ہے جو مشرق میں بحرین اور مغرب میں حجاز سے مل جاتا ہے اسے یمن اور نجد کے درمیان پڑنے سے ''عروض'' بھی کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ طسم اور جدلس کا ملک ہے مسیلمہ کذاب نے یہیں سے خروج کیا تھا۔ یمامہ اور تہامہ کی سرحد کے قریب ہی عرب کا مشہور بازار عکاظ ہے۔

جزیرہ عرب کا موسم مجموعی طور پر گرم بلکہ سخت گرم ہے بلند مقامات پر موسم معتدل ہو جاتا ہے اور سردیوں میں پانی بھی جم جاتا ہے مشرق سے چلنے والی ہوائیں اس صحرا کے لئے تحفہ ہوتی ہیں یہ ٹھنڈی اور نرم رو ہوتی ہیں۔ یہ گویا بہاروں کی اور بارشوں کی بشارت بن کر چلتی ہیں انہی ہواؤں کو ''صباء'' کہتے ہیں عرب شعرا اسی صباء کی تعریف میں رطب اللساں رہے ہیں فارسی اور اردو شعرا نے بھی صباء کا لفظ لے لیا

ہے مگر اس میں وہ زوردار مفہوم باقی نہیں رہا۔ صباء کے برعکس صحرائے عرب کی بدترین ہوا ''سموم'' ہے اسے ''بادِ خمسین'' بھی کہتے ہیں۔ عرب شعرا سے فارسی اور اردو ادب میں سموم کا لفظ تو آ گیا ہے مگر صبا کی طرح اس کا بھی پوراز وردار مفہوم باقی نہیں رہا اس میں شدت پیدا کرنے کے لئے ''سموم جاں گزا'' کہا جاتا ہے حالانکہ جانگزائی بلکہ ہولناک ہلاکت خود سموم کے لفظ میں موجود تھی اسی سموم یا بادِ خمسین کا تعارف کراتے ہوئے مشہور فرانسیسی مصنف ڈیوژرے (Desvergers) لکھتے ہیں بادِ خمسین یا سموم کی آمد کے آثار قافلوں پر فوراً کھل جاتے ہیں پہلے افق پر ایک سرخی آتی ہے اس کے بعد تاریکی اور پھر زردی سورج شعاعوں سے محروم ایک کرہ خون کی طرح نظر آنے لگتا ہے فضا باریک ریت سے بھر جاتی ہے جسے تند ہوا اس طرح پھیلاتی ہے جیسے طوفان سمندر کی جھاگ اڑاتا ہے۔ یہی وقت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے کا ہے۔ کیونکہ اگلے لمحے زمین و آسمان خمسین کی لپیٹ میں آنے والے ہیں۔ صحرا کی ریت ہوا کے زور سے اڑ اڑ کر تیز لہروں کی طرح تھپڑ مار رہی ہے۔ اور سوئیاں چبھ رہی ہیں مسافر کا دم گھٹنے لگا آنکھیں سرخ ہیں ہونٹ خشک ہیں اور شعلوں کی زد میں آئے ہوئے ہیں اونٹوں کا یہ حال ہے کہ کبھی تو وہ دوڑنے لگتے ہیں کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی لمبی لمبی گردنیں ریت کے ٹیلوں میں چھپانے لگتے ہیں طوفان بڑھتا جاتا ہے اور اب وہ اپنی تھوتھنیاں زمین پر ٹیکتے ہیں اور جان بچانے کے لئے طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں۔

اگر اس طوفان خیز گرد باد میں قافلے نے راہ گم نہیں کی تو وہ کسی پتھر کے نیچے یا غار میں جا چھپتا ہے اور طوفان کے گزر جانے کا انتظار کرتا ہے اور اگر بدقسمتی سے قافلہ راہ بھول گیا اور طوفان خمسین کی زد میں رہا تو پھر انسان اور چار پایہ دونوں کے حواس گم ہو جاتے ہیں تاب وتواں جواب دے جاتی ہے جان بچانے کی تدبیریں سوچنے والی عقل جو ہر جاندار میں ہوتی ہے اس طوفان میں زائل ہو جاتی ہے اس وقت گرمی کی شدت سے خستہ و پریشان دوران سر میں گرفتار ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے ہیں پورا قافلہ ہار کر وہیں بیٹھ جاتا ہے تھوڑی ہی دیر میں ریت کی موجیں اسے ڈھانپ لیتی ہیں قافلے کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا بس ریت کا ایک اور ٹیلہ نمودار ہوتا ہے سالوں بعد، جب ایسا ہی کوئی طوفان ریت کا بند گنبد ہٹا دیتا ہے تو سفید ہڈیوں کی صورت میں ایک بدنصیب داستان سامنے آجاتی ہے کون تھے انہیں سموم نے کب لپیٹ میں لے لیا اللہ جانتا ہے'' (بحوالہ تمدن عرب از گستاؤلی بان ص 23.24)

یہ تھا جزیرہ عرب کا مختصر جغرافیائی تعارف' جغرافیائی ماحول تمدن پر بہت اثر انداز ہوتا ہے

جزیرہ نمائے عرب اس زمانہ کی دو عظیم عالمگیر تہذیبوں کے درمیان واقع تھا اس کے مشرق میں ایران اور مغرب میں روم تھا، ایران اور روم دونوں کی عظیم سلطنتوں کی نگاہیں بار بار حریفانہ انداز سے عرب کی طرف اٹھتیں ہر سلطنت یہ چاہتی کہ اس علاقہ کو اور اس علاقہ کے باشندوں کو اپنے کنٹرول میں لے آئے، تاکہ ان کے راستے مامون ومصئون ہو جائیں اور تجارتی قافلے سکون واطمینان سے سفر کرسکیں ان قافلوں کو لوٹنے والے یہی عرب تھے اگر یہ مفتوح و مغلوب ہو جاتے تو تجارتی شاہراہوں پر تجارتی کاروان بے خوف وخطر آتے جاتے لیکن جب وہ دیکھتے کہ اتنے بڑے بے آب وگیاہ صحرا کو فتح کرنے میں بے انتہا جانی و مالی قربانیاں دینی پڑیں گی زمین اور موسم کی بے شمار سختیاں برداشت کرنا پڑیں گی تو وہ اپنی نگاہیں پھیر لیتے ۔ پھر یہ بھی تھا کہ عرب کسی ایسی قوم کا نام نہیں تھا جہاں کوئی سلطنت قائم ہو اور جسے مغلوب کر لینے سے پورا جزیرہ نما عرب زیر نگین آجائے یہاں تو بے شمار قبائل تھے کوئی منظم حکومت نہیں تھی یہ قبائل آپس میں بھی لوٹ مار اور قتل و غارت کرتے رہتے تھے اسلئے اس طرف کوئی لشکر بھیجنا خواہ مخواہ کا درد سر ہی نہیں درد جگر خریدنا تھا۔ اس لئے ایران اور روم دونوں عظیم سلطنتوں نے سوچا کہ ان لوگوں کے شر سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سرحدی علاقہ کے لوگوں کو متمدن بنایا جائے انہیں زراعت کی طرف توجہ دلائی جائے تاکہ وہ لوگ کھیتی باڑی میں مشغول ہو کر خوشحال اور متمدن ہو جائیں اور بدوی قبائل کی لوٹ مار کے خلاف انہیں فصیل کا کام دیں اس طرح عرب کے سرحدی شہروں میں تو تمدن آگیا لیکن عرب کے اندر وہی بدنظمی اور بے تمدنی رہی۔

عرب کے شہروں کو متمدن کرنے میں تجارت کا بھی بڑا دخل ہے اس وقت تک ملکوں کے لئے بحری سفر آسان نہیں تھے اس لئے خشکی کے راستوں کو ترجیح دی جاتی تھی چاہے وہ کتنے ہی طویل کیوں نہ ہوں۔ جزیرہ نمائے عرب میں شام اور بحر ہند کے درمیان دو بڑے تجارتی راستے تھے ایک شمال میں خلیج فارس کے کنارے کنارے حضر موت سے بحرین تک اور وہاں سے صور تک، دوسرا بھی حضر موت سے شروع ہوتا تھا اور بحر احمر کے کنارے کنارے صحرا و نجد ہجر کو چھوڑتا ہوا ساحل سمندر کی پہاڑیوں اور دشوار گزار چٹانوں سے بچتا ہوا آگے نکل جاتا تھا' اسی دوسرے راستے پر یمن اور بطرہ کے درمیان تقریباً نصف مسافت پر مکہ معظّمہ واقع تھا۔

ان تجارتی شاہراہوں نے عربوں پر زرق کے دروازے کھول رکھے تھے جو لوگ اس راستے پر واقع شہروں میں آباد تھے، ان میں سے کچھ تو اپنے لیے تجارت کرتے تھے اور کچھ کو یوں بھی روزگار مل

جاتا تھا کہ وہ دوسرے تجارتی قافلوں کے ساتھ محافظ یا رہنما یا ساربان یا خدمتگار بن کر چلتے تھے ہم بتا چکے ہیں کہ یمن اور بطرہ کے درمیان نصف مسافت پر مکہ مکرمہ واقع تھا اس راستے پر صرف زم زم کا ہی کنواں تھا جہاں سے تجارتی قافلے پانی لیتے تھے قریش کو یہ راستہ ذرائع روزگار مہیا کرتا تھا۔ پھر قریش کعبہ والے بھی تھے جس کی تقدیس عرب میں مسلم تھی اس لئے ان کے اپنے تجارتی قافلے بھی محفوظ رہتے تھے اور انکی ہمراہی دوسرے تجارتی قافلوں کے لئے بھی حفاظت کی ضمانت بن جاتی تھی اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ج فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ

(قریش کو باہم مالوف محبت سے جڑا ہوا) رکھنے کے لیے انہیں سرما و گرما کے سفروں سے مانوس کیا پس انہیں چاہیے کہ اس مقدس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک میں طعام دیا اور خوف سے امن و سکون)

علامہ زمخشری نے ان آیات کی تفسیر و تشریح میں لکھا ہے کہ قریش دو تجارتی سفر کیا کرتے تھے سردی کے موسم میں یمن جایا کرتے تھے اور گرمی کے موسم میں شام کی طرف، اپنے ان سفروں میں یہ لوگ بالکل محفوظ رہتے تھے کیونکہ یہ حرم خداوندی کے باشندے اور اللہ کے گھر کے متولی تھے۔ (تفسیر کشاف ملخصا)

یمن ہمیشہ سے تجارتی مرکز رہا ہے اس کا قہوہ اپنی لذت اور ذائقہ کے اعتبار سے ضرب المثل تھا اور ضرب المثل ہے۔

کسی زمانہ میں یمن کا دار السلطنت سبا تھا اور سبائی قوم یمن پر حکمران تھی۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

''سبائی دور جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام سے سات سو برس قبل سے یہ خاندان 115 قبل مسیح تک یمن پر حکمران رہا'' (سیرۃ النبی اول ص 123)

جرمنی کا مشہور مستشرق پرفیسر نولڈیکے سبائی حکومت کو اور بھی پیچھے لے جاتا ہے وہ لکھتا ہے۔

''ولادت مسیح'' سے ایک ہزار سال قبل جنوبی و مغربی عرب یعنی یمن پر سبائی حکمران تھے یہ علاقہ اپنی بارش گرما کے باعث زراعت کے لیے نہایت موزوں تھا اس کا تمدن اس درجہ تک پہنچ چکا تھا کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج بھی ہمارے اندر جذبات مدح و

ستائش کو تحریک ہوتی ہے۔ اہل یونان وروم نے اسے ''خوشحال و دولتمند'' کا جو لقب دیا تھا وہ بیجا نہ تھا تورات میں متعدد عبارتیں ہیں جو سبا کی عظمت وشوکت کی شہادت دیتی ہیں''

(Preface-Historian's History of world)

سبا کی سرسبزی وشادابی کو قرآن حکیم نے بھی ان لوگوں پر اللہ کا احسان قرار دیا ہے۔

وَلَقَدْ كَانَ لِسَبَاءٍ فِيْ مَسْكِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَّ عَنْ شِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْالَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُوْرٌ:

(اہل سبا کے لیے انکے ٹھکانوں میں بھی اللہ کی نشانیاں ہیں دائیں بائیں باغات ہیں رب کے عطا کردہ رزق میں سے کھاؤ اور ان کا شکرادا کرو شہر پرسکون وخوشنما ہیں اور رب بخشنے والا مہربان)

عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے جو آثار ملے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا علامہ ہمدانی نے ''اکلیل'' میں تمام آثار قدیمہ کا استقصاء کرنے کی کوشش کی ہے۔صفۃ جزیرہ العرب میں لکھتے ہیں۔

''یمن کے قدیم قصر وایوں جن کا ذکر اہل عرب نے اپنے اشعار اور امثال میں کیا ہے بکثرت ہیں ان کے متعلق اشعار کا پورا دفتر موجود ہوسکتا ہے ''اکلیل'' کے آٹھویں باب میں ان سب کو جمع کیا گیا ہے'' (اکلیل جلد اول ص 203)

یمن سبائی حکومتوں کے عہد میں انتہائی عروج پر تھا انہی سبائی حکمرانوں میں ملکہ سبا بھی تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بڑے بلیغ اور موثر انداز میں کیا ہے۔قرآن نے ملکہ سبا کا نام نہیں بتایا لیکن عرب مورخین نے اس کا نام تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اکثر کا خیال ہے کہ اس کا نام بلقیس بنت ہدہاد تھا یہ عورت بڑی بہادر، امور مملکت اور رموز جہانبانی میں مہارت رکھنے والی اور حکمت ودانش کا پیکر تھی۔مؤرخین لکھتے ہیں۔

''یہ خاتون ملکہ بلقیس بنت ہدہاد پورے یمن کی حکمران بن گئی عراق کے جنگجو حمیری قبائل اور سرداروں نے اسکی سربراہی قبول کرلی پھرانہی کے زور پر اس نے بابل اور پرشیا کی تمام حکومتوں کو زیر کر لیا اور آخر فاتح وکامران ہوکر جب یمن لوٹی تو اس نے یمن کا پرانا دارالحکومت چھوڑ کر صنعار کو اپنا دارالحکومت بنالیا''

(تاریخ ابن خلدون ج 1 ص 79 التیجان مطبوعہ مصر ص 137) الدرالمنثور للسیوطی

ص96 نہایۃ الدر نو ہری ج14 ص134 تاریخ الخمس ج ا ص249)

قرآن حکیم کے مطابق ہدہد حضرت سلیمان علیہ اسلام کو اس ملکہ کے متعلق ان الفاظ میں خبر دیتا ہے۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ.

میں نے ان لوگوں پر حکمران ایک عورت دیکھی جسے سب کچھ حاصل ہے اور اسکا عظیم الشان تخت سلطنت ہے

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس کا ملک بڑا خوشحال تھا اور تمدن عروج کی انتہاؤں کو چھو رہا تھا پھر اس کی حدود سلطنت بڑی وسیع تھیں اور جیسا کے مورخین نے تصریح کی ہے حدود سلطنت کو یہ وسعت خود اس نے دی تھی وگرنہ اس سے پہلے سبائی پورے یمن پر حکمران نہیں تھے، اردو کے مفسر قرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:۔

''عرب میں یمن اور حضر موت اور افریقہ میں حبش کے علاقہ پر اس کا قبضہ تھا۔ مشرقی افریقہ، ہندوستان، مشرق بعید اور خود عرب کی جتنی تجارت مصر و شام اور یونان و روم کے ساتھ ہوتی تھی زیادہ تر انہی سبائیوں کے ہاتھ میں تھی اسی وجہ سے یہ قوم قدیم زمانہ میں اپنی دولت کے لئے نہایت مشہور تھی بلکہ یونانی مؤرخین تو اسے دنیا کی سب سے زیادہ مالدار قوم کہتے تھے تجارت کے علاوہ ان کی خوشحالی کا بڑا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے ملک میں جگہ جگہ بند باندھ کر ایک بہترین نظام آبپاشی قائم کر رکھا تھا جس سے ان کا پورا علاقہ جنت بنا ہوا تھا ان کے ملک کی اس غیر معمولی سرسبز وشادابی کا ذکر یونانی مؤرخین نے بھی کیا ہے۔''

(تفہیم القرآن جلد 3 ص569)

سلیمانؑ اسے خط بھیجتے ہیں وہ یہ خط مشیروں کے سامنے پیش کرتی ہے اور اپنے ان درباری سرداروں سے رائے اور مشورہ لیتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اس کی حکومت سیاسی شعور کے لحاظ سے اتنی آگے تھی کہ اس نے شورائی بلکہ کسی حد تک جمہوری نظام قائم کر رکھا تھا تفسیری روایات میں بتایا گیا ہے اس کی شوریٰ کے تین سو بارہ ممبر تھے'' (تفسیر مواہب الرحمٰن) بہر حال خط پیش ہوتا ہے مگر خط کا تعارف کراتے ہوئے اس نے جو الفاظ کہے وہ اس کی ذہانت اور سلامتی قلب ونظر پر دلالت کرتے ہیں وہ کہتی ہے اے سردارو

اِنِّیْ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتَابٌ کَرِیْمٌ

مجھے ایک عزت والا قابل تکریم خط ملا ہے

خط کو اس طرح متعارف کرانے میں اس کی ذہانت کے ساتھ یہ امر بھی واضح ہے کہ وہ بڑی حلیم اور بردبار تھی اسے اپنی حکومت کا غرور نہیں تھا وہ معاملات کو غیر جذباتی سنجیدگی سے جانچنے کی عادی تھی چنانچہ خط کا مفہوم مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہتی ہے۔

اَلَّا تَعْلُوْ عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ

یعنی سلیمان علیہ اسلام کہتے ہیں کہ میرے سامنے تکبر سے کام نہ لو اور سر تسلیم خم کر دو

پھر وہ اپنے مشیروں سے مشورہ لیتی ہے یوں قرآن وضاحت کر دیتا ہے کہ اس کی حکومت جمہوری انداز کی تھی۔

قَالَتْ یٰاَیُّھَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْ اَمْرِیْ مَا کُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰی تَشْھَدُوْنَ

کہا اے سردارو مجھے اس معاملہ میں رائے دو میں کسی معاملہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہیں ہوتے

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے یہ بڑے جنگجو بہادر لوگ تھے جنہوں نے زمین کے بڑے رقبوں کو نوک شمشیر پر رکھ لیا تھا یہ کسی قوت سے ڈرنے والے نہیں تھے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی ملکہ کے فیصلہ پر دل و جان سے عمل کرتے تھے کیونکہ وہ اسکی فراست اور اصابت رائے کے قائل تھے چنانچہ انہوں نے یکزبان ہو کر کہا:

نَحْنُ اُولُوْ قُوَّةٍ اُلُوْ بَأْسٍ شَدِیْدٍ وَالْاَمْرُ اِلَیْکِ فَانْظُرِیْ

مَاذَا تَاْمُرِیْنَ (27/33)

ہم بڑی قوت والے اور جنگجو ہیں لیکن معاملہ تجھ پر ہے تو سوچ لے کہ ہمیں کیا حکم دینا ہے، ہم تو فرمانبردار ہیں

صاف ظاہر ہے کہ اس کے مشیر انتہائی شجاع اور باحوصلہ ہیں وہ جنگ کے لئے تیار ہیں میدان کارزار ان کے لئے کوئی نئی جگہ نہیں وہ اپنی تلوار کی دھاک ارد گرد دور دراز تک بٹھا چکے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنی دانشمند ملکہ کے بھی پوری طرح اطاعت گزار ہیں کیونکہ وہ اس کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی پر پوری طرح یقین رکھتے ہیں ملکہ اپنی ذہانت سے خط کا ابتدائی جملہ پڑھ کر ہی کچھ اور سوچنے

لگی تھی وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ سلیمان علیہ السلام عام سلاطین وملوک کی طرح ہوس مال وزر کے اسیر ہیں یا اللہ کے پیغمبر، وہ خود کئی سلطنتیں تاخت وتاراج کرچکی تھی اور جنگ کی ہلاکت سامانیوں سے اچھی طرح باخبر تھی اسے امن وعافیت کی قدر وقیمت معلوم تھی اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ ایلچی بھیجے جائیں اور پرکھ لیا جائے کہ سلیمانؑ اللہ کے نبی ہیں یا ایک قوت والے بادشاہ۔ چنانچہ وہ اپنے مشیروں کو فیصلہ سناتے ہوئے بڑے مدلل اور فیصلہ کن انداز میں کہتی ہے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْ الْقَرْیَةَ اَفْسَدُوْ هَا وَجَعَلُوْ اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّة وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ. وَاِنِّی مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَةٍ فَنٰظِرَه بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسِلُوْنَ (27/34)

اس نے کہا بے شک بادشاہ جس بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے فسادزدہ کردیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلت سے دوچار کرتے ہیں یہی کچھ وہ کرتے ہیں اور میں ان کی طرف تحائف بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لیکر پلٹتے ہیں

حضرت سلیمانؑ ہوس ملک گیری کے شکار بادشاہ نہیں تھے اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے اسلئے آگے کی بات خود بخود واضح ہوجاتی ہے اس نے اسلام قبول کرلیا اور اسی طرح اپنے ملک پر حکمران رہی بعض مفسرین نے حضرت سلیمان علیہ اسلام اور ملکہ کا نکاح بھی بیان کیا ہے لیکن یہ سب قیاسات ہیں علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں

''عبداللہ بن عقبہ سے کسی نے پوچھا سلیمان علیہ اسلام نے ملکہ بلقیس سے نکاح کر لیا تھا یا نہیں؟ اس نے جواب دیا قرآن حکیم نے اس کے ایمان لانے کے ذکر پر بات ختم کردی ہے اس لئے ہمیں بھی آگے کچھ نہیں کہنا چاہیے''

(تفسیر روح المعانی جلد 7)

بلکہ سبا کا اپنے ملک پر بدستور حکمران رہنا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جناب سلیمان علیہ اسلام کا مقصد اپنی سلطنت کو وسیع کرنا نہیں اسلام کی توسیع واشاعت تھا انہوں نے کہا تھا اگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تو ہم ان سے ان کا ملک چھین لینگے اور انہیں ذلیل وخوار کردینگے۔(27/37) دوسرے لفظوں میں اگر انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو ایسا نہیں کیا جائیگا چونکہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا اسلئے ملک کیوں چھینا جاتا مری اس بات کی تائید مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی کی ہے فرماتے ہیں:۔

''اور بعد ان کے ایمان لانے کے کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا کہ ان سے انتزاع

سلطنت کیا گیا ہو (یعنی سلطنت سے الگ کیا گیا ہو) پس ظاہر حکایت سلطنت اور عدم حکایت انتزاع اس سلطنت کا علی حالھا باقی رہنا ہے اور تاریخ صریحا اسکی موئد ہے" (امداد الفتاویٰ ج 4 ص 100)

جزیرہ عرب کی دوسری متمدن مملکت اور منظم حکومت حیرہ کی تھی۔ یہ ایران کی سرحد سے ملتا ہوا علاقہ تھا یہاں قدیم سے یہ نظام چلا آ رہا تھا کہ ایران کے شہنشاہ حیرہ پر اپنی طرف سے ایک امیر مقرر کر دیتے تھے یہ امیر اہل حیرہ سے ہی ہوتا تھا' حیرہ کے لوگ مہذب اور ترقی یافتہ تھے ایران کے عظیم مدنیت کے پڑوسی۔ا (فجر اسلام ص 82) ہونے کے باعث ان میں علم اور تہذیب آ گئی تھی ان کے ذکر میں کہیں عورت کی تذلیل کا ذکر نہیں ملتا۔

غسانی قبائل نے شام میں حکومت قائم رکھی تھی یہ لوگ بھی بڑے متمدن تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ غسانی عربوں کا تعلق رومی حکومتوں سے تھا اور روم اس وقت تہذیب وتمدن کی کئی منزلیں طے کر چکا تھا۔

غسانیوں کی تاریخ کے بہت دھندلے نقوش ہم تک پہنچے ہیں اس تاریخ سے جو گوشے سامنے آتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تمدن میں ناچنے گانے والی عورتیں تھیں لیکن فحاشی کا ذکر نہیں ملتا یہ مطرب اور رقاص عورتیں ان عورتوں میں سے ہوا کرتی تھیں جنہیں لڑائی میں پکڑ کر لایا جاتا یا روم کے بازاروں سے خریدا جاتا۔

یہ مطرب اور رقاص عورتیں اشاعت اسلام کے بعد بھی غسانیوں میں موجود رہیں ابو الفرج نے کتاب الاغانی میں لکھا ہے کہ حضرت حسانؓ بن ثابت کو ایک دعوت میں بلایا گیا جہاں انہوں نے ایک مغنیہ رائقہ کا گانا سنا اور اس کی مالکہ کا بھی' گھر لوٹ کر آئے تو کہنے لگے، رائقہ اور اس کی مالکہ کے گانے نے مجھے وہ گانا یاد دلایا ہے جسے میں نے زمانہ جاہلیت کے بعد سے آج تک نہیں سنا تھا میں ایک رات جبلہ بن ایہم کا مہمان تھا میں نے وہاں دس گانے والیاں دیکھیں پانچ رومی عورتیں تھیں جو بربط پر رومی گانے گاتی تھیں اور پانچ مقامی گانے گاتی تھیں"

یاد رہے کہ یہ وہی جبلہ بن ایہم ہے جو بعد میں مسلمان ہوا۔ بنوفزارہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کی لٹکتی ہوئی لنگی پر پڑ گیا اس نے تھپڑ مار دیا اس آدمی نے حضرت عمرؓ کے آگے فریاد کی انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ شخص جبلہ کو تھپڑ مارے جبلہ بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا اور وہیں رہا حتیٰ کہ 20ھ میں فوت ہو گیا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اندرون عرب کے لوگ زیادہ تر بدوی تھے یہ زراعت' تجارت وغیرہ

پیشوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ان کی پوری زندگی اپنے جانوروں سے وابستہ تھی وہ انکا دودھ پیتے انکا گوشت کھاتے انکی اون سے لباس بنا لیتے اوراسی سے رہائش کے لئے خیمے بھی بنا لیتے جب غذا کی عدم فراہمی بہت ستاتی تو چھچھوندر اوراود بلاؤ تک کھا جاتے سوسمار یعنی گوہ انکا خاص کھاجا تھی۔ یہی طعنہ دیتے ہوئے ایرانی قومیت پرست شاعر فردوسی نے کہا:۔

زشیر شتر خوردن و سو سمار　　عرب را بجائے رسیداست کار

کہ تخت کیاں روکنند آرزو　　تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

(اونٹوں کا دودھ پی کر اور گوہ کا گوشت کھا کر عربوں کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ آج کیانی بادشاہوں کے تخت وتاج کے خواہشمند ہو گئے ہیں اے گردش کرنے والے آسمان تجھ پر تف ہے)

جانور پالنے کے علاوہ انکے وسائل معاش میں ایک دوسرا ذریعہ بھی شامل تھا اور وہ یہ کہ وہ لوٹ مار کے عادی تھے دشمن قبیلوں پر ٹوٹ پڑتے تھے انکی عورتیں اور بچے جانور پکڑ لاتے دوسرا قبیلہ پھر اس کا بدلہ لینے کی کوش کرتا اسطرح پشتینی عداوتوں کا سلسلہ چل نکلتا قبیلے طاقت فراہم کرنے کے لئے دوسرے قبیلوں کو اپنا حلیف بنا لیتے لیکن جب انہیں اور کوئی شکار نہ ملتا تو یہ ایک دوسرے پر ہی حملہ آور ہو جاتے۔ قطامی کے یہ شعر انکی اسی ذہنیت کے عکاس ہیں۔

فَمَنْ تکن فتارة اعجبته　　فَأَیُّ رجال بادیة ترانا

(تمدنی زندگی پسند کرنے والوں کو چھوڑو میں پوچھتا ہوں تو ہمیں کس قسم کا بدوی سمجھتا ہے)

وَمَنْ رَبطَ اَلْحُجَّاشَ فَاِنْ فِیْنَا　　قَنًا سُلُباً وَاَفْرَ اسُلَنَا حَسَانَا

ایسا جو اپنے دروازے پر گدھے کے بچے باندھتا ہے نہیں وہ بات نہیں ہمارے پاس تو سخت لچکدار نیزے اور حسین حسین گھوڑے ہوتے ہیں)

اعزن من الضباب علی حلال　　وضبة انه من حان حانا

ضباب پر جا پڑتے ہیں وہ پڑوسی ہی سہی۔ خود ضبہ پر بھی لوٹ مار شروع کر دیتے ہیں کیونکہ بات تو یہ ہے کہ جس پر وقت پڑ جائے تو وقت کہاں ٹال سکتا ہے

واحیانا علی بکرا احینا　　اذا مالم نجد الا اخانا

(کبھی کبھی اپنے حلیف بھائی بکر پر بھی جا پڑتے ہیں مگر اس وقت جب اس کے سوا کوئی دوسرا شکار نہ ملے)

انکی عورتیں جہد حیات میں انکے ساتھ شامل رہتی تھیں لکڑیاں جمع کرتیں پانی بھر لاتیں تعلیم سے مرد عورت دونوں عاری تھے، اسلئے دونوں کی شعوری سطح بھی ایک ہی ہوتی لیکن عورتیں جنگوں میں مردوں کے شانہ بشانہ مردانگی کے جوہر نہیں دکھا سکتی تھیں بلکہ الٹا ان کے لیے وبال جان بن جاتی تھیں کیونکہ دشمن انہیں پکڑ کر لے جاتے اور یہ بڑی شرم کی بات تھی اس لئے مردوں کو ان کی حفاظت بھی کرنی پڑتی تھی بالکل اسی طرح جس طرح انہیں اپنے سامان اور جانوروں کی حفاظت کرنی ہوتی تھی اس طرح اس بدوی معاشرت میں جس کی اساس جنگ اور لوٹ مار تھی عورت کو جانوروں کی صف میں شامل تصور کیا جاتا تھا، مرد اولاد کی زیادہ قدر و قیمت تھی کہ وہ قبیلہ کی قوت تھے عورت الٹا قبیلے کی کمزوری کا باعث ہوتی تھی چنانچہ لڑکے کی پیدائش کو اللہ کا احسان سمجھا جاتا جبکہ لڑکی کی پیدائش منحوس خیال کی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بعض 1 (فجر اسلام ص66) قبیلوں میں تو بیٹیوں کو قتل کر دینے کا رواج تھا۔ قرآن حکیم ایسی ذہنیت کو بے نقاب کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَاِذَابُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ ۔ یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَابُشِّرَبِهٖ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ

(جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا منہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ ذلت کی اس گٹھڑی کو اٹھائے پھرے یا اسے مٹی میں دبا دے اف کتنا برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں)

اسلام جب عجم میں پہنچا تو ایران میں جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ان میں وہ بھی تھے جنہیں اپنے ایرانی تمدن اور ایرانی نیشنلزم پر ناز تھا، فردوسی انہی لوگوں میں سے تھا اس کے اشعار ہم کسی اور ضمن میں پیش کر چکے ہیں بہت سے ایرانی شعراء نے عربی میں شعر کہے لیکن ایرانی قومیت اور ایرانی تمدن پر فخر کرتے رہے انہی میں سے ایک بڑا قادر الکلام شاعر اسماعیل بن یسار تھا۔ اس نے عربوں پر ایرانیوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ بات بطور خاص بیان کی ہے۔

فَاتْرُکِیْ اَلْفَو یَا اُمَامُ عَلَیْنَا وَ اُتْرُکِی الْجَحُوْرَ وَانْطِقِیْ بِالصَّوَاب

(اے امام تو ہم پر اپنی فضیلت جتانا چھوڑ دے یہ ظلم چھوڑ اور حق کی بات بیان کر)

فَا سْئَلِیْ اِنْ جَهِلْتِ عَنَّا وَ عَنْكُمْ کَیْفَ کُنَّا فِیْ سِلْفِ اِلَّا حُقَاب

(اگر تجھے علم نہیں تو کسی سے پوچھ لے کہ گزشتہ زمانوں میں تم کیسے تھے اور ہم کیسے؟)

اِذْ نُرَبِّی بَنَاتِنَا وَتَدُسُّوْنَ سِقَاھاً بِنَاتِکُمْ فِیْ التُّرَابَ

(ہم وہ تھے کہ اپنی بیٹیوں کی پیار سے پرورش کیا کرتے تھے اور تم اپنی حماقت اور وحشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں مٹی میں دبا دیا کرتے تھے)۔کتاب الشعر والشعراء ابن قتیبہ ص۲۲ فجر الاسلام ص356)

یقیناً اہل ایران کے لئے یہ بات انتہائی باعث فخر ہے کہ وہ زمانہ قبل از اسلام میں دختر کشی جیسی درندگی سے دور تھے اور عربوں کی قبل از اسلام تہذیب انکے لئے باعث ننگ و عار تھی کہ وہ اپنی بیٹیاں زندہ درگور کردیتے تھے۔

یوں تو اس رسم بد میں تمام عرب بدنام ہیں لیکن خاص طور پر بنوتمیم میں اس کا رواج۔۲(مجمع الامثال کرمانی مطبوعہ ایران 438)،مجمع الامثال میدانی ص 287)عام تھا۔

بنوتمیم کے رئیس قیس بن عاصم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اقرار کیا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے آٹھ دس لڑکیوں کو زندہ دفن کیا۔ یہ رسم جس شقاوت اور سنگدلی سے سرانجام دی جاتی تھی اس کا انتہائی افسوس ناک ذکر اس بیان میں ملتا ہے جسے وضین سے روایت کیا گیا ہے روایت کچھ اس طرح ہے کہ

''ایک شخص نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا'' یارسول اللہ ہم جاہلیت میں تھے بتوں کو پوجتے تھے اور اولاد کو مار ڈالتے تھے مری ایک لڑکی تھی جب میں بلاتا تو دوڑ کر میرے پاس آتی ایک روز مجھ پر جاہلیت کے جذبات غالب آگئے میں نے اس بلایا وہ بہت خوش خوش دوڑتی آئی میں گھر سے نکل پڑا وہ میرے پیچھے چلتی آئی میں گھر سے کچھ دور ایک اندھے کنوئیں پر پہنچا اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا وہ ابا ابا پکارتی رہی اور یہی اس کی زندگی کی آخری آواز تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعہ سنتے رہے اور آپ کی آنکھیں بہتی رہیں حتیٰ کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

دختر کشی کی اس سنگدلی کا انتہائی دردانگیز پہلو یہ تھا کہ خود مائیں اپنی بیٹیوں کو قتل ہونے کے لئے باپ کے حوالے کرتی تھیں ابن عربی نے عہد جاہلیت کے ایک شاعر کا شعر لکھا ہے

مَالقی الموودة من ظلم امه　　　کما یقیتُ ذھل جمعیاً و عامر

(زندہ دفن ہونے والی بچی نے بھی اپنی ماں کے ظلم سے اتنی تکلیف نہیں اٹھائی ہوگی جتنی ذہل اور عامر نے برداشت کی)

''مووٗدۃ'' کا لفظ خاص طور پر ایسی ہی بچیوں کے لیے وضع ہوا ہے جنہیں والد یا والدہ قتل کر

دیتے تھے خود قرآن حکیم میں ہے۔

اِذَالْمَوْ دَ ۃُ سُئِلَتْ بِا یِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

(جب زندہ درگور کی جانے والی بچی سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا)

یہ سب درست ہے مگر اسی تصویر وحشت و بربریت تمدن میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنکے دل ایسی بچیوں کے لئے رحمتوں سے معمور اور ہمدردیوں سے لبریز تھے وہ ایسی بچیوں کو قیمت دے کر ان کے والدین سے خرید لیتے تھے اور انکی پیار سے پرورش کرتے تھے۔

مگر ایسے لوگ بہت کم تھے۔ مشہور شاعر فرزوق کے دادا اصعصہ اس نیکی میں مشہور ہوا۔ اس نے اسلام قبول کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''اے اللہ کے رسول میں نے اسلام سے پہلے 360 بچیوں کو خرید کر موت سے بچایا، ۱ (تفسیر درمنشور للسیوطی بحوالہ معجم الطبرانی)

حضرت زید بن عمرو بن نفیل بھی اسی طرح بچیوں کو اپنی آغوش شفقت میں لے لیتے تھے اور محبت سے انکی پرورش کرتے تھے جب وہ بڑی ہو جاتی تھیں تو ان کے والدین سے کہتے تھے چاہو تو میں تمہیں واپس کردوں ورنہ میرے پاس تو ہیں ہی۔ ۲ (صحیح بخاری ج اول ص 540)

قتل اولاد کی اور صورتیں بھی عربوں میں رائج تھیں وہ منت مان کر انہیں بتوں پر قربان کرتے تھے کعبہ کی منتیں بھی مانی جاتی تھیں حضرت عبدالمطلب نے ایسی ہی منت مانی تھی اور پھر قربانی کا قرعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ کے نام نکلا تھا پھر انہیں بچانے کے لئے عبدالمطلب اونٹوں اور عبداللہ کے قرعے نکالتے رہے آخر سو اونٹوں پر قرعہ نکلا۔ اس طرح کا قتل اولاد بہت سی مشرک قوموں میں رہا ہے سورہ الغام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اسی طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے معبودان باطلہ نے یہ بات خوبصورت کر کے دکھائی کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں'' (الانعام۔16)

قتل اولاد کی یہ صورت بھی تھی کہ وہ لوگ اپنی غربت اور افلاس کے خیال سے بچوں کو قتل کر دیتے تھے ظاہر ہے کہ اس کا نشانہ بھی زیادہ تر بچیاں ہی ہوتی تھیں۔ قرآن کیسا ہے

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ

تنگی رزق کے خوف سے اپنی اولادیں قتل نہ کیا کرو۔

خیر یہ تفاصیل ہمارے موضوع سے خارج ہیں ہم اپنے قلم کو صرف اس بات تک محدود کرتے ہیں کہ اندرون عرب میں کچھ قبائل کے لوگ لڑکیوں کو ذبح کر دیتے تھے اور اسے کوئی برائی نہیں سمجھتے تھے۔

جس معاشرہ میں دختر کشی کا رواج ہے اس کے متعلق بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں عورت کو کتنا حقیر اور بے توقیر خیال کیا جاتا ہوگا۔

عورت کی اس ذلت در آغوش حیثیت کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ صحراؤں میں رہنے والے یہ قبائل تمدن اور تہذیب نام کی کسی چیز سے واقف نہ تھے۔

کہا جاتا ہے کہ عربی زبان نہایت وسیع زبان ہے یہ بات کسی حد تک صحیح بھی ہے لیکن اس کی وسعت انکی بدوی زندگی تک محدود ہے مثال کے طور پر اونٹ بدوی زندگی کا بنیادی ستون ہے یہی انکی غذا ہے۔ اسی کی اون سے انکے لباس۔ انکے خیمے اور خیموں کی رسیاں بنتی ہیں اور اگر اونٹ نہ ہو تو ان کی زندگی بے معنی ہو جائے یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اونٹ اور اس کے متعلقات کے لئے بے شمار الفاظ ہیں۔ اونٹوں کے حمل اور ولادت کیلئے الفاظ وضع ہوئے ہیں ایک سال کا بچہ' دوسال کا بچہ، غرضیکہ عمر کے لحاظ سے دودھ دوہنے، دودھ پلانے، دودھ چھڑانے کے لئے اس کی آوازوں کے لئے اون کے لئے، چارہ کی قسموں کے لیئے' جگالی کرنے کے مختلف طریقوں کے لئے، چرنے چرانے کے لئے، بیٹھنے کے مختلف انداز کے لئے، دموں کی مختلف حرکات کے لئے، رسیوں کے لئے، رسیوں کو کھلوانے اتارنے کے لئے، نشانات کے لئے، عیوب کے لیے، مختلف بیماریوں کے لیے خارش کی قسموں کے لئے غرضیکہ اونٹ کے متعلقات کی تمام جزئیات کے لئے الگ الگ الفاظ وضع کئے گئے ہیں۔ اور لغت کا ایک بڑا حصہ ان پر مشتمل ہے۔ پھر اونٹوں سے وابستہ محاورے ہیں، ضرب الامثال ہیں، تشبیہات ہیں، استعارے ہیں، کنائے' ہیں، ابن سیدہ کی کتاب مخصص) اٹھا کر دیکھئے اس میں اونٹ اور ان کے متعلقات 176 صفحات پر پھیلے ہوئے ملیں گے' اسطرح عربی زبان بڑی وسیع نظر آئے گی لیکن جن چیزوں کا تعلق تمدن اور اسباب معاشرت سے ہے ان کے لئے اصل عربی زبان کا دامن بہت تنگ ہے اگر کچھ الفاظ ہیں بھی تو وہ روم یا ایران سے آئے ہوئے ہیں سکہ (ثھین) کے لئے ایک لفظ بھی نہیں درہم یونانی لفظ ''درخم'' ہے جسے انگریزوں نے ''ڈرام'' میں بدل لیا ہے۔ چراغ معمولی چیز ہے اور ہر گھر کی ضرورت ہے مگر اس کے لئے عربی میں اپنا کوئی لفظ نہیں تھا اسی چراغ کو معرب کر کے سراج بنالیا گیا۔ ایک اور مصنوعی لفظ ''مصباح'' بنایا گیا جس کے معنی ہیں وہ آلہ جس سے صبح بنائی جاتی ہے۔ کوزہ کو

کوز کر لیا گیا۔ ایران والے لوٹے کو آبریز کہتے ہیں عربوں نے ''ابریق'' کر لیا ہے تشت کو طست بنا لیا گیا' پیالہ کو فارسی میں کاسہ کہتے تھے ''عربوں نے کاس'' کر لیا کرتہ سے ''قرطق'' اور شلوار سے ''سروال'' جیسے الفاظ وجود میں آ گئے۔

اسی طرح کشتی کے لئے بہت کم الفاظ ہیں اصل بات یہ ہے کہ انکی معاشرت میں جو چیزیں تھی نہیں ان کے لیے الفاظ کہاں سے وضع ہوتے۔ اور اگر ان کی معاشرت کے لیے کچھ ضروری چیزیں تھیں تو وہ انہیں میسر نہیں تھیں اس لئے الفاظ وجود میں نہ آ سکے۔

کتب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک عیش و راحت کے سامان بہت کم تھے بخاری میں ہے کہ آیات حجاب کے نزول تک گھروں میں بیت الخلاء (Latrine) نہیں تھے۔ مستورات رفع حاجت کے لیے باہر جایا کرتی تھیں۔ ترمذی باب الفقر میں ہے اس وقت آٹا چھاننے کے لئے چھلنیاں نہیں تھیں آٹے پر پھونک مار مار کر بھوسہ اڑا دیتے تھے، ابو داؤد میں ایک صحابی کہتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتا تھا لیکن میں نے آپ سے حشرات الارض کے حرام ہونے کے متعلق کوئی قول نہیں سنا محدثین کہتے ہیں کہ ایک صحابی نے ایک بات نہیں سنی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ حشرت الارض کی حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان ہی نہیں فرمائی یہ بات درست ہے لیکن اس روایت سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اسلام سے پہلے لوگ حشرات الارض کھا لیا کرتے تھے۔

ہم نے اندرون عرب کے صحرائی ماحول اور معاشرہ پر تفصیل سے لکھا ہے اس سے مقصود یہ تھا کہ اس کے تناظر میں زندگی کے متعلق انکے نظریات اور خود انسان کے متعلق ان کے قائم کردہ خیالات و معتقدات واضح ہو جائیں۔ ان کا ادب بلاشبہ ان کی معاشرت کا عکاس ہے انکی شاعری کے موضوعات بہت محدود ہیں ہواؤں کی بے رحمی اور موسموں کی تباہی و بربادی ہے۔ اجڑی ہوئی آبادیوں کے تذکرے ہیں ویران ٹیلوں اور خیموں کی عارضی آسودگی کا ذکر ہے اور ان کے ساتھ کسی محبوب کی یادیں ہیں جوان خیموں کے باقی ماندہ آثار میں بھٹکتی پھرتی ہیں اپنے قبیلہ اور اپنے آباؤ اجداد کے مناظر کی داستانیں ہیں جن کا سب سے بڑا وصف شجاعت اور سخاوت ہے شجاعت بھی کیا ہے لوٹ مار کا تہور اور پھر لوٹی ہوئی دولت پر تھوڑی دیر کی راحتوں اور عیاشیوں کی کہانی ہے، محسوسات و مشاہدات ہمیشہ ایک سے رہے ان میں عیش و عشرت اور راحت و آرام کے متعلق الفاظ تو آتے ہیں مگر ان کی تعداد اُن الفاظ اور کلمات کے

مقابلہ میں بہت کم ہے جو مصیبت، تکلیف، صدمات اور ویرانی وسنسانی کے لئے وضع ہوئے، مصیبت (داھیہ) کے لئے اس قدر الفاظ ان کے ہاں ملتے ہیں کہ لغت دان ان کا شمار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں، چنانچہ ایک مشہور ماہر لغت نے ان الفاظ کو جمع کرنا چاہا تو چار سو سے اوپر تک پہنچ گیا تھک کر کہہ دیا کہ مصیبت کے لیے وضع کئے ہوئے الفاظ کا شمار بھی ایک مصیبت ہے۔

اس معاشرہ میں عورت کی عفت کا تصور ہے مگر بہت ہی کمزور، اسکا ہر فرد عورت کو نسل کشی کے لیے ضروری سمجھتا ہے کیونکہ اگر قبیلہ میں افراد کی تعداد زیادہ ہوگی تو دوسرے قبائل کے مقابلہ میں مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا مگر اس نسل کشی میں بھی اسے خوف ہے کہ بیٹی نہ پیدا ہو جائے جس کی الٹا حفاظت کرنی پڑے۔ اسے مردوں اور پھر بہادر مردوں کی ضرورت ہے۔ اور جب بات یہاں تک آجاتی ہے تو عورت کی عفت کا تصور اچانک گم ہو جاتا ہے اور وہ جو بھی ایک دو ثانیے پہلے حمیت وغیرت کی بات کر رہا تھا۔ اچانک دیوثی کی چادر اوڑھ لیتا ہے اور کیا کرتا ہے ذرا غور سے سنیے

''شجاعت اور بہادری میں کسی کی شہرت سنتے تو اپنی بیوی اس کے پاس بھیج دیتے تاکہ اس سے شجاع اور بہادر بچہ پیدا ہو''

احمد الجازمی نے لکھا

''بیوی کو کسی ہیرو کے پاس بھیج دیتے سوال کیا جاتا تو جواب دیتے اونٹنی کو ہم نے اچھی نسل کے اونٹ سے ملا دیا اونٹ کا بچہ تو ہمارا ہی ہوا، اسی طرح اگر عورت کسی سے حاملہ ہوئی بیوی ہماری تھی بچہ بھی ہمارا ہوا''

(العرب والاعراب ص 71)

اکثر عورتیں غیر مردوں سے ملتیں بچہ پیدا ہوتا تو عورت سے پوچھا جاتا بچہ کس کا ہے وہ جو بتا دیتی اس پر اعتبار کیا جاتا علامہ غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

''زنا کی کی اولاد کے متعلق عورت جس کی طرف انگلی اٹھا دیتی وہی اس کا باپ قرار دیا جاتا'' (معراج انسانیت ص 33)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

''جاہلیت میں ایک عورت کئی کئی مردوں سے ملتی تھی جب لڑکا ہوتا تو وہی عورت بتاتی کہ ان میں سے کس کا لڑکا ہے بعض عورتیں دوسرے کے بچے کو اپنا بچہ بنا کر شوہر

کے سر تھوپی تھیں یہ ساری باتیں عفت اور پاکدامنی کے خلاف تھیں۔''

(سیرۃ النبی ج6 ص370 مطبوعہ مکتبہ تعمیر النسانیت لاہور)

اپنی بیوی دوسروں کو پیش کر دینا ان قوموں کا بھی رواج رہا جو آج اپنی تہذیب پر فخر کرتی ہیں علامہ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

''رومہ کے قرون ادنیٰ (ماضی قریب) میں بھی بیوی محض ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی تھی اور مقدس کارٹو (Carto) کے اس تاریخی واقعہ سے غالباً ناظرین بھی آگاہ ہوں گے کہ اس نے اپنی بیوی ماریشا (Marcia) اپنے ایک دوست ہارٹن سیئس (Hortenseius) کو ادھار دے دی تھی اور اس کی موت پر واپس لے لی۔ الغرض ان کے یہاں بیوی کی کوئی جداگانہ حیثیت نہ تھی اور دوسری معمولی جنسوں کی طرح اس کا لین دین ہوسکتا تھا۔ (شہوانیات ص321)

قدیم زمانے میں اپنے دیوتاؤں کے سامنے ننگا ہو جانا عبادت کا جزو سمجھا جاتا تھا۔ عیسائیت کی اشاعت کے بعد خود عیسائیوں کے اپنے فرقے پیدا ہو گئے تھے جو مذہب کی آڑ میں سیہ کاریاں کرتے تھے۔

بہت سے فرقے اس امر پر اصرار کرتے تھے کہ جب کسی مرد یا عورت کو عوام کے سامنے بپتسمہ دیا جائے یا جب کوئی مرد یا عورت عبادت میں مصروف ہو تو لازم ہے کہ کپڑے اتار دے شرم وحیا کی بھینٹ چڑھانے کا عقیدہ جو بہت سے مشرقی مذاہب میں اس قدر اہم تھا وہ بھی وقتاً فوقتاً بندگان مسیح میں پیدا ہو جاتا تھا''

(شہوانیات ص255)

یہ رسم بد عربوں میں بھی پائی جاتی تھی۔

''شرم وحیا کے فقدان کا یہ عالم کہ حج کعبہ میں ہزاروں لوگ جمع ہوتے لیکن قریش کے سوا سب مرد عورت مادرزاد ننگے طواف کعبہ کرتے'' (معراج انسانیت ص33)

عہد قدیم میں عورت اور مرد کو افزائش نسل اور جنسی تسکین کے لیے باہم مربوط کر کے دیکھا جاتا تھا رشتہ وغیرہ کا کوئی احترام نہ تھا عورت صرف عورت تھی اور مرد صرف مرد تھا۔ ماں، بہن، بیٹی، باپ، بھائی، بیٹا کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اور یہ بات عوام الناس میں اس لئے تھی کہ انکے دیوتا یہی کچھ کرتے تھے ہندوؤں

کے ہاں برہما نے اپنی بیٹی سرسوتی سے، مصریوں میں آمون نے اپنی ماں سے اور ڈین نے اپنی بیٹی فرگاسے (Fargga) سے شادی کر لی اسی طرح جیو پیٹرا (Jeupetra) نے اپنی بہن جونو (Junno) سے نکاح کرلیا دیوتاؤں کے متعلق ان عقائد نے پرستاروں میں بھی اسی کورواج دیا۔

عربوں میں بھی یہی رسم تھی۔ سٹرابو (Strabo) لکھتا ہے کہ

''عربوں میں 26 سال قبل مسیح میں اپنی بہنوں اور ماؤں کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنا کوئی امر قبیح نہ سمجھا جاتا تھا۔'' (بحوالہ شہوانیات ص 301)

معلوم ہوتا ہے نزول قرآن تک ایسے خیالات رکھنے والے لوگ موجود تھے اسی لئے قرآن کو وضاحت کرنا پڑی۔

''اے ایمان والو! تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھانجیاں، وہ عورتیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا دودھ شریک بہنیں، اپنی بیوی کی اگلیڑ لڑکیاں، جو غالبا تمہاری گود میں پرورش پاتی ہیں تم پر حرام ہیں لیکن جن عورتوں سے تم نے صحبت داری نہیں کی ان کی اگلیٹر لڑکیاں اگر تمہارے نکاح میں آجائیں تو کوئی گناہ نہیں! تمہاری بہویں یعنی تمہارے صلبی لڑکوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں۔ اسی طرح تمہارا دو بہنوں کو بیک وقت قید نکاح میں رکھنا بھی حرام ہے۔

(سورہ نساء۔۲۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت تک ان رشتوں کا احترام نہیں کیا جاتا تھا اور انہیں حرام نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہاں تاریخ میں وضاحت ملتی ہے کہ حقیقی ماں سے جنسی تعلق حرام سمجھا جاتا تھا، سوتیلی ماؤں کے ساتھ ایسا نہیں تھا علامہ پرویز لکھتے ہیں

''باپ کے مرنے کے بعد اس کی تمام بیویاں (بجز حقیقی ماں کے) بیٹے کو وراثت میں مل جاتیں اور اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتیں'' (مواج انسانیت ص 33)

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

''باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی''

(سیرۃ النبی جلد اول ص 137)

اسلام اور عورت

قرآن اسرائیلی روایات کے اس بیان کی تکذیب کرتا ہے کہ عورت مرد کی بائیں پسلی سے اس وقت پیدا ہوئی جب آدم کی صورت میں مرد بن چکا تھا کتاب، مقدس میں عورت کی پیدائش کا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

''خدا نے عدن میں باغ لگایا اور انسان کو جسے اس نے اپنی صورت میں پیدا کیا تھا اس باغ میں رکھا اور خدا نے کہا آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں میں اس کے لیے ایک مدد گار اس کی مانند بناؤں گا اور خداوند نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس پسلی سے ایک عورت بنا کر آدم کے پاس لایا اور کہا تو نر سے نکالی گئی ہے اس لیے ناری کہلائے گی''

(کتاب پیدائش باب 2)

اس کے برعکس قرآن سے سب سے پہلے تخلیق کا وہ نظریہ بیان کیا جسے بعد میں ڈارون نے سائنٹیفیک انداز میں پیش کیا اور جسے (Evolution Theory) کہتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَاء

وہ ذات جس نے تمہیں ایک جان (جرثومہ حیات) سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا زوج پیدا کیا اور پھر اس نے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے)

یعنی زندگی کا آغاز ایک خلیہ حیات (Life Cell) ہے یہ خلیہ آگے چل کر خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ایک مادہ کا خلیہ (Ovum) اور دوسرا نر کا خلیہ (Sper Matazoon) قرآن انہیں ایک دوسرے کا زوج کہتا ہے زوج کے معنی ہیں ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے (

(Compliments to Each other) گویا مرد اور عورت ایک دوسرے کے زوج ہیں اور ان میں سے کوئی بھی تنہا مکمل نہیں ہوسکتا۔

قرآن کی رو سے یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ عورت ابلیس کے بہکاوے میں آ گئی اور پھر مرد بھی اس عورت کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوا وہ کہتا ہے نہیں مرد عورت دونوں سے لغزش سرزد ہوئی

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا (2/36)

(شیطان نے ان دونوں کو اس سے بہکایا)

قرآن کہتا ہے مرد اور عورت دونوں واجب التکریم ہیں کہ وہ انسان ہیں اور انسان کو فی احسن تقویم پیدا کیا گیا ہے **ولقد کرمنابنی آدم** (ہم نے بنی آدم کو مکرم بنادیا) 17/70 دونوں کے کچھ مخصوص اوصاف اور متعین صفات ہیں اور وہ انہی صفات مخصوصہ سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح خاک، پانی، ہوا اور سورج اپنی جگہ متعین ومخصوص صفات سے بیج کو نشو نمو دیتے ہیں اور ایک دوسرے کی کمی پوری کرتے ہوئے سرگرم تخلیق رہتے ہیں ان میں سے کسی چیز کو الگ کر دیجئے تخلیق کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا ان میں سے کسی چیز کو کسی دوسری پر مکمل فضیلت حاصل نہیں مرد اور عورت کا بھی یہی معاملہ ہے۔

فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ یعنی اگر ایک خصوصیت کے لحاظ سے مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے تو دوسری خصوصیت کے اعتبار سے عورت کو مرد پر فضیلت حاصل ہے مکمل طور پر کسی ایک کو دوسرے سے افضل نہیں کیا جاسکتا یہ دونوں اپنی تکمیل کے لئے ایک دوسرے کی رفاقت کے محتاج ہیں۔ ان کے آپس میں تعلق کی نوعیت کیا ہے۔

اسکی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً.

اللہ نے تم میں باہمی مودہ رحمت پیدا کی

''مودت'' ود سے ہے۔ جس کے لغوی معنی میخکے ہیں میخ ایک چیز کو دوسری چیز میں پیوست کرکے ان دونوں کو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنا دیتی ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر مودت کا لفظ جس کا مادہ (Root) ''ود'' ہے مختلف صورتوں میں استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ یہ باہمی کشش، پیوستگی وابستگی اور جاذبیت کا مفہوم رکھتا ہے۔ ایک جگہ نبی اسرائیل کو کہا گیا اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ

آخرت کی فیروزمندی تمہارے لیے مخصوص ہے تو موت کی تمنا کرو پھر کہاوہ کبھی یہ تمنا نہیں کرینگے۔

يَوَدُّ اَحَدَهُمْ لَوْيُعَمَّرُ اَلْفَ سِنَةَ (2/98)

ان میں سے ہر ایک کے لیے زندگی میں ایسی کشش اور جاذبیت ہے کہ ہر ایک چاہتا ہے کہ ہزار سال زندہ رہے

خود اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام الودود ہے اور یہ نام کائنات کی تخلیق اور ارتقا کے تناظر میں استعمال ہورہا ہے۔

اِنْ هُوَ يَبْدَئُ وَيَعِيْدُ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ (85/13)

ان تخلیقی مراحل کا ذکر کرتے ہوئے خدا کی دوصفات بیان کی گئیں، الغفور''غفر'' کے معنی حفاظت کے لیے ڈھانپ لینا ہے۔مغفر خود کو کہتے ہیں جو سر کو ڈھانپ کر اسکی حفاظت کا سامان کرتا ہے ''الغفور'' ہر مرحلہ میں تخریبی قوتوں سے محفوظ کرلیتا ہے الودود یعنی اشیا کی باہمی کشش اور جاذبیت کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں ایک دوسرے سے ملائے رکھتا ہے تاکہ اس میں اپنے تحفظ کی قوت آجائے اور وہ نئے تخلیقی مرحل میں داخل ہو سکے۔

چھوٹی سطح پر ایٹم کو لیجئے۔دو ایٹم مل کر Compound نہیں بنا سکتے یعنی نئے تخلیقی مرحلہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ان میں باہمی کشش یا مودت موجود نہ ہو مثال کے طور پر سوڈیم اور کلورین کا ایک ایک آئیٹم لیجئے کلورین کے ایٹم کے بیرونی Shell میں سات الیکٹرون ہیں سوڈیم کے ایٹم کے Shell میں صرف ایک ایٹم ہے سات کی قوت ایک کے مقابلہ میں سات گنا ہے۔اس لئے اندورنی کشش (مودت) سے کلورین ایٹم سوڈیم ایٹم کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اس طرح ان کے جڑنے سے نئی تخلیق سوڈیم کلورائیڈ (یعنی نمک) وجود میں آتی ہے۔گویا کلورین اور سوڈیم کے ایٹم ایک دوسرے کے زوج بن جاتے ہیں۔ یہ مودت ہے رحمت سامان پرورش کو کہتے ہیں یعنی ایسی پرورش اور حفاظت کا سامان جو رحم مادر میں ہوتا ہے۔یہ ہے وہ مودت ورحمت جنکی باہمی رفاقت سے زندگی تقویم پاتی ہے اور جوئے رواں کی طرح آگے بڑھتی ہے۔

جنس (Sex)

زوجین کا سلسلہ تخلیق ہر مرحلہ پر موجود ہے مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (51/40)
جب یہ مرحلہ آیا اور زندگی نے اپنی نمود کے لئے اگلا قدم بڑھایا تو صنف، جنس یا Sex وجود میں آ گئی ہم دیکھ چکے ہیں کہ افزائش نسل Reproduction زندگی کے حیوانی سطح میں داخل ہونے سے بھی موجود ہے لیکن اب Sex کے مقاصد وسعت پذیر ہو کر Adaptation تک آجاتے ہیں یعنی دو افراد جب انفرادی طور پر مقابلہ نہ کر سکیں مل کر اتنی قوت پیدا کر لیتے ہیں کہ مقابلہ کر سکیں یہی "مودت" ہے جو انہیں قوت حاصل کرنے کے لئے آپس میں ملا دیتی ہے مودت کا مفہوم اس سے بھی وسیع ہو کر تحفظ خویش یا حفاظت ذات (Self preservation) تک آجاتا ہے۔ میاں بیوی کے سلسلہ میں مودت کے بعد رحمت کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے اس لفظ سے اس قسم کی حفاظت کی صراحت کی گئی ہے جو رحم مادر میں ہوتی ہے یعنی پوری وابستگی اور پیوستگی جس سے دوسرے کے نقائص دور ہو جائیں۔ مودت کے معنی عام طور پر محبت کر دئے جاتے ہیں لیکن ان دونوں لفظوں میں نازک سا فرق ہے محبت بیوی اولاد، والدین اور بہن بھائیوں سے بھی ہو سکتی ہے لیکن مودت وہ باہمی کشش ہے جو صنف (Sex) میں ہوتی ہے۔

مرد اور عورت چونکہ دونوں انسان ہیں اس لئے ان میں بیشتر انسانی خصوصیات مشترک ہیں پس جہاں یہ صفات مشترک ہو جائیں وہاں ایک دوسرے کے دوش بدوش چلیں گے جہاں خصوصیات میں فرق ہے وہاں انکے فرائض اور نوعیت کار کے دائرے الگ ہونگے مگر وہ بھی اس طرح کہ دونوں ایک دوسرے کی قوت کا سامان بنے رہیں۔ مثال کے طور پر عورت کی جسمانی ساخت ایسی ہے کہ یہ بچے کی تولید و پرورش کی متحمل ہو سکتی ہے، مرد میں یہ خصوصیات بالکل نہیں وہ بارور تو کر سکتا ہے بارور ہو نہیں سکتا یہ خصوصیت معاشرتی زندگی کی بنیاد ہے اور مرد کی بہت بڑی کمی کو پورا کرتی ہے۔ اس طرح اس خصوصیت میں عورت، مرد پر فوقیت رکھتی ہے۔ بچے کی تربیت کا گہوارہ بھی ماں کی گود ہے۔ علم تجزیہ

النفس (Psycho Analysis) کے ماہرین کہتے ہیں کہ بچہ ابتدائی دو تین سالوں میں بہت کچھ اخذ کر لیتا ہے، مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر ینگ (Jung) نے تو یہاں تک کہا ہے کہ زبان کھولنے سے پہلے بچے کے کردار کی کافی حد تک تعمیر ہو چکی ہوتی ہے۔

اسطرح ماں کی گود اصل درسگاہ بھی ہے یوں عورتیں ہی مستقبل کی قوم پیدا کرتی ہیں قرآں میں قوم کے لئے ''امہ'' کا لفظ بھی آیا ہے جسکا مادہ (Root) ام ہے اور ام ماں کو کہتے ہیں۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام کا نظریہ جنس دوسرے نظریات سے بالکل الگ ہو جاتا ہے لوگوں نے عام طور پر یہی سمجھا کہ مرد عورت کا ملاپ صرف جنسی تسکین ہے یا زیادہ سے زیادہ افزائش نسل لیکن اسلام نے آگے جا کر یہ بھی بتا دیا کہ ماں مستقبل کی قوم کی تعمیر بھی کرتی ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے نظریات میں مرد عورت کا باہمی نکاح ملاپ کے لیے ہوتا ہے اور جنسی ملاپ سے افزائش نسل ہوتی ہے مگر اسلام نے کہا کہ یہ نکاح جنسی تسکین، افزائش نسل اور تعمیر ملت کا بھی ذریعہ ہے۔

جنسی تسکین

قرآن عورت کو گناہ کی گٹھری اور مصیبت نہیں سمجھتا وہ ان تمام نظریات کی تردید کرتا ہے جو عورت سے نفرت پیدا کرتے اور اس سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں وہ مرد کو کائنات کا دولہا نہیں بناتا کہ وہ جسے چاہے سرفراز کردے اور جسے چاہے پامال کردے جو لوگ اور جو مذہب عورت سے دور رہنے اور جنسی جذبات کو روک دینے کو ہی نیکی اور تقویٰ سمجھتے ہیں اسلام انکی سختی سے تردید کرتا ہے۔

وَرَهْبَانِيَّةِ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا

اور رہبانیت انہوں نے خود ہی گھڑی ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی

ہم تفصیل سے ان تمام ادوار اور خیالات کا تعارف کرا چکے ہیں جنہوں نے اسلام سے پہلے عورت کو حقارت کی زندگی گزارنے کے راستے بتائیے ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان سب میں بالعموم عورت کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور جنسی جذبات کو ابلیسی تسلط سمجھا گیا اور اگر کسی نے مرد کو اجازت بھی دی کہ وہ عورت سے جنسی ملاپ کرسکتا ہے تو عورت کو جنسی بھوک مٹانے کے لیے ایک کھلونا سمجھا گیا اسطرح پوری دنیا میں اسلام کی یہ آواز انتہائی انقلاب آفریں آواز تھی کہ عورت مرد کا کھلونا نہیں مرد اور عورت ایک دوسرے کے دمساز اور رفیق ہیں۔ ان میں حاکم ومحکوم کا بھی تعلق نہیں رفاقت کا تعلق ہے خدا کا ارشاد ہے:۔

وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَات بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءِ بَعْض (9/71)

(اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ودمساز (ولی) ہیں)

یہ دونوں مل کر ہی معاشرہ کو سنوار سکتے ہیں اور سماجی زندگی کو جنت کا نمونہ بنا سکتے ہیں ان دونوں کے ذمہ یہ فریضہ ہے کہ بھلائی کو فروغ دیں اور برائیوں کا قلع قمع کریں۔

چنانچہ اوپر درج کردہ آیت کا اگلا حصہ:۔

يَا مُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُوْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (9/71)

وہ یعنی مومن مرداور عورتیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں برائی سے روکتے ہیں اور صلٰوۃ وزکوٰۃ کا نظام قائم کرتے ہیں

مرداور عورت کی زندگی حیوانی زندگی نہیں کہ جنسی بھوک مٹائی اور الگ ہو کر اپنی راہ لی یہ ایک دوسرے کے رفیق اور دمساز ہیں۔انہیں قرآن نے ایک دوسرے کے "ولی" کہا ہے "ولی" اتنا بڑا اور پرعظمت لفظ ہے کہ اللہ نے اپنے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے اور بار بار استعمال کیا ہے۔ہم صرف ایک آیت درج کرتے ہیں:۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْ یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرَ

اللہ اہل ایمان کا "ولی" ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے

تمام مسلمانوں کا یہی فریضہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے نسل انسانی کو اندھیروں سے نکال کر روشنیوں میں لے آئیں۔ چونکہ یہ مسلمان بھی خدا کے اس مشن میں شریک ہوتے ہیں اس لئے ان لوگوں کو اللہ اپنے "ولی" یعنی رفیق دوست کہتا ہے اور انہیں بشارت دیتا ہے کہ وہ اپنے فریضہ کی ادائیگی میں بے خوف وخطر کوشاں رہیں۔

اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلاَیَحْزَنُوْنَ

آگاہ رہو کہ یقیناً اللہ کے ولی (رفیق) لوگوں کے لئے خوف اور حزن کی کوئی بات نہیں

یہی بشارت دوسرے لفظوں میں تمام مومنوں کو دی گئی ہے فرمایا

لاَتَهِنُوْوَلاَ تَحْزَنُوْ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُوْمِنِیْنَ.

گھبراؤ نہیں اور رنجیدہ مت ہو جاؤ تم ہی غالب وبالادست ہو بشرطیکہ تم مومن ہو

اب دیکھئے کہ مرد اور عورت کے لیے "ولی" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ کتنا بلند اور کتنا پر مفہوم ہے۔

یہاں بات جنسی بھوک مٹانے تک نہیں رک جاتی ایک دوسرے کی تقویت کر کے معاشرتی نظام کو سنوارنے تک وسیع ہو جاتی ہے۔میاں بیوی ایک دوسرے کے رفیق وغمگسار ہیں، جاں نثار دوست ہیں حاکم ومحکوم نہیں مرد اپنا تھکا ہوا خستہ اور پریشان سر بیوی کے شانوں پر ٹکا دیتا ہے وہ اس کی

ساری پریشانیوں میں شریک ہو جاتی ہے اسے تسکین دیتی ہے اس کا دکھ بٹاتی ہے اور عورت پریشان و دل گرفتہ ہوتی ہے تو مرد پر اپنی آزردگی اور غم کا بار ڈال لیتی ہے یوں دکھوں کو Share کرنے سے دکھ ہلکے ہوتے جاتے ہیں، اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے تسکین روح اور مسکون قلب کا باعث بن جاتے ہیں

قرآن نے بڑے بلیغ انداز میں یہی کچھ کہا ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ اَزْوَاجاً لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا (الروم۔21

تمہارے لیے جوڑ (مرد کے لئے عورت، عورت کے لیے مرد) پیدا کئے تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (اعراف۔ 189)

وہ ذات ہے جس نے تمہیں نفس واحد سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑ بنایا تا کہ وہ اس سے سکون پائے

جنسی جذبات

جنس Sex انتہائی اہم موضوع ہے انیسویں صدی کی ابتدا سے اسے با قاعدہ سائنسی علوم کا درجہ دے دیا گیا ہے اور ہر زور نئی تحقیقات سامنے آ رہی ہیں علمائے سائنس کہتے ہیں کہ جنس پودوں میں بھی موجود ہے اور بعض پودے مثلاً کھجور وغیرہ میں اس کا ظہور زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے حیوانات میں جنسی جذبات کی تسکین تو عام فہم بات ہے۔ یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ جانور ایک خاص وقت پر اپنے جنسی جذبہ کی تسکین کرتے ہیں وہ ہر وقت اس کے پیچھے نہیں لگے رہتے، انسان کی حالت اس سے مختلف ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہو گیا کہ انسان کو شہری وتمدنی زندگی نے بدل دیا غذاؤں کی تبدیلی نے یہ تمام اثرات پیدا کیے۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جنسی جذبات قوت خیال کے تابع ہوتے ہیں اور اگر خیال کو انکی طرف منعطف نہ کیا جائے تو یہ جذبات پیدا نہیں ہوتے یا خیال کے بدلنے سے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں مثال کے طور پر اگر ایک شخص رات کو جنسی جذبات سے مغلوب ہو کر اندھیرے مین اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اس کی چارپائی پر اس کی بہن سوئی پڑی ہے تو اس کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں اس طرح ایک شخص آمادہ گناہ ہے اور اچانک کوئی اور آدمی آجاتا ہے اس کی تنہائی ٹوٹ جاتی ہے تو اس کے جذبات برف ہو جاتے ہیں۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ جنسی جذبہ اس طرح کا جذبہ نہیں کہ یہ جبلی تقاضا بن کر اور فطری طلب بیان کر بھوک، پیاس کی طرح انسان پر غالب آجائے، اور اگر کافی دیر تک اسکی تسکین نہ ہو تو انسان قریب الموت ہو جائے' بلاشبہ یہ بات درست ہے کہ اس کی تسکین نہ کرنے سے انسان قریب الموت نہیں ہو جاتا لیکن اس سے بھی کوئی انکار نہیں کہ اس کے تقاضے بہت شدید ہوتے ہیں اور ہر آدمی ان پر قابو نہیں پا سکتا پھر یہ بھی تو ہے کہ انسان کا خیال کسی وجہ سے بھی تحریک پا سکتا ہے ہر وقت اسے قابو میں

نہیں رکھا جا سکتا اس لئے اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اسلام نے رہبانیت یا دائمی ضبط نفس کی مخالفت کی ہے، اور اجازت بلکہ ایک طرح کا حکم دیا ہے کہ جائز طریقہ سے اس کی تسکین کا سامان کیا جائے۔

اب علمائے سائنس اس حقیقت کا انکشاف کر رہے ہیں کہ قوموں کے عروج و زوال میں انکا نظریہ جنس بنیادی کردار ادا کرتا ہے کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر جے۔ ڈی انون نے اس موضوع پر ایک بلند پایہ کتاب لکھی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں۔

> ''اگر کسی قوم کی تاریخ میں یہ نظر آجائے کہ کسی وقت اسکی تمدنی سطح بلند ہوگئی یا نیچے آگئی تھی تو تحقیق سے پتہ چلے گا کہ اس وقت اس نے اپنے جنسی تعلقات کے ضوابط میں تبدیلی کر دی تھی جس کا نتیجہ اس کے تمدنی عروج یا تمدنی زوال کی شکل میں سامنے آیا''

(Sex And culture p.302)

> اگر رہبانیت کی طرح جنس کو زہر قاتل سمجھ لیا جائے اور مرد اپنے لیے جنسی جذبہ کی تسکین کو شجر ممنوعہ سمجھ کر جبری تجرد کی راہ اپنا لے جس طرح مسیحیت یا دیگر اس قسم کے مذاہب نے یہ راہ تجرد (Celibacy) اپنانے کی کوشش کی تھی کہ یہ روحانی ارتقاء کی اولین شرط ہے تو یہ بات خلاف فطرت ہے اس لئے اس کا نتیجہ تباہی ہے۔ ڈاکٹر انون مذکور لکھتے ہیں۔ ''جبری تجرد (Complulsery Celibacy کے اثرات انسانی تمدن پر بڑے تباہی خیز ہوتے ہیں''

(Sex And culture p .74)

جنسی جذبہ کی تسکین بہر حال ہونی چاہیے مگر کس طرح؟ اسکا صحیح نظریہ کیا ہے؟ جسے اپنا کر وہ تمدن عروج کی طرف گامزن ہو جاتا ہے اور کس روش کو اپنانے سے تمدن کی سطح پست ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر انون نے اسی قبائل کا مطالہ کیا اس نے قدیم غیر مہذب قبائل کو تین درجوں میں تقسیم کر کے بڑی باریک بینی سے اپنے مطالعہ کے نتائج اخذ کئے۔ جنکی تفصیل کچھ یوں ہے۔

1-Zoistoic۔ اس درجہ پر وہ اس گروہ کو رکھتا ہے جس نے جنس کو کھلی آزادی دے رکھی تھی آزادانہ اختلاط ہوتا تھا۔ یہ معاشرہ تمدن کی پست ترین سطح پر تھا۔

2-Manistic۔ اس میں زمانہ قبل از نکاح میں تھوڑی سی پابندیاں تھیں یہ تمدن کے درمیان

درجہ پر تھا۔

Deistic-3۔ یہ معاشرہ بلند ترین سطح پر تھا اس نے زمانہ قبل از نکاح میں جنسی تعلق کو معاشرتی جرم قرار دے رکھا تھا۔

وہ معاشرہ جو اسلام تخلیق کرنا چاہتا ہے وہ یہی Deistic معاشرہ ہے۔

ـــــع

نکاح

جنسی تعلق کے سلسلہ میں فطرت سے رہنمائی بھی کسی حد تک حاصل کی جاسکتی ہے جن جانداروں کے بچے پیدا ہونے کے بعد ہی چلنے پھرنے کے قابل ہوتے ہیں ان پر بالعموم صرف ماں ہی ڈیوٹی دیتی ہے جیسے مرغی اور بطخ کے بچے پیدا ہونے کے کچھ دیر بعد چلنے پھرنے لگتے ہیں لیکن دوسرے پرندوں کے بچے پیدا ہوتے ہیں تو ایک لوتھڑے کی شکل میں ہوتے ہیں وہ صرف چوگ لینا جانتے ہیں حرکت نہیں کرسکتے ان بچوں پر نر اور مادہ جوڑے کی صورت میں ڈیوٹی دیتے ہیں انسان کے بچے کی بھی ایک عرصہ تک یہی کیفیت رہتی ہے اس لئے اس پر بھی ماں باپ دونوں کی ڈیوٹی ہونی چاہیے۔ اولاد چونکہ مرد اور عورت دونوں کے فعل سے وجود میں آتی ہے اس لئے مرد اور عورت دونوں کو اولاد کی ذمہ داریاں قبول کرنی چاہییں۔ پھر چونکہ جنسی ملاپ کی صورت میں پیدا ہونے والا بچہ عام جانوروں کا بچہ نہیں انسانی بچہ ہے اسے بڑا ہو کر ایک ذمہ دار شہری بننا ہے امت کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرنا ہے کیونکہ انسان کی شکل میں تو ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ والی بات ہوتی ہے۔ اس لئے اسے پرورش اور تربیت بھی مہیا کی جانی ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کے مرد اور عورت دونوں اپنی ذمہ داریاں پہلے سے سمجھ لیں، مرد کا فرض ہے کہ عورت کا حق مہر ادا کرے وہ عورت کو اپنا گھر دے اور اس کے رزق کی ذمہ داری اٹھائے پھر اس کے وسائل رزق بھی اتنے ہوں کہ آنے والے دنوں کے مسائل برداشت کرسکے اگر ایسا نہیں کرسکتا تو اسلام مرد سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ رک جائے اور ضبط نفس کرے اور کشائش کا انتظار کرے۔

وَيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لاَ يَجِدُوْنَ نِكَاحًا(33 /24)

جس کو نکاح کا سامان میسر نہ آسکے اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو بچائے رکھے، ضبط نفس کرے

یہ کہہ کر قرآن احساس دلاتا ہے کہ نکاح کے بعد کتنی ذمہ داریاں انسان پر آپڑتی ہیں نکاح لذت نفس کے لیے نہیں دو آدمیوں کی آئندہ زندگیوں کی باہم وابستگی و پیوستگی کا معاہدہ ہے اور اس چیز کا احساس دونوں کو ہونا چاہیے مردوں کے لئے حکم ہے۔

مُحصِنِینَ غَیرَ مُسَافِحِینَ وَلاَ مُتَّخِذِیٔ اَخدَان ۔(المائدہ.5)

قید نکاح میں لانے والے ہو کر نہ کہ علانیہ یا چوری چھپے تعلقات پیدا کرنے والے بن کر بالکل انہی الفاظ میں عورت کے لئے بھی حکم دیا

مُحصِنٰتٍ غَیرَ مُسَافِحَاتٍ وَلاَ مُتَّخِذَاتِ اَخدَان

قید نکاح میں آکر نہ کہ علانیہ یا چوری چھپے تعلقات پیدا کرنے والیاں ہو کر زندگی گزارنے کے اس معاہدہ کو قرآن نکاح کہتا ہے۔ نکاح کے لفظ کا مادہ نکح ہے جس کے معنی ایک دوسرے میں جذب ہو جانا ہیں بارش جب زمین میں جذب ہو کر اس کی صلاحیت نمو کی تقویم کا باعث بنتی ہے تو اہل عرب کہتے ہیں ''نکح المطر الارض'' اسی طرح جب ذہن پر نیند غالب آجاتی ہے اور ذہن پرسکون ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے ''نکح العفاس علیه'' چونکہ نکاح کے ذریعے مرد اور عورت ایک دوسرے میں جذب ہو کر ایک دوسرے کے دکھ درد کو سمیٹ کر ایک دوسرے کے یک جان ہو کر پرسکون ہو جاتے ہیں اس لئے اس معاہدہ کو قرآن نکاح کہتا ہے بلکہ اسے انتہائی پختہ معاہدہ کہتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

وَ اَخَذنَ مِنکُم مِّیثَا قاً غَلِیظًا. (4/21)

(اور انہوں نے یعنی عورتوں نے تم سے پختہ معاہدہ لے لیا)

اب اس پختہ معاہدہ کے بعد مرد اور عورت ایک ایسی زندگی کا آغاز کرینگے جو بڑی عظمت مآب اور بلند آہنگ ہوگی۔

معاہدہ کے لوازمات

معاہدہ کب طے پاتا ہے؟ اس کے لئے کچھ لوازمات ہیں۔

1-فریقین کا عاقل بالغ ہونا

2-فریقین کی آزادانہ رضامندی

3-وکالت کی صورت میں فریقین کی اجازت

4-عادل گواہ

ان کے بغیر کسی معاہدہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے کسی تمدن و معاشرتی قانون میں کسی بچے کے کئے ہوئے معاہدہ کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح کسی مجنوں، پاگل یا بھولے بھالے احمق شخص سے کوئی معاہدہ نہیں ہوسکتا جسے اپنے معاہدے کے تمام لوازمات کا پوری طرح شعور نہ ہو معاہدہ فریقین ایک دوسرے کو خوب پرکھ کر کرتے ہیں اسلیئے فریقین کا بالغ کے ساتھ عاقل ہونا بھی ضروری ہے۔

نکاح کی عمر کے لیے بلوغ اور عقلمندی کی شرط کو واضح کرنے کے لیے قرآن نے ایک اور مسئلہ بیان کرتے ہوئے اس کی صراحت کردی ہے۔

یتیموں کا مال ولی کے پاس ہے وہ کب ان کے حوالے کیا جائے اس کے لیے ارشاد ہوا

وَابۡتَلُوۡا الۡيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوۡا النِّكَاحَ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡٓا اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ

اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر تک پہنچ جائیں تو اگر تم ان کی عمر ٹھیک دیکھو تو مال ان کے سپرد کر دو (7/4)

دوسری جگہ ''بلغوا النکاح'' کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:۔

حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ.(17/153)

(حتیٰ کہ وہ جوانی کو پہنچ جائیں) ترجمہ احمد رضا خان صاحب بریلوی۔

حضرت ابن عباس کے نزدیک یہ عمر اٹھارہ سال ہے امام ابوحنیفہ نے بھی کہا اور علامات ظاہر نہ ہوں تو اٹھارہ سال ہی گنے جائیں (تفسیر احمدی حاشیہ کنزالایمان)

نکاح کی عمر اور بلوغ گویا ایک ہی عمر کے دو مختلف نام ہیں اور انہی کو قرآن نے معاہدہ نکاح کے لازمہ اول کے طور پر بیان کیا ہے۔

معاہدہ کا دوسرا لازمہ ہے آزادانہ رضامندی، یعنی معاہدہ اس وقت طے پاتا ہے جب فریقین عاقل بالغ ہوں اور بقائمی ہوش وحواس معاہدہ کے متعلقات (Insandouts) سمجھ کر اپنی خوشی سے معاہدہ کررہے ہوں اس سلسلہ میں بھی قرآن حکیم نے ہدایات دی ہیں مردوں کے متعلق فرمایا ہے۔

فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ(4/3)

ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں

اور عورتوں کے سلسلہ میں ہدایت دی گئی

لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ کَرْھاً.(4/19)

تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو ارشاد فرمایا

"جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو حتیٰ الامکان اسے دیکھ لینا چاہیے کہ آیا اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو اس کو اس عورت سے رغبت دلانے والی ہو" (ابوداؤد)

ظاہر ہے حتیٰ الامکان دیکھ لینے سے مراد یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اسے پرکھ لیا جائے کیونکہ یہ ایک دو دن کی بات نہیں پوری زندگی اکٹھے گزارنے کا مسئلہ ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ارشاد مرد عورت دونوں کے لئے ہے یہ تو نہیں کہ مرد جس عورت کو پسند کرے اسے نکاح کا پیغام دے دے اور عورت پابند ہوگی کہ اس نکاح کو قبول کرلے، نہیں اسے رد وقبول کا پورا حق اور اختیار ہے اور وہ بھی تو یونہی رد نہیں کریگی دیکھ بھال کر فیصلہ کرے گی۔

عرب کے معاشرہ میں بالعموم یہ رواج تھا کہ والدین رشتہ طے کر دیتے تھے جیسی آجکل

ہمارے پاکستان کے معاشرہ کی صورت حال ہے جہاں بیٹی مجبور ہوتی ہے کہ والدین کی مرضی کی پابند رہے اس سے اذن یونہی خانہ پری کے لیے لیا جاتا ہے یہی صورت وہاں بھی تھی اسلام چونکہ معاشرتی و تمدنی نظام کو زیادہ پرسکون، زیادہ خوشگوار اور زیادہ صالح بنانا چاہتا ہے اس لئے وہ معاشرہ کے سارے رشتوں کو آپس میں گھتا ہوا رکھنے کے لئے یہ خواہش رکھتا ہے کہ شادیاں اس طرح کی ہوں کہ لڑکے اور لڑکی کے خاندان والے بھی رضامندی میں شامل ہو جائیں اس لئے جہاں عورتوں کا ذکر آتا ہے وہاں ''تنکحو'' کے الفاظ آتے ہین یعنی تم نکاح کر دیوں نکاح دو آدمیوں کو ہی نہیں دو خاندانوں کو آپس میں منسلک کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے ایک روایت میں ہے حضور علیہ اسلام نے فرمایا۔

''بیوہ اور مطلقہ عورت اپنے نفس کے معاملہ میں فیصلہ کرنے کا پورا اختیار رکھتی ہے اور کنواری خاتون سے اذن لیا جائے۔

مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، موطا، امام مالک

اسکی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:۔

''اولیا کی رائے کا دخل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ عورت اپنی زندگی کے اس اہم معاملہ میں بالکل بے اختیار رہے بخلاف اس کے حضور نے ایجابا عورت کو یہ حق دیا کہ نکاح کے معاملہ میں اس کی رضامندی حاصل کی جائے۔

(حقوق الزوجین بیسواں اڈیشن ص 111-110)

چونکہ معاشرہ ایک خاص ڈھرے پر چل رہا تھا یکدم اسکا اکھڑنا مشکل تھا اس لئے ایسے واقعات ہو جاتے تھے کہ ماں باپ بیٹی کی شادی طے کر دیتے تھے بیٹوں کے سلسلہ میں بھی ایسا ہو جاتا ہو گا۔مگر بہت کم، بہر حال بیٹی کے سلسلہ میں پرانی رسم کے مطابق یہ غلطی ہو جاتی تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تا حد امکان اسے مٹانے کی سعی کی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ:۔

''ایک لڑکی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرے باپ نے میری مرضی کے خلاف میری شادی کر دی آپ نے فرمایا تجھے رد و قبول کا پورا اختیار ہے''

(ابوداؤد، نسائی، مسند احمد، ابن ماجہ)

اور بھی ایسی روایات ہیں اور حضرت عائشہؓ صدیقہ کی روایت فیصلہ کن ہے آپ فرماتی ہیں

''ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا نکاح میرے چچیرے بھائی سے کر دیا ہے اور میری رضامندی نہیں لی، آپؐ نے فرمایا تجھے اختیار ہے چاہے تو قبول کر لے چاہے رد کر دے''

اس پر اس لڑکی نے جو الفاظ کہے وہ اس باب میں حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں اس نے (بروایت حضرت عائشہؓ) کہا

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ نے جو کچھ کیا ہے مجھے قبول ہے میں تو عورتوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ ان کے باپ اس معاملہ میں مختار کل نہیں'' (نسائی)

معاہدہ کے لئے یہ بھی ایک بات ہے کہ اس پر لوگ گواہ ہوں زیادہ نہیں تو کم از کم دو گواہ ہوں۔ اگرچہ نکاح ایجاب وقبول سے مکمل ہو جاتا ہے مگر یہ آئندہ کے جھگڑوں سے محفوظ ہو جانے کی احتیاطی تدبیر ہے۔ اسلام نکاح میں مرد اور عورت کے تعلق کو زندگی بھر کے لئے محفوظ اور غیر متنازع بنانا چاہتا ہے۔ وہ مرد اور عورت میں سے کسی کو مشکوک نہیں سمجھتا لیکن ضروری نہیں کہ معاشرہ میں تمام افراد ہی غیر مشکوک کردار کے مالک ہوں اگر نکاح کا عمل بہت سے افراد کے سامنے تکمیل پائے تو اور بہتر ہے کہ اس طرح اس کی تشہیر ہو جاتی ہے۔ غلط آدمیوں کو وقتی طور پر فائدہ اٹھانے سے روکا جا سکتا ہے چوری چھپے کے نکاحوں میں عین ممکن ہے کہ مرد عورت کو یا عورت مرد کو فریب کا شکار کر دے۔ مرد کا پہلے کہیں اور نکاح ہو یا عورت پہلے کسی اور کے نکاح میں ہو اور وقتی فائدہ کے لئے غیر منکوح ہونے کا ڈھونگ رچائے بہت سے افراد کی موجودگی میں اس فریب کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

ایک اور چیز جس کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے وہ ہے حق مہر، اسلام نے مرد + حق مہر = عورت کا کلیہ قائم کر دیا ہے۔ حق مہر کتنا ہو اس پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ

عَلَى الْمُوْسِعِ قُدْرَهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرَهُ

خوشحال آدمی پر اس کی استطاعت کے مطابق اور کم مال رکھنے پر اس
کی استطاعت کے مطابق

اس طرح نکاح سے ملک میں ایک نیا گھر وجود میں آجاتا ہے جو معاشرہ کے لیے تقویت کا باعث بننے کا عہد کرتا ہے۔ میاں بیوی کے لبوں پر ہر وقت دعائیں مچلتی رہتی ہیں۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا(25/74)

اے ہمارے پروردگار ہمارے جوڑوں سے (میاں سے بیوی اور بیوی سے میاں کو) اور ہماری اولاد سے ہمیں ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک کا سامان عطا فرما اور ہمیں بدی سے پرہیز کرنے والوں کا پیشوا بنا دے) جب لبوں پہ یہ دعا ہوگی تو میاں بیوی اس مقصد کے حصول کے لئے ایک دوسرے کو راحت پہنچانے کی کوشش کریں گے اور اپنے اندر حلم اور برداشت کا مادہ پیدا کریں گے، گھر کو مسرت کا گہوارہ بنا دیں گے اور اس خوبصورت ماحول میں اولاد میں بھی حسن عمل آئیگا۔ ایسے فردوس بداماں گھروں سے جنت در آغوش وطن بنے گا۔

شادی کا ایک اور تصور

ہم نے ابھی کہا ہے کہ شادی سے پہلے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کو پرکھ لینا چاہیے۔ظاہر ہے اس سے یہ مراد ہے کہ میاں بیوی کو موقع ملنا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے کردار کے متعلق پوری معلومات حاصل کریں ایک دوسرے کے مزاج سے واقف ہولیں ،اوراچھی طرح سوچ سمجھ کر نکاح کا معاہدہ کریں۔لیکن اس پرکھ لینے سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ ہم مختلف ممالک میں رائج آزمائشی شادیوں Trial Marriages کی اجازت دے رہے ہیں یہ رسم بد یورپ کے بعض ممالک میں رائج ہے شادی سے پہلے یہ جنسی تعلقات قائم کرلئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ایک تدبیر ہے اس سے نکاح سے قبل ہی آئندہ زندگی کی خوشگواری کا یقین ہو جاتا ہے مختلف علاقوں میں ایسی آزمائشی شادیوں کے لئے مختلف اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں جیسے ''Jing''،''Kilt''،''Sittingup''،''Court on Beo''،''Bundling'' اب اگرچہ ان کا رواج کم ہوگیا ہے لیکن کسی زمانہ میں یہ عام تھا۔

اگر فریقین کے درمیان یہ آزمائشی شادی کامیاب ثابت ہوتی ہے تو باقاعدہ نکاح کرلیا جاتا ہے اور ناکامی کی صورت میں کسی اور کی تلاش شروع کردی جاتی ہے۔علامہ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں۔

''اگر اس طرح (آزمائشی شادی کے دوران) کوئی بچہ پیدا ہوجاتا ہے تو اسے برا نہیں سمجھا جاتا اور سوسائٹی میں اس عورت کو ذلیل نہیں سمجھا جاتا انگلستان کے علاوہ Staffordshire میں تو یہ رواج بہت عام ہے اور وہاں مشہور ہے کہ ایسی عورتیں (آزمائشی بیویاں) نہایت اچھی رفیق' حد درجہ جفاکش بیویاں اور مائیں ثابت ہوتی ہیں'' (شہوانیات ص25)

نہ معلوم آج یہ بات کہاں تک سچ ہوگی بہرحال اس طرح کی شادیاں کافی عرصہ سے مختلف جگہوں پر رواج میں رہی ہیں۔ایلن کی (Elenkey) نے سویڈن کے متعلق لکھا تھا۔اس ملک کی

غالباً آبادی اس آزمائشی طریقہ نکاح کو پسند کرتی ہے''

(Era lebeund p. 123)

ڈنمارک کے متعلق روبین ویسٹر گارڈ (Rubenowester Guard) نے بھی کچھ ایسی ہی معلومات فراہم کرتے ہوئے لکھا تھا'' مرد عورت کے تعلقات قانونی صورت اختیار کرنے نہیں پاتے کہ عورت حاملہ ہو جاتی ہے لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس طرح کی شادی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

عربوں میں نکاح قبل از اسلام

اسلام سے پہلے عربوں میں شادی کے جو طریقے رائج تھے ان کی تفصیل امام بخاری ''ام المومنین'' عائشہ صدیقہ سے منسوب ایک روایت میں لائے ہیں۔

''ام المومنین عائشہ صدیقہ نے فرمایا جاہلیت کے زمانہ میں عرب لوگ چار طرح پر نکاح کیا کرتے تھے ایک تو اسی طرح جیسے لوگ آج کل کیا کرتے ہیں یعنی ایک مرد دوسرے مرد کو اس کی بیٹی، بھانجی، بھتیجی، بہن کے لئے پیغام بھیجتا وہ اس کا مہر ٹھہرا کر نکاح کر دیتا دوسری صورت یہ تھی کہ شوہر اپنی بیوی سے جب حیض سے پاک ہوتی یوں کہتا تو فلاں مرد کو بلا بھیج اور اس سے لپٹ جا (اس سے بدکاری کرا) جب وہ ایسا کرتی تو اس کا اپنا خاوند اس سے الگ رہنے لگ جاتا حتیٰ کہ اس غیر مرد سے اس عورت کا حمل نمایاں ہو جاتا جب اچھی طرح حمل نمایاں ہو جاتا تو شوہر اگر چاہتا اب اس سے صحبت کرتا اس فعل سے خاوند کا مطلب یہ ہوتا کہ بچہ اچھی نسل کا پیدا ہو اور اس کی ناموری کا باعث ہو وہ اپنی بیوی کے لیے انتخاب ہی کسی ایسے مرد کا کرتا۔

تیسری قسم کا نکاح یہ تھا کہ مرد مل کر جنکی تعداد دس سے کم ہوتی ایک عورت رکھ لیتے سب کے سب اس سے صحبت کیا کرتے اس کو حمل ٹھہر جاتا اور بچہ پیدا ہوتا تو کئی راتیں گزر جاتیں وہ ان سب مردوں کو بلا بھیجتی اور ان سب کو آنا پڑتا کیا مجال کہ کوئی نہ آئے یہ عورت ان سے کہتی تمہیں معلوم ہے تم نے جو کیا ہے اب میرا بچہ پیدا ہوا ہے یہ تم میں سے فلاں کا بچہ ہے وہ جس کا نام لے لیتی بچہ اس کے ذمہ لگ جاتا، اس کو انکار کی مجال نہ ہوتی کیونکہ سماجی رسم یونہی ٹھہری ہوئی تھی۔

چوتھی صورت رنڈیوں والی تھی ایک عورت کے دروازے پر جھنڈا لگا دیتے جس کا مطلب ہوتا کہ ہر مرد یہاں آ سکتا ہے چنانچہ مرد اس کے ہاں آنے جانے لگتے یہاں تعداد کی کوئی قید نہ تھی، اگر

اسے حمل ہو جاتا اور بچہ پیدا ہو جاتا تو اس کے پاس آنے جانے والے سب مرد اکٹھے ہو جاتے اور کسی قیافہ شناس کو بلالاتے قیافہ شناس اپنے علم کی رو سے جو فیصلہ کرتا وہ جس کے ذمے لگاتا۔ سب کو قبول کرنا پڑتا'' (صحیح بخاری پارہ 21 باب 66)

نکاح متعہ

یہ انتہائی نازک موضوع ہے اور اکثر حضرات جنہوں نے اسلام اور جنسی مسائل پر قلم اٹھایا اس سے کنی کترا گئے، متعہ کی تعریف یہ ہے کہ مرد عورت کو کچھ اجرت کے طور پر ادا کرے اور وقت مقرر یعنی اتنے دن وغیرہ کے لئے اسے جنسی اختلاط کے لیے راضی کر لے اس میں بھی نکاح کی طرح ایجاب و قبول ہوتا ہے مدت ختم ہونے پر طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی نکاح خود بخود ختم ہو جاتا ہے عورت کو عدت گزارنی پڑتی ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ کہیں حمل تو نہیں ہو گیا عام طور پر متعہ کی عدت کم از کم 45 دن یعنی دوسری عدت سے نصف سمجھی جاتی ہے۔ متعہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں مسلمانوں میں بنیادی طور پر دو مکاتب فکر ہیں:۔

ایک وہ جو متعہ کے قائل ہیں اہل تشیع ہیں:۔

دوسرے وہ جو متعہ کو ناجائز سمجھتے ہیں اس میں اہل سنت کہلانے والے گروہ ہیں جن میں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اہلحدیث اور جدید خیال کے لوگ جو اپنے آپ کو فکر قرانی سے وابستہ سمجھتے ہیں۔

اس دوسرے گروہ کے پھر دو گروہ ہیں، حنفی، مالکی شافعی، حنبلی اور اہلحدیث کہتے ہیں کہ متعہ اسلام میں جائز تھا حتیٰ کہ جنگ خیبر میں حرام ہوا پھر فتح مکہ یا اس کے متصل بعد غزوہ اوطاس میں تین روز کے لئے حلال ہوا پھر دائمی طور پر حرام ہو گیا اب متعہ زنا ہے۔ اور متعہ کرنے والوں کو زنا کی سزاء دی جائے گی فکر قرآنی سے وابستہ لوگ کہتے ہیں متعہ زنا ہی کی صورت ہے اور یہ اسلام میں کبھی جائز نہیں رہا اس طرح کی جو روایات ہیں وہ دوسری بہت سے روایات کی طرح موضوع ہیں۔ ہم پوری تفصیل کے ساتھ ان تینوں مکاتب فکر کے دلائل بیان کریں گے کوشش کریں گے کے کسی بھی دلیل کو نظر انداز نہ کریں۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ ان تینوں مکاتب فکر کی مستند کتابوں میں بیان کردہ دلائل کا استقصا کر لیں ہماری یہ کوشش بھی رہی ہے کہ حتیٰ الامکان اپنی رائے سے پرہیز کریں اور ہر گروہ کے دلائل بیان کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیں۔ پہلے ہم شیعہ اور اہل سنت کے دلائل بیان کرینگے۔

قرآن حکیم اور متعہ

سورۂ نساء کی ابتدا میں عورتوں کے مسائل کی بات شروع ہوئی ہے اس سلسلہ میں پہلے یہ کہا گیا:

(اے ایمان لانے والو تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ (یعنی مالک بن جاؤ) اور نہیں روک کے نہ رکھو اس نیت سے جو کہ مہر ان کو دیا تھا۔ اس میں سے کچھ لے لو مگر اس صورت میں کہ صریح بے حیائی کا کام کریں اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو چاہے وہ تمہیں پسند نہ آئیں بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اسی میں تمہاری لیے بھلائی رکھی ہو بہت بڑی۔ (4/19)

اس میں بتایا گیا کہ نکاح کے لئے عورت کی رضامندی بھی ضروری ہے جب ایسی صورت حال ہو کہ مرد شادی تو کر لے لیکن عورت اسے ناپسند ہو وہ اس سے الگ ہونا چاہتا ہو لیکن اس کے حق مہر کی ادائیگی کے خوف سے طلاق بھی نہ دیتا ہو یوں وہ یہ رویہ اختیار کرے کہ اسے ستاتا رہے اس پر ظلم کرے تاکہ وہ تنگ آ کر خلع کی خواہش مند ہو اور اسے اپنا حق مہر چھوڑنا پڑے یا تنگ آ کر اسے طلاق دینے کو کہے اور حق مہر کے کچھ حصہ سے دستبردار ہونے پر بھی تیار ہو جائے قرآن ایسے مردوں کو کہتا ہے عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو چاہیے وہ تمہیں کسی وجہ سے ناپسند بھی ہوں کیونکہ انسان کی سوچ آفاقی نہیں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو اللہ نے اس میں تمہارے لیے خیر کثیر رکھی ہو اسکے بعد یہ کہا گیا اگر تم ایک عورت کی جگہ دوسری عورت لانا چاہتے ہو تو اس کے ساتھ جس حق مہر کا وعدہ کیا ہے چاہیے وہ ڈھیروں مال (قنطار) ہو تو بھی اسے پورا پورا ادا کرو یاد کرو تم نے نکاح کر کے انہیں اپنے لیے حلال کیا تھا اور اس طرح ان عورتوں نے نکاح کی صورت میں تم سے عہد (میثاق غلیظ) لے لیا تھا پھر قرآن محرمات کی طویل فہرست پوری تفصیل سے پیش کرتا ہے کیونکہ جاہلیت میں رشتوں کا یہ احترام موجود نہ تھا اور اس کے بعد کہتا ہے کہ ان محرمات کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں مگر یہ بھی یونہی حلال نہیں ہو جاتیں کہ تم نے جس عورت پر ہاتھ کھڑا کیا وہ تمہاری ہو گی، نہیں اس کے لئے بھی

کچھ شرائط ہیں اور وہ یہ ہیں کہ

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ. فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً.

(ان کے ماسوا جتنی بھی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعے سے حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے بشرطیکہ حصار نکاح میں ان کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ آزاد شہوات رانی کرنے لگو پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ ان کے بدلے ان کے مہر بطور فرض کے ادا کرو البتہ مہر کی قرارداد ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے تمہارے درمیان اگر کوئی سمجھوتا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں)(ترجمہ تفہیم القرآن جلد اول ص 369.341)

اس آیت کا ترجمہ ہم نے وہی درج کیا ہے جو مولانا مودودی نے لکھا ہے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کے معنی انہوں نے کئے ہیں ''پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ'' انہی الفاظ کا ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے یہ لکھا ''تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو'' (کنز الایمان آیت ھذا) دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے۔ لیکن فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کے یہی الفاظ ہیں جن سے ''متعہ'' کا لفظ نکالا گیا اور اس آیت کے یہ معنی کیے گئے اور جن عورتوں سے تم نے ''متعہ'' کیا شیعہ علماء کہتے ہیں پہلے محرمات کا ذکر کیا گیا پھر کہا گیا۔

''ان کے سوا جتنی بھی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعے حاصل کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے بشرطیکہ حصار نکاح میں لاؤ جو دائمی ہے اور معروف ہے حق مہر کا ذکر بھی آ گیا، نکاح کا بھی پھر اس معاہدہ کا مقصد بھی آ گیا کہ یہ آزادانہ شہوات رانی یا ''پانی گرانا''، نہیں پھر اس کے بعد جس استمتاع اور حق مہر کا ذکر ہے وہ کیا ہے ان کے نزدیک یہی متعہ ہے اہل سنت کے بعض مفسرین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اس آیت سے متعہ کا حکم نکلتا ہے۔

تفسیر خازن میں ہے

ایک گروہ کا خیال ہے کہ آیت سے نکاح متعہ مراد ہے۔ (خازن مطبوعہ ج ا ص 423)

تفسیر خازن کے حاشیہ پر تفسیر معالم التنزیل طبع ہوئی چنانچہ اسی صفحہ پر تفسیر معالم کے الفاظ ہیں اس آیت کے معانی میں اختلاف ہوا ہے حسن اور مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جن عورتوں کے ساتھ تم نکاح دائمی وصحیح کے ذریعے مہر ادا کر کے انتفاع اور لذت حاصل کرو اور دوسرے لوگوں نے

کہااس سے مراد متعہ ہے'
''دوسرے لوگوں'' کے لفظ استعمال ہوئے تو دوسرے لوگ کون ہیں؟ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔
علماء میں سے ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ استمتاع سے مراد ''متعہ'' ہے تفسیر مظہری ص 572) یہ علماء قلیل ہیں یا کثیر؟ تو اہل سنت میں سے ہی علماء نے کہا یہ بہت سے ہیں بلکہ ان کے لئے ''جمہور'' کا لفظ استعمال کیا جو بڑی اکثریت کے معنوں میں آتا ہے نواب صدیق حسن خان جو اہل حدیث حضرات کے مدارالمہام ہیں لکھتے ہیں۔
اس آیت کے معنی میں اہل علم میں اختلاف ہوا ہے حسن مجاہد وغزہ کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جن عورتوں سے تم نفع اٹھاؤ اور لذت حاصل کرو اور جمہور کا خیال ہے کہ اس آیت سے مراد متعہ ہے۔(نیل المرام میں تفسیر آیات الاحکام ص75)
دوسری جگہ اس کتاب کے ص76 پر بھی اسی طرح قائلین متعہ کے لئے جمہور کا لفظ استعمال کیا ہے۔انہی نواب صدیق حسن خان نے اپنی ایک دوسری کتاب میں بتایا ہے کہ فقہ حنفی کی کتاب فتح القدیر میں بھی یہی کہا گیا ہے ''جمہور گویند مراد بایں نکاح متعہ است''
(افادہ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ ص37)
سر سید احمد خان اگرچہ متعہ کے مخالف ہیں لیکن وہ بتاتے ہیں کہ اکثر مفسرین اور علمائے متقدمین اس آیت سے ''متعہ'' مراد لیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں

''یہ آیت بھی منجملہ ان آیتوں کے ہے جس کی تفسیر میں مجھکو تمام مفسرین اور علمائے متقدمین سے اختلاف ہے تمام مفسرین اس آیت کو آیت متعہ کہتے ہیں''

(تفسیر القران ج 2ص216)

سر سید مرحوم نے تمام مفسرین اسلئے لکھدیا کہ جس مجاہد کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے اس سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ اسے نکاح متعہ کی آیت کہتے تھے حافظ محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں

''مجاہد سے روایت ہے کہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ سے مراد نکاح متعہ ہے

(تفسیر جامع البیان 5 ص 9)''

اس طرح یہاں تک شیعہ علما اور اکثر علمائے اہل سنت متفق ہیں کہ متعہ کا جواز قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے ملتا ہے۔

قرآن کی آیت میں اضافی الفاظ

وہ مفسرین بھی ہیں جنہوں نے ''فما استمتعتم'' کے معنی ہی یہی کئے ہیں کہ حصول لذت کے لئے نکاح کرنا چنانچہ پہلے باقاعدہ مفسر اور باقاعدہ مؤرخ حافظ محمد بن جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں جب یہاں سے متعہ کی اجازت اخذ کرنے والے لوگوں کے اقوال لکھے ہیں تو ابتدا یوں کی ہے۔

> ''دوسرے اشخاص نے کہا ہے اس آیت کے معنی ہیں کہ جن عورتوں سے تم اجرت دے کر لذت حاصل کرنے کے لئے متعہ کرو'' (جامع البیان المعروف تفسیر طبری مطبوعہ مصر ج۵ ص۹)

قرآن حکیم کے ایسے نسخے بھی تلاش کر لئے گئے جن میں **فما استمتعتم به منهن** کے بعد **الى اجل مسمى** (یعنی جن سے تم مدت مقرر تک کے لئے نکاح کرو) کے الفاظ بھی لکھے ہوئے تھے چنانچہ

''ابو ثابت کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس نے مجھے ایک مصحف دیا اور کہا کہ یہ حضرت ابی کی قرأت کے مطابق مصحف ہے۔ یحیٰ بن عیسی جو اس روایت کے ناقل ہیں کہتے ہیں میں نے نصیر کے پاس وہ مصحف دیکھا اس میں **فما استمتعتم به مهنن** کے بعد **الى اجل مسمى** کے الفاظ لکھے ہوئے تھے''۔

ابونضرہ کی روایت ہے میں نے ابن عباسؓ سے متعہ النساء کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا تم قرآن میں سورہ نساء کی تلاوت نہیں کرتے کہ اس میں **فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى** لکھا ہوا ہے میں نے کہا نہیں اگر اس طرح لکھا ہوا پڑھتا تو آپ سے کیوں پوچھتا انہوں نے کہا تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اصل آیت یونہی ہے۔

ایک اور روایت میں یہی راوی ابونضرہ کہتا ہے میں نے ابن عباس کے سامنے آیت پڑھی تو انہوں نے اس میں ''وہی الی اجل مسمی والا اضافہ کر دیا میں نے کہا میں تو اس طرح نہیں پڑھتا انہوں نے کیا خدا کی قسم خدا نے یہ آیت اسی طرح نازل کی ہے''(ایضاً)

کہا گیا کہ ابی بن کعب کی قرأت یونہی ہے۔

ممکن ہے بعض لوگوں نے اپنی ذاتی رائے کے مطابق اپنے مصحف میں تفسیری الفاظ کے طور پر کچھ اضافہ کر دیا ہو مگر آج پوری دنیا جس کتاب کو قرآن مانتی ہے جو اہل تشیع اور اہل سنت اور سب فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہے اس میں کہیں یہ الفاظ نہیں۔

کیا یہ آیت منسوخ ہے؟

قرآن حکیم کی بعض آیات کو منسوخ بھی سمجھا جاتا ہے جہاں تک ہمیں معلوم ہے پرانے زمانہ میں معتزلہ اور خاص طور پر ابو مسلم اصفہانی اور جدید دور کے بعض مفسرین کے سوا سبھی لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کے بعض احکام منسوخ ہو چکے ہیں پھر منسوخ کی قسمیں بیان کی گئی ہیں کہ

1۔ کچھ وہ احکام تھے جن کی تلاوت منسوخ ہو گئی یعنی قرآن میں تھے نکال دیئے گئے اب ان احکام کے الفاظ قرآن میں موجود نہیں مگر ان کا حکم باقی ہے۔ اس سلسلہ میں شادی شدہ زانی زانیہ کو سنگسار کر دینے کا حکم لایا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ ''آیہ رجم'' قرآن میں تھی پھر خدا نے منسوخ التلاوت کر دی مگر حکم باقی ہے۔

اس عجیب بات کا مفہوم ہم تو نہیں سمجھ سکے کہ جب حکم باقی رکھنا تھا تو قرآن سے آیت کو خارج کر دینے کی کیا ضرورت تھی۔

2۔ کچھ احکام تھے جن کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی حکم بھی منسوخ ہو گیا یعنی قرآن سے ان آیات کو نکال دیا گیا۔

3۔ کچھ آیات ہیں جن کی تلاوت تو ہوتی ہے مگر حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

ایسی آیات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں یا قرآن سے منسوخ کیا گیا ہے اور دوسری آیت لائی گئی ہے اور یا پھر حدیث سے قرآن کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

آج اہل سنت چونکہ متعہ کا انکار کرتے ہیں ذہن پر روایات کا غلبہ بھی ہے اس لئے آیت زیر بحث سے متعہ کا مفہوم بھی اخذ کرتے ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے اب سوال اٹھا کہ اگر یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو اس کی ناسخ کونسی آیت ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہوا ذرا یہ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

''امام شافعی کہتے ہیں آیت متعہ کی ناسخ یہ آیت ہے **والذین هم لفرو جهم حافظون الا علی ازواجهم او ماعلکت ایمانهم الخ** (اور مسلمان وہ لوگ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں سوااس کے کہ وہ اپنی بیوی یا ملک یمین یعنی لونڈی کے پاس جائیں کہ اس میں ملامت نہیں اور جو اس کے سوا کوئی راستہ تلاش کریں تو ایسے لوگ حد سے گزرنے والے ہیں) اس میں حلال ہونے کا انحصار اس پر ہے کہ عورت یا بیوی ہو یا شرعی لونڈی، اور متعہ کی عورت نہ بیوی ہوتی ہے نہ ملک یمین'' (لباب التاویل المعروف تفسیر خازن ج ا ص ۴۲۳)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن حزم بھی امام شافعی سے یہی بات روایت کرتے ہیں دیکھئے معرفتہ الناسخ والمنسوخ مطبوعہ مصر بر حاشیہ تنویر المقیاس صفحہ ۳۳۱، علامہ ابن حزم بڑے یقین سے بھی کہتے ہیں کہ ''سب متفق ہیں کہ زن ممتوعہ نہ زوجہ ہے نہ ملک یمین'' نواب صدیق حسن خان بھی اسی آیت کو ناسخ قرار دیتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں۔

> ''عائشہؓ اور قاسم بن محمد اسی آیت کو ناسخ اس لئے قرار دیتے ہیں کہ زن ممتوعہ نہ زوجہ ہے، نہ ملک یمین اور نہ وراثت حاصل کر سکتی ہے''

(افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ ص ۳۷۰)

شاہ عبدالعزیز صاحب بھی اسی آیت سے حرمت متعہ کے لئے استدلال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں۔

> ''ظاہر ہے کہ جس عورت کے ساتھ متعہ کیا جائے اس کو نہ شیعہ زوجہ کہتے ہیں نہ ان کے مخالفین اور کوئی حکم جو زوجہ کے بارے میں ہے اس عورت کے بارے میں نہیں نہ نان نفقہ، نہ رہنے کا مکان، نہ طلاق، نہ عدت، نہ میراث'' (فتاویٰ عزیزی کامل شائع کردہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی طبع جدید ۱۴۰۸ھ ص ۵۴۸)

ان دلائل کے جواب میں شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ ان کے ہاں زن ممتوعہ کو زوجہ کہا جاتا ہے رہی میراث تو ضروری نہیں کہ ہر زوجہ میراث پائے مثال کے طور پر وہ زوجہ جو اپنے شوہر کو قتل کرے میراث سے محروم ہو جاتی ہے اور بعض علماء شیعہ کے نزدیک تو جب پہلے سے شرط نہ کر لی گئی ہو اسے میراث ملے گی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ متعہ اگر نکاح تسلیم کیا جائے تو عورت یقیناً زوجہ ہو گئی۔ اس لئے وہ آیت مذکورہ بالا کو ناسخ نہیں مانتے ادھر صاحب تفسیر کشاف علامہ جاراللہ زمخشری بھی ان کے ہمنوا

ہیں لکھتے ہیں۔

''اگر تم دریافت کرنا چاہو کہ اس آیت (وہی مذکورہ آیت) میں حرمت متعہ کی کوئی دلیل ہے میں کہونگا نہیں، کیونکہ نکاح متعہ صحیح قرار دیا جائے تو وہ عورت ازواج میں داخل ہو جاتی ہے''

(تفسیر کشاف ج ۲ ص ۲۸۷ مطبوعہ بولاق مصر)

ناسخ آیت کو منسوخ کے بعد نازل ہونا چاہیے مگر یہاں کیا کیفیت ہے؟ مذکورہ بالا آیت سورہ مومنون اور سورہ معارج میں آئی ہے اور مفسر حضرات کہتے ہیں یہ دونوں سورتیں تمام کی تمام مکی ہیں جبکہ **فما استمتعتم** والی آیت جس سے متعہ کا استدلال کیا گیا ہے بالاتفاق مدنی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں۔

''اگرچہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں مگر یہ آیت (جسے ناسخ کہا گیا ہے) مدنی اور ''اتقان'' میں جو یہ لکھا ہے کہ مدنی نہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ صحابہ اور مشاہیر تابعین ناسخ منسوخ اور مقدم موخر سے زیادہ واقف تھے۔ جب انہوں نے اس آیت کو ناسخ کہا ہے تو یہ قوی دلیل اس امر کی ہے کہ یہ آیت مدنی ہے'' (فتاویٰ عزیزی ص ۵۵۰)

حضرت ابن عباس جن سے متعہ کی حلت کی بہت سی روایات ہیں ایک روایت اس کی حرمت کی بھی ہے عطاء خراسانی روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس کہتے تھے آیت طلاق متعہ والی آیت کی ناسخ ہے (تفسیر خازن بغدادی ج ۱ ص ۴۲۳)

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جس آیت سے متعہ ثابت کیا جاتا ہے وہ قرآن سے نہیں حدیث سے منسوخ ہے خیال رہے کہ امام شافعی اس کے قائل نہیں کہ حدیث قرآن کی آیت کو منسوخ کر سکتی ہے۔ وہ لوگ اس سلسلہ میں مختلف روایات بیان کرتے ہیں۔

حدیث اور متعہ

اب ان احادیث کو دیکھئے جن میں متعہ کی اجازت دی گئی ہے۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائیوں پر جایا کرتے تھے اور ہمارے لئے کوئی سامان نہ ہوتا تھا (جس سے جنسی خواہش پوری کی جاتی) تو ہم نے کہا ہم خصی نہ ہو جائیں (اعضائے شہوانی کو بیکار نہ کرالیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ہمیں اجازت دی کہ ہم عورتوں سے کچھ لباس (کپڑے) وغیرہ کے عوض متعہ کرلیا کریں''
(صحیح بخاری مطبوعہ مصر ج۳ص۱۴۶)

یہی روایت صحیح مسلم میں تین طرق سے موجود ہے یہی جمع الفوائد، مسند امام شافعی میں بھی معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ نقل ہوئی۔ علامہ ابن تیمیہ نے ''منتقی الاخبار'' میں یہی روایت نقل کی ہے اور اسے متفق علیہ قرار دیا ہے۔ اس کی تائیدی روایت حضرت قیس سے بھی مروی ہے جسے ''کنز العمال'' میں نقل کیا گیا ہے۔

جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن الاکوع سے روایت میں بتایا گیا ہے کہ وہ کسی لشکر میں تھے اور حضور کی طرف سے ایک آدمی نے آکر کہا ''متعہ کی اجازت ہے'' (صحیح بخاری ج۳ص۱۵۰، صحیح مسلم ص۴۵۰) صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور خود آئے اور انہوں نے متعہ کی اجازت کی بات کی۔

انہی سلمہ بن الاکوع سے ایک اور روایت میں بتایا گیا کہ آپؐ نے فرمایا متعہ کی مدت تین دن ہونی چاہیے (صحیح بخاری ج۳ص۱۵۰)

صحیح مسلم میں سلمہ بن الاکوع بتاتے ہیں کہ یہ اجازت اوطاس والے سال ہوئی تھی (صحیح مسلم ص۴۵۱)

''سبرہ جہنی کی روایت ہے کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی اجازت دی میں اور ایک

دوسرا شخص ساتھ ساتھ گئے ہم بنو عامر کی ایک عورت کے پاس پہنچے اور اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا اس نے اجرت کے متعلق دریافت کیا میں نے اپنی چادر اور میرے ساتھی نے اپنی چادر کی پیشکش کی اس آدمی کی چادر مجھ سے بہتر تھی مگر میں اس کی نسبت بہتر جوان تھا عورت کبھی مجھے دیکھتی کبھی اسے چادر پر نظر ڈالتی تو اس کی طرف راغب ہوتی چہروں پر نظر ڈالتی تو مجھے پسند کرتی پھر اس نے میرے حق میں فیصلہ دیا اور کہا تمہاری چادر میرے لئے کافی ہے میں تین روز تک اس کے ساتھ رہا"۔ (صحیح مسلم ص ۴۵۱)

اس کے بعد انہی سبرہ جہنی کی یہ روایت بھی دیکھئے اس میں کچھ اور تفصیلات بھی ہیں "سبرہ جہنی کا بیان ہے کہ فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پورے پندرہ دن مکہ میں رہنا پڑا تو آپؐ نے ہمیں متعہ کی اجازت دی میں اور میری ہی قوم کا ایک شخص دونوں ایک ساتھ نکلے میں اپنے ساتھی کی نسبت خوبصورت تھا وہ ذرا بدصورت تھا مگر میری چادر پرانی تھی اور اسکی نئی یہاں تک کہ جب ہم مکہ کے آخری حصہ میں پہنچے تو ایک عورت ہم کو نہایت حسین وجمیل ملی ہم نے اس سے متعہ کی خواہش کی اس نے اجرت کا سوال کیا ہم دونوں نے اپنی اپنی چادر پھیلا دی اس نے ہم دونوں کے چہروں پر نظر ڈالی میرے ساتھی نے کہا دیکھو اس کی چادر پرانی ہے اور میری بالکل نئی ہے عورت نے کہا اس کی چادر مجھے منظور ہے یہ الفاظ اس نے دو یا تین بار کہے اور میں نے اس سے متعہ کیا" (ایضاً)

یہاں سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہ اجازت فتح مکہ کے دوران ہوئی اور یہ عجیب بات بھی سامنے آئی کہ صرف "پندرہ دن" ہوئے تھے اور اجازت ہوئی یہ روایات اور طرق سے بھی صحیح مسلم میں آئی ہے انہی سبرہ سے کنز العمال میں یوں روایت ہے کہ

"ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے لئے مدینہ سے نکلے اور مکہ معظمہ پہنچے کعبہ کا طواف کیا صفا اور مروہ کے درمیانی سعی کر چکے اس کے بعد ہمیں متعہ کی اجازت دی گئی ہم نے پھر آکر عرض کی کہ عورتیں متعہ کے لئے راضی نہیں ہوتیں جب تک میعاد نہ مقرر کر لی جائے آپؐ نے فرمایا میعاد مقرر کر کے متعہ کرو" (کنز العمال ص ۲۹۴)

اس سے اگلی روایت میں راوی نے وضاحت کی کہ انہی مکہ کی عورتوں سے متعہ کی اجازت دی گئی تھی

ہم غیر جانبدار رہتے ہوئے یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ صحابہ کے متعلق تقویٰ اور تقدس کے جو جذبات ہمارے دل میں موجود ہیں ایسی روایات سے انہیں بہت ٹھیس پہنچتی ہے کیا یہ لوگ پندرہ روز تک بھی صبر نہیں کر سکتے تھے؟ (خدا ہمیں معاف کرے)

حرمت متعہ کی روایات

عام خیال یہی ہے کہ متعہ جاہلیت کی ایک رسم تھی جسے اسلام نے بھی عرصہ تک گوارا کیے رکھا حتیٰ کہ اس کی حرمت کے واضح احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیئے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

''ابتدائے اسلام میں حلال وحرام کے احکام رفتہ رفتہ نازل ہوئے تھے چنانچہ شراب اور سود کی حرمت کا حکم نبوت کے اکیسویں سال میں صادر ہوا اور ہجرت سے آٹھویں سال میں ہوا تھا ایسا ہی جب تک متعہ کے بارے میں حکم نازل نہ ہوا تھا اس وقت تک جاہلیت کی عادت کے موافق متعہ کیا کرتے تھے خیبر کی لڑائی میں متعہ حرام ہوا۔ چنانچہ یہ روایت حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور وہ وقت ساتواں سال ہجرت کا تھا پھر اس کے بعد آٹھویں سال کے آخر میں جنگ اوطاس میں تین دن تک متعہ کی شرعاً اجازت دی اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے واسطے مکہ تشریف لے آئے تو کعبہ شریف سے تشریف لے جانے کا ارادہ ہوا تو کعبہ شریف کے دروازہ کے دونوں بازو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر فرمایا کہ ''متعہ قیامت تک کے لئے ہمیشہ کے واسطے حرام کیا گیا۔ یہ کلام مبارک رات کے وقت فرمایا کہ کم لوگ حاضر تھے یہ حکم جیسا کہ چاہیے تھا مشتہر نہ ہونے پایا تھا''

(فتاویٰ عزیزی کامل طبع جدید ۱۴۰۸ھ ص ۵۴۷)

اس عبارت میں شاہ صاحب واضح طور پر لکھ رہے ہیں کہ ''آٹھویں سال کے آخر میں جنگ اوطاس میں تین دن تک شرعاً اجازت رہی''، لیکن وہی شاہ صاحب اپنے اسی فتویٰ میں چند صفحے آگے جا

کر یہ الفاظ لکھتے ہیں۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس کے وقت اشد ضرورت کی حالت میں اجازت فرمائی تھی کہ ''نکاح موقت کیا جائے اور اس وقت بھی'' متعہ کے لئے اجازت نہ فرمائی تھی چنانچہ اس کی تصریح عمران ابن حصین اور ابو موسیٰ اشعری وغیرہ کی روایت میں ہے جو کہ صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح میں مذکور ہے قد رخصی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام اوطاس ان تنکحو المراۃ بالثوب والی اجل ترجمہ: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کے لئے غزوہ اوطاس کے سال بوجہ ضرورت اجازت فرمائی تھی کہ عورت کے ساتھ کپڑے کے عوض کسی وقت تک کے لئے نکاح کر لیا جائے اس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ نکاح موقت کے لئے اجازت فرمائی تھی اور متعہ کے لئے اجازت نہ فرمائی تھی''

(فتاویٰ عزیزی کامل ص۵۵۴)

او پر شاہ صاحب اسے متعہ لکھ چکے ہیں اب اسے ''نکاح موقت'' قرار دے کر بات کو پھیرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ شیعہ حضرات جو متعہ کو نکاح شمار کرتے ہیں ایک دلیل اسی روایت کو بھی بناتے ہیں دوسرے اس میں شاہ صاحب نے لکھا ہے حضور نے یہ اجازت اشد ضرورت کے تحت دی تھی یہ وضاحت نہیں کی کہ خدانخواستہ وہ کونسی ایسی اشد ضرورت پیش آ گئی تھی روایت لکھ کر ترجمہ میں بھی مترجم نے بھی ''اشد ضرورت''، تو نہیں لکھا ''بوجہ ضرورت'' لکھ دیا جو روایت کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ذرا آگے چل کر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضور نے اجتہادی طور پر نکاح موقت کو جائز سمجھ لیا تھا بعد میں وحی نے صراحت کر دی کہ یہ نکاح جائز نہیں وہی ناک کو گردن کے پیچھے سے ہاتھ گھما کر پکڑنے والی بات ہے بہر حال اس روایت سے معلوم ہوا کہ متعہ جنگ خیبر میں حرام کیا گیا۔ یہی بات حضرت علی سے بھی منسوب ہے امام مالک اپنی سند سے روایت لاتے ہیں۔

''حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز متعہ سے منع کیا اور پالتو گدھوں کے گوشت سے'' (موطا امام مالک مطبع مجتبائی پاکستان ص ۵۰۷)

قیس کی روایت میں بھی خیبر میں ممانعت کر دینے کی بات کی گئی ہے (کنز العمال

سبرہ جہنی کی ایک روایت میں ممانعت فتح مکہ سے متعلق کی گئی (صحیح مسلم مطبوعہ دہلی ج۸ص۹۴۲) اور ایک دوسری روایت میں بتایا گیا کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع میں ہوا یہ روایت ہم پوری درج ص۴۵۱) کئے دیتے ہیں کیونکہ باقی روایتوں میں صرف متعہ کی ممانعت (نہی) کا ذکر ہے لیکن اس میں حرمت کی بات آئی ہے اور اسی سے باقی روایات کی ممانعت کو بھی حرمت سمجھا گیا روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ''صبح ہوئی میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے ہیں میں نے سنا آپ نے فرمایا جس نے کسی عورت کو کسی خاص مدت تک کے لئے اپنی زوجیت میں لیا وہ اس کو اس کی مقررہ اجرت ادا کرے اور جو کچھ دے چکا ہے اس میں سے کچھ واپس نہ لے خدا نے اب اس متعہ کو تم پر قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے''

(کنز العمال ج۸ص۲۹۴)

اسحاق بن راشد نے حضرت علی سے منسوب یہ قول روایت کیا ہے کہ علی المرتضیٰؓ نے فرمایا۔

''رسول اکرمؐ نے متعہ سے جنگ تبوک میں منع فرمایا'' (نووی شرح مسلم ج۱ص۴۵۰)

حسن بصری سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے کہا ''متعہ کبھی حلال نہیں ہوا سوائے عمرہ القضاء کے''، سلمہ بن اکوع کی روایت میں بتایا گیا ہے کہ ''متعہ کی ممانعت جنگ اوطاس والے سال تین دن کی اجازت دینے کے بعد ہوئی'' (صحیح مسلم ص۴۵۱)

علامہ نووی نے قاضی عیاض سے یہی مختلف روایات نقل کر کے یہ فیصلہ دیا ہے۔

''قول مختار اور صحیح بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ متعہ کی ممانعت اور اس کی اباحت دو مرتبہ ہوئی۔ یہ خیبر سے پہلے حلال تھا خیبر کے روز اس کی ممانعت ہوئی پھر وہ فتح مکہ کے دن جسے یوم اوطاس بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ دونوں متصل ہیں مباح کیا گیا پھر تین دن کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا اور اس کے بعد سے حرمت باقی رہی (نووی شرح صحیح مسلم ج۱ص۴۵۰،۴۵۱)

علامہ نووی نے قاضی عیاض کی جو طویل عبارت نقل کی ہے اس میں قاضی صاحب تمام روایات بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اصل میں متعہ کی ممانعت جنگ خیبر کے روز ہوئی تھی باقی مواقع پر صرف اسی ممانعت کی تجدید و تاکید ہوتی رہی مگر امام نووی نے کہا کہ خیبر کے بعد اس کے جواز کی روایات بھی آئی ہیں اس لئے تمام روایات کو تطبیق اسی طرح دی جا سکتی ہے کہ تسلیم کر لیا جائے متعہ دو مرتبہ مباح ہوا اور دو مرتبہ اس کی ممانعت آئی ایسی ہی رائے پہلے امام شافعی نے بھی قائم کی تھی قاضی ثناء

اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔

''امام شافعی کا قول تھا کہ مجھے اسلام میں کسی چیز کا علم نہیں جو ایک مرتبہ حلال تھی پھر حرام ہوئی پھر حلال ہوئی پھر حرام ہوئی سوائے متعہ کے کہ یہ اسی طرح ہوتا رہا بعض علماء نے کہا وہ تین دفعہ منسوخ ہوا بعض نے کہا اس سے زیادہ دفعہ ایسا ہوا ہے''

(تفسیر مظہری ص۵۷۲)

بخاری کے مشہور شارح علامہ ابن حجر عسقلانی نے تمام روایات پر طویل بحث کی ہے مگر آخر یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ متعہ دو دفعہ مباح ہوا اور دو دفعہ ممنوع (فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر ج۹ ص۱۳۳)

علامہ ابن قیم جوزی تمام روایات نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ

''صحیح یہ ہے کہ متعہ فتح مکہ والے سال حرام ہوا ہے اس لئے کہ صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ صحابہ نے فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت کی اجازت سے متعہ کیا اور اگر ممانعت خیبر میں ہو چکی تھی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ متعہ دو مرتبہ منسوخ ہوا اور یہ ایسی بات ہے جس کی نظیر شرع میں ملنا ناممکن ہے اور ایسا شریعت میں ہوتا بھی نہیں نیز خیبر میں مسلمان عورتیں نہیں تھیں اور اہل کتاب سے نکاح اس وقت جائز نہیں ہوا تھا''

(زاد المعاد مطبوعہ مصر ج۱ ص۴۴۲)

متعہ اور جناب عمر فاروقؓ

ہمیں روایات نے اس نتیجہ پر پہنچایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر فتح مکہ میں متعہ ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دے دیا۔ روایات یہیں تک آئیں تو بھی قابل اعتراض تھیں مگر انہوں نے تو بات کو آگے بڑھا دیا اور بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے باوجود متعہ ہوتا رہا تا آنکہ جناب فاروقؓ نے اسے ختم کیا اور یہ سب کچھ شیعہ حضرات کے ہاں نہیں خود اہل سنت کی کتابوں میں ہے۔ سب سے پہلے صحیح مسلم کی روایات ملاحظہ فرمائیے۔

> عطا کی روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ آئے تو ہم ان کی ملاقات کو گئے مختلف لوگوں نے ان سے مختلف مسائل دریافت کئے پھر متعہ کا ذکر چل نکلا انہوں نے کہا ''ہم لوگوں نے (صحابہ کرام) عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں برابر متعہ کیا ہے'' (صحیح مسلم ج ا ص ۴۵۱)
>
> ایک اور روایت میں ہے کہ انہی حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا۔
>
> ''ہم لوگ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد ابو بکر میں مٹھی بھر جو یا آٹے کے بدلے متعہ کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ حضرت عمر فاروقؓ نے عمرو بن حریث والے واقعہ میں اس سے ممانعت کر دی'' (صحیح مسلم ج ا ص ۴۵۴، جمع الفوائد ج ا ص ۳۲۳)

حضرت جابر بن عبداللہ سے اس طرح کی اور روایات کنزل العمال ج ۸ ص ۲۹۳۔۲۹۴ پر مذکور ہوئی ہیں۔ ایک دوسرے مقتدر صحابی حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ''ہم میں سے جب کوئی چاہتا پیالہ بھر ستو کے عوض متعہ کر لیا کرتا'' (کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۵، فتح الباری ج ۹ ص ۱۸۸)

کنز العمال کی اگلی روایت میں حضرت ابوسعید خدری نے پیالہ بھر ستو کی جگہ کپڑے کے عوض متعہ کرنا بیان کیا ہے۔اب ایک نظر ان روایات کو دیکھئے جن میں بتایا گیا ہے کہ متعہ کے نتائج بھی برآمد ہوئے اور حضرت عمر فاروق ناراض بھی ہونے لگے۔

''سلمہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا یہ خبر حضرت عمر کو پہنچی تو انہوں نے اس کی تہدید کی'' (بحوالہ تفسیر مظہری ص ۲۷۵، فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۸)

''سلمہ نے حکیم بن امیہ کی کنیز سے متعہ کیا تھا اور اس سے لڑکا پیدا ہو گیا'' (اصابہ فی معرفتہ صحابہ ج ۲ ص ۶۳)

''محدث عبد الرزاق نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ معاویہ نے طائف میں ایک عورت سے متعہ کیا'' (تفسیر مظہری ص ۲۷۵) اب ایک تفصیلی روایت دیکھئے۔

''ام عبداللہ بن ابی خیثمہ کی ایک روایت ہے کہ ایک بزرگ (صحابی) شام سے تشریف لائے اور ان کے مکان پر قیام کیا اور ان سے کہا ''عورت کے بغیر مجھے بڑی تکلیف ہے میرے لئے عورت تلاش کر لاؤ جس سے میں متعہ کروں'' وہ کہتی ہیں اس نے ایک عورت کا پتہ دیا اور انہوں نے اس سے متعہ کیا اور کچھ عادل لوگوں کو گواہ ٹھہرایا ایک طویل عرصہ تک اس کے ساتھ رہے پھر شام چلے گئے کسی نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی انہوں نے مجھے بلایا اور واقعہ کی تصدیق چاہی میں نے تصدیق کر دی انہوں نے فرمایا اب یہ صاحب آئیں تو مجھے اطلاع دینا پھر جب وہ آئے تو میں نے حضرت عمر کو اطلاع دی انہوں نے انہیں بلوا بھیجا اور پوچھا ''تم نے کیا کیا تھا'' انہوں نے کہا ''میں نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تھا انہوں نے منع نہ فرمایا پھر یہاں تک کہ انتقال فرمایا پھر حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ایسا ہوا اور انہوں نے منع نہ کیا پھر آپ کے زمانہ میں ایسا ہوتا رہا اور آپ نے منع نہ کیا حضرت عمرؓ نے کہا قسم اس خدا کی جس کے قبضہ میری جان ہے اگر میں پہلے سے ممانعت کر چکا ہوتا تو تمہیں سنگسار کر دیتا اچھا اب جدائی کر لو تا کہ نکاح اور زنا میں فرق رہے'' (کنز العمال ص ۲۹۴)

روایات تو بات کو یہاں تک لے گئی ہیں کہ متعہ معزز گھرانوں کی خواتین تک سے ہوتا رہا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔

''نسائی اور صحاوی نے روایت کیا کہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں متعہ کیا'' (تفسیر مظہری ص ۵۷۶)

ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابن عباس تو اس آیت میں جس سے متعہ کی بات چلی ہے اضافی الفاظ پڑھتے تھے اور کہتے تھے آیت یونہی نازل ہوئی یعنی متعہ کے بہت زیادہ قائل تھے ان سے حضرت عروہؓ بن زبیرؓ نے کہا ''تمہیں خدا کا خوف نہیں متعہ کی اجازت دیتے ہو تو ابن عباس نے کہا اے عروہ اپنی ماں سے پوچھ اور جب انہوں نے اپنی والدہ حضرت اسماء سے پوچھا تو آپ نے وہی جملہ ارشاد فرمایا جو اوپر لکھا جا چکا ہے'' (زادالمعاد ابن قیم ج ا ص ۲۱۹)

بعض روایات کے الفاظ ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ سے ممانعت کا فیصلہ پہلے نہیں ہوا حضرت عمر نے اپنی طرف سے یہ فیصلہ کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

''حضرت عمرؓ فاروق نے فرمایا'' دو قسم کے متعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجود تھے۔ میں ان دونوں سے ممانعت کرتا ہوں ایک عورتوں سے متعہ کرنا اور دوسرے متعۃ الحج'' (کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۳) ''ابو قلابہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے کہا دو قسم کے متعے حضور کے زمانہ میں تھے اور میں ان سے ممانعت کرتا ہوں اور ان کے کرنے والوں کو سزا دلواؤں گا'' (ابن جریر، ابن عساکر، کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۴، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹۵) اسی طرح کی روایت زادالمعاد ج ا ص ۲۴۳ پر بھی ہے اور علامہ توشجی نے شرح تجرید میں بھی ایسی ہی روایت بیان کی ہے۔

ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ متعہ سے حضورؐ نے منع نہیں کیا تھا یہ حضرت عمر کا تعزیری حکم تھا جو آپ نے وقتی طور پر بعض مفاسد دیکھ کر نافذ فرمایا تھا اور وہ مفاسد یہ تھے کہ

''سلمہ بن امیہ نے حکیم بن امیہ اسلمی کی کنیز سے متعہ کیا اور اس کے لڑکے پیدا ہو گیا مگر سلم نے لڑکے سے انکار کیا یہ خبر حضرت عمر کو پہنچی تو انہوں نے ممانعت فرمائی''

(اصابہ فی معرفۃ صحابہ ج ۲ ص ۶۳)

''عمرو بن زبیر کی روایت ہے کہ خولہ بنت حکیم حضرت عمر کے پاس آئیں اور بیان کیا کہ ربیعہ نے ایک کمسن لڑکی سے متعہ کیا اور وہ حاملہ ہو گئی یہ سن کر حضرت عمر پریشان ہو گئے اور گھبراہٹ میں اپنی چادر گھسیٹتے باہر آئے اور کہا یہ ہوتا ہے متعہ؟ اگر میں پہلے سے ممانعت کر چکا ہوتا تو سنگسار کرنے کا حکم دے دیتا'' (موطا امام مالک مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۳۰)

عہد رسالت کے بعد متعہ کیوں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ممانعت فرما چکے تھے بلکہ ایک روایت کے مطابق حرام کر چکے تھے تو پھر متعہ عملاً کیوں چلتا رہا حتیٰ کہ حضرت عمر کے زمانہ میں بھی ہو رہا تھا اور آپ نے اس کی ممانعت کی اس کے جواب میں شیعہ حضرات کے نمائندہ عالم جناب سید علی نقی النقوی رقمطراز ہیں۔

''حضرت (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو وقتی ومصالح کے لحاظ سے ہر چیز کا اسی وقت حکم دینا ممکن تھا جب اس کی ضرورت ہو اور اسی وقت تک جب تک اس کی ضرورت باقی رہے، اس بناء پر متعہ کے حکم میں بھی اس خصوصیت کو مدنظر رکھنا ضروری تھا لہذا جب کوئی سفر ہوا اور ضرورت پیش آئی تو حضرتؐ کی جانب سے صحابہ کرام کو اجازت متعہ کی دی گئی اور جب روانگی کا موقع آیا اور وہ ضرورت محدود ہونے کے باعث ختم ہو گئی تو حضرت کی جانب سے متعہ کو ترک کرنے کی ہدایت ہوئی'' (متعہ اور اسلام ص ۱۵۱)

اگر بات اتنی کچھ تھی تو پھر یہ روایات کیوں وارد ہوئی ہیں؟ اس کے جواب میں علامہ نقوی صاحب لکھتے ہیں۔

''بعض راویوں کو دھوکا ہوا اور بیان کرنے میں کچھ کا کچھ ہو گیا اباحت کو ایک مستقل حکم بنا دیا اور ممانعت کو اس حکم کی منسوخیت اور حرمت شرعی کا اعلان قرار دے دیا اور بعض غیر محتاط راویوں نے اس میں ''حرمه علیكم الی یوم القیامة کا فقرہ بڑھا کر (اپنی طرف سے) جو کچھ کسر باقی تھی اسے تحریم ابدی کی شکل میں پورا کر دیا اور ان تمام مشکلات کا باعث ہو گئے جو ایک خلاف واقعہ غلط فہمی سے پیدا ہو سکتے ہیں'' (ایضاً ص ۱۵۲)

گویا ان کی تحقیق کے مطابق متعہ کبھی حرام نہیں ہوا تھا راویوں نے غلطی سے حرام کا لفظ استعمال کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ضرورت دیکھی متعہ کی اجازت دے دی جب دیکھا کہ ضرورت ختم ہوگئی متعہ سے منع کر دیا اسی لئے آپؐ کے بعد بھی صحابہ متعہ کرتے رہے حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ اس کے برے نتائج ظاہر ہونے لگے ہیں تو وقتی طور پر اس پر پابندی عائد کر دی اب اسی سوال کا جواب (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے بعد بعض صحابہ سے متعہ کے جاری رہنے کی روایات کیوں آتی ہیں) اہل سنت سے سنئے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

''خیبر کی لڑائی میں متعہ حرام ہوا چنانچہ یہ روایت امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور وہ وقت ساتواں سال ہجرت کا تھا پھر اس کے بعد آٹھویں سال کے آخر میں جنگ اوطاس کا واقعہ ہوا اور اس میں تین دن تک متعہ کی شرعاً اجازت رہی اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکہ تشریف لے آئے تو کعبہ شریف سے تشریف لے جانے کا ارادہ ہوا تو کعبہ شریف کے دروازہ کے دونوں بازو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر فرمایا کہ متعہ قیامت تک کے لئے ہمیشہ کے واسطے حرام کیا گیا'' (یہ تفصیل ہم پہلے لکھ چکے ہیں اب سوال کا جواب شروع ہوتا ہے شاہ صاحب سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں'' یہ کلام مبارک (حرمت کا حکم) رات کے وقت فرمایا کم لوگ حاضر تھے یہ حکم جیسا چاہیے تھا مشتہر نہ ہونے پایا تھا کہ بعض لوگوں نے ناواقفیت میں حضرت عمر کی خلافت میں اس فعل کا ارتکاب کیا جب حضرت عمر امیر المومنین کو یہ خبر پہنچی تو آپ منبر پر چڑھے اور خطبہ فرمایا کہ متعہ گاہ گاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا تھا لیکن آخر میں اس کی حرمت ثابت ہوئی ہے چونکہ میں نے اس سے قبل یہ حکم نہ دیا تھا۔ لہذا اس مرتبہ در گذر کرتا ہوں لیکن اب اگر کوئی ایسی حرکت کرے گا تو اس پر زنا کی حد جاری کرونگا جس سے پھر یہ کام موقوف ہوگیا'' (فتاویٰ عزیزی کامل ص ۵۴۷)

شاہ صاحب کا جواب آپ نے پڑھ لیا اس سے مزید کچھ اشکالات پیدا ہوتے ہیں۔

ا۔ یہ حکم جنگ اوطاس ۸ ھ کے معاً بعد صادر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بقول علامہ شبلی ربیع الاول ۱۱ ھ میں ہوئی اس کے بعد حضرت صدیق کا عہد خلافت تقریباً دو سال رہا پھر حضرت عمر

فاروق کا دور آیا حلال وحرام کی بات ہے اور خود صحابہ کرام میں سے بعض مقتدر لوگ اس سے اتنے سال لاعلم رہیں یہ بات نا قابل فہیم ہے انہی صحابہ کے توسط سے حضورؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہو گیا۔

۲۔ حضرت عمرؓ کی تقریر میں یہ باتیں ''متعہ گاہ گاہ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا تھا لیکن آخر میں اس کی حرمت ثابت ہوئی ہے'' شاہ صاحب کے اپنے شامل کردہ الفاظ ہیں کسی روایت میں یوں نہیں۔

۳۔ اگر حرمت ثابت ہو چکی تھی تو قانون بھی وجود میں آ گیا ہو گا پھر یہ کہنا کہ ''میں نے اس سے قبل یہ حکم نہ دیا تھا لہذا اس مرتبہ درگذر کرتا ہوں'' یہ الفاظ بھی عجیب معلوم ہوتے ہیں جب ایک چیز ۶،۵ سال پہلے حرام کر دی گئی اور ایسی حرام کہ آج حضرت عمر اس پر زنا کی سزا دے رہے ہیں اس پر اتنا عرصہ خاموشی کیوں؟ اور پھر یہ درگذر کیسا؟ عام اصول ہے۔

Ignorance of law is no excuse قانون سے لاعلمی کوئی بہانہ نہیں۔

۴۔ پھر یہ کہ حضور جب حکم دے چکے حضرت عمر کا حکم کیسا؟ علامہ ابن قیم جوزی نے بھی سوال کا تفصیلی جواب دیا ہے ان کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔

''اگر کوئی دریافت کرے کہ کیا صراحت کرو گے اس روایت کے متعلق جو مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بنؓ عبداللہ سے نقل کی ہے کہ ہم ایک مٹھی خرمے اور آٹے کے عوض میں برابر متعہ کرتے رہے حضورؐ کے زمانہ میں پھر حضرت صدیقؓ کے زمانہ میں یہاں تک کہ عمر نے اس سے ممانعت کی عمرو بن حریث کے سلسلہ میں اور اس روایت کے بارے کیا کرو گے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا'' عہد رسولؐ میں دو متعے تھے متعۃ النساء اور متعۃ الحج اور میں ان سے ممانعت کرتا ہوں'' تو جواب میں کہا جائے گا کہ لوگ اس کے متعلق دو گروہوں میں منقسم ہیں ایک گروہ کا خیال ہے حضرت عمر ہی ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام کیا اور اس سے منع کیا اور جناب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ''میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو'' (پس حضرت عمرؓ کا حکم واجب العمل ہوا) اس گروہ کے نزدیک سبرہ بن معبد کی روایت جو بتائی ہے کہ ''فتح مکہ میں متعہ حرام ہوا'' صحیح السند نہیں اس لئے کہ وہ عبد الملک بن ربیع بن سمرہ کے واسطے سے ہے اور اس کے متعلق ابن معین نے کلام کیا ہے اور امام بخاری نے ان کی روایت کو اپنی صحیح میں درج نہیں کیا حالانکہ بہت سخت ضروری تھا کیونکہ یہ سیاسی حکم تھا اور اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو وہ ضرور اسے اپنی کتاب میں نقل کرتے نیز اگر سبرہ کی روایت صحیح ہوئی تو حضرت

عبداللہ بن مسعود سے مخفی نہ ہوتی اور وہ یہ روایت نہ کرتے کہ صحابہ نے متعہ کیا اور نہ وہ آیہ مبارکہ لا تحرموا الطیبات ما احل اللہ لکم سے استدلال کرتے نیز اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو حضرت عمر نہ کہتے کہ متعہ حضورؐ کے زمانہ میں ہوتا تھا اور میں ممانعت کرتا ہوں نیز اگر وہ صحیح ہوتی تو حضرت صدیقؓ کے دور میں جو حقیقی معنوں میں خلافت رسول کا دور تھا متعہ نہ کیا جاتا اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جس کی نظر میں سبرہ کی حدیث صحیح ہے اور اگر وہ صحیح نہیں تو حضرت علی کی حدیث تو صحیح ہے کہ حضور نے متعہ حرام قرار دیا لہذا جابرؓ کی روایت کو اس بات پر محمول کرنا ضروری ہے کہ وہ صحابہ جن کے متعلق روایت کی گئی کہ وہ متعہ پر قائم رہے ان کو اس حرام ہونے کی اطلاع نہیں ہوئی تھی اور حضور کی ممانعت کو حضرت عمرؓ کے دور تک شہرت نہ ہوئی تھی لیکن جب حضرت عمر کے زمانہ میں اختلاف سامنے آیا تو حرمت کا انکشاف ہوا اور اس کو شہرت ملی" (زادالمعاد مطبوعہ مصر ج اص ۳۴۳)

اسی طرح کی بات علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار مطبوعہ مصر ج ۲ص ۴۷، ۴۸ پر لکھی ہے۔

حضرت عمر نے یہ فرمایا کہ "اب اگر کوئی متعہ کرنے والا میرے پاس لایا گیا تو میں اسے سنگسار کرونگا" اس پر معروف مفسر قرآن امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں۔

> "اگر کوئی شخص کہے کہ روایت میں بھی آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے پاس اب جو متعہ کرنے والا لایا جائے گا تو میں اسے سنگسار کردونگا حالانکہ یقیناً سنگسار کرنا جائز نہیں، باوجود اس کے صحابہ نے اعتراض نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ باطل کے اوپر اعتراض کرنے سے خاموش رہتے تھے اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ بظاہر جناب عمرؓ نے یہ بات بطور تہدید اور سیاست وانتظام کہی تھی اور انتظامی وسیاست کے طور پر ایسے امور حاکم کے لئے جائز ہیں" (تفسیر کبیر ج ۳ص ۱۹۶ مطبوعہ مصر)

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں۔

> "کہا جائے گا کہ حضرت عمرؓ نے متعہ کرنے والے کو سنگسار کر دینے کی جو بات کی اس پر صحابہ نے کیوں اعتراض نہیں کیا باوجودیکہ متعہ کے لئے سنگسار کرنا جائز نہیں تو عین ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے بطور سیاست وانتظام کہا ہو اور حاکم کے لئے بوقت ضرورت یہ بات جائز ہے" (تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان ص ۴۲۱)

ان حضرات کا خیال ہے کہ حاکم بوقت ضرورت کسی مباح سے روک سکتا ہے۔

بعض صحابہ اور متعہ

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔

''ابن جزم نے کہا ہے کہ حضورؐ کے بعد بھی جواز متعہ پر بعض صحابہ مثلاً عبد اللہؓ بن مسعود، معاویہؓ اور ابو سعیدؓ خدری اور ابن عباسؓ اور سلمہؓ اور معبد اور جابر اور عمرو بن حریث قائم رہے۔

امام شوکانی نے اس فہرست میں ان ناموں کا اضافہ کیا ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر، عمران بن حصین، ابی بن کعب (نیل الاوطار ج ۶ ص ۴۴) جناب علی المرتضی سے متعہ کے متعلق متضاد روایات بیان ہوئی ہیں۔ مشہور روایت بھی انہی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعۃ النساء اور پالتو گدھوں کے گوشت سے جنگ خیبر میں منع فرمایا۔ یہ روایت بخاری میں دو طریقوں سے ہے مسلم میں پانچ روایتیں ہیں ابن ماجہ میں ایک موطا امام مالک میں ایک مسند شافعی میں تین منتقی الاخبار ابن تیمیہ میں ایک، معالم التنزیل میں ایک اور اسی طرح ایک روایت جمع الفوائد میں ہے۔

ادھر یہ روایات بھی ہیں کہ حضرت علیؓ اس پابندی سے متفق نہ تھے جو حضرت عمر فاروقؓ نے متعہ پر عائد کی تھی۔ ابن جریر طبری نے لکھا ہے۔

''حضرت علیؓ نے فرمایا اگر حضرت عمرؓ نے متعہ سے ممانعت نہ کی ہوتی تو جب تک کسی کی کوئی خاص بدبختی اسے نہ اکساتی وہ زنا نہ کرتا'' (جامع البیان ج ۵ ص ۹)

کنز العمال میں ہے۔

''حضرت علی نے فرمایا اگر حضرت عمرؓ نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے اپنی رائے کے مطابق متعہ سے ممانعت نہ کر دی ہوتی تو میں متعہ کا حکم دیتا اور اس وقت تک کوئی مرتکب زنا نہ ہوتا جب تک اس پر بدبختی غالب نہ ہوتی'' (کنز العمال ج ۸ ص ۱۹۴) طبری کی روایت امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹۵ پر اور علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر غرائب القران ج ۱ ص ۴۲۱ پر نقل کی ہے

اوراس طرح یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ جناب عمر فاروق ؓ کے اس اقدام سے متفق نہ تھے۔

ادھر وہ روایات ہیں جن کا ہم ذکر کر چکے دار قطنی کی ایک روایت میں تو حضرت علیؓ سے متعہ کی ممانعت کی علت بھی بیان کی گئی ہے۔

روایت یوں ہے۔

''حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے ممانعت فرمائی اور کہا متعہ ان لوگوں کے لئے تھا جن کے پاس سامان نہ ہو لیکن جب خدا نے نکاح ، طلاق ، عدت اور میراث کے احکام نازل کر دیئے تو متعہ منسوخ ہو گیا'' (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۳۹۸)

ایک اور روایت میں تو متعہ کی حرمت کی بات ہے۔

''حضرت علی سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متعہ کی ممانعت کر تے ہوئے سنا آپؐ نے فرمایا یہ قیامت تک کے لئے حرام ہے'' (کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۴)

اسی روایت کو دار قطنی نے افراد میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں احمد بن محمد بن عمروہ راوی ہے جو منفرد ہے ابن عساکر نے بھی یہ روایت نقل کی ہے لیکن اسی احمد بن محمد کے متعلق لکھا ہے ابن ماعد کا قول ہے کہ ''وہ کذاب تھا''

بعض روایات کی شیعہ اور اہل سنت نے اپنے خیال کے مطابق تاویل کی مثلاً صحیح مسلم کی روایت ہے۔

''حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ متعہ کے معاملہ میں کچھ کمزوری دکھاتے ہیں تو آپ (حضرت علی) نے فرمایا خبردار اے ابن عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خیبر میں متعہ سے ممانعت کی تھی'' (صحیح مسلم)

اہل سنت کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس متعہ کی حرمت میں کمزوری دکھاتے تھے تو حضرت علیؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ہی اس سے ممانعت کر دی تھی۔ شیعہ حضرات کہتے ہیں اس کا مطلب ہے حضرت ابن عباس متعہ کو مباح (جائز) کہنے میں کمزوری

دکھاتے تھے تو حضرت علی نے فرمایا متعہ کی ممانعت خیبر میں ہوئی تھی یعنی اس کے بعد جائز ہو گیا۔ اسی لئے تو حضرت ابن عباس متعہ کی اباحت پر راسخ ہو گئے کیونکہ وہ حضرت علیؓ کی بات بہت مانتے تھے اور ان کے شاگرد کی طرح تھے۔ چنانچہ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پوری طرح متعہ کے حامی بن گئے۔

جہاں تک حضرت ابن عباس کا تعلق ہے ان کی طرف سے متعہ کی حمایت متعدد روایات میں منقول ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تحریر کرتے ہیں۔

''محدث عبد الرزاق نے اپنی کتاب میں ابن جریج سے اور انہوں نے عطاء سے روایت کی ہے کہ ابن عباس متعہ کو حلال سمجھتے تھے اور کہتے تھے متعہ کا جائز ہونا خدا کی طرف سے ایک رحمت تھا اور اگر حضرت عمرؓ نے ممانعت نہ کی ہوتی تو کبھی کسی کو زنا کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی'' (تفسیر مظہری ص ۶۷۲)

آگے لکھتے ہیں۔

''ابن عبد البر نے روایت کی ہے ابن عباسؓ سے پوچھا گیا متعہ نکاح ہے یا سفاح انہوں نے کہا سفاح ہے نہ نکاح بلکہ اس کا نام وہی ہے جو خدا نے رکھا ہے یعنی متعہ راوی نے پوچھا اس میں عدت ہے؟ انہوں نے کہا ''ہاں'' پھر پوچھا ''میراث؟'' انہوں نے کہا ''نہیں'' (ایضاً) وہ اپنی اس رائے پر قائم بھی رہے۔

''نافع کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر سے متعہ کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا حرام ہے انہوں نے کہا ابن عباس تو اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں انہوں نے کہا ابن عباس نے حضرت عمرؓ کے دور میں یہ آواز بلند نہ کی اگر کوئی اس الزام میں گرفتار ہوتا تو وہ سنگسار کرنے کا حکم دیتے تھے'' (کنز العمال ص ۲۹۴)

علامہ ابن قیم نے کہا ہے کہ ابن عباس تو خاص و عام کے مجمع میں متعہ کے جواز پر مناظرانہ دلائل بیان کرتے (زاد المعاد ج ۱ ص ۲۱۴) حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت ابن عباس سے کہا ''آپ متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور ابوبکر و عمر دونوں نے اس سے ممانعت کی ہے'' انہوں نے کہا ''عجیب بات ہے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرتا ہوں اور یہ شخص ابوبکر و عمر کے اقوال پیش کرتا ہے'' عروہ نے کہا ''وہ دونوں تم سے زیادہ جانتے تھے'' اس پر ابن عباس نے سکوت کیا (کنز

العمال ج ۸ص ۲۹۳) زادالمعاد میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا تھا ’’تم لوگ باز نہ آؤ گے جب تک خداتم پر عذاب نازل نہ کرے میں تو احادیث رسول بیان کرتا ہوں اور تم ابو بکر وعمر کے اقوال‘‘ (ص ۲۱۹) ایک اور جگہ ہے انہوں نے کہا تھا ’’قریب ہے تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو‘‘ (ص ۲۱۵) یہ بھی کہا گیا ہے کہ آخر میں حضرت ابن عباس نے رجوع کرلیا تھا علامہ زمخشری لکھتے ہیں ’’کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے انتقال کے دن رائے تبدیل کرلی اور کہا خدایا میں اب توبہ کرتا ہوں جو از متعہ کے متعلق اپنے قول سے‘‘ (تفسیر کشاف ج ۱ص ۲۸۴)

اب یہ معلوم نہیں کہ علامہ زمخشری کو یہ بات کس نے بتائی تھی انہوں نے اس راوی کا ذکر نہیں کیا جو قریب الموت ابن عباس سے یہ الفاظ سن رہا تھا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوع ابن عباس کے جواز متعہ پر لکھتے ہیں۔

’’حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی پیدائش ہجرت سے دو برس یا ایک برس پہلے ہوئی اور آٹھ یا نو برس کی عمر تک مکہ معظّمہ میں رہے ہجرت کے بعد جو لوگ مکہ معظّمہ میں رہ گئے تھے انہیں احکام شرعیہ میں کچھ بھی واقفیت نہ تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ (کذا) فتح کرنے کے لئے ہجرت سے آٹھویں سال مدینہ منورہ سے نکلے تو حضرت ابن عباس حضرت عباس کے ہمراہ مکہ معظّمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو اپنے ہمراہ لے لیا اور حضرت ابن عباس کو باقی ذریات اور مستورات کے ساتھ مدینہ منورہ میں روانہ فرمادیا غزوہ خیبر حضرت ابن عباس کے مدینہ منورہ آنے سے قبل چند سال پہلے ہو چکا تھا اور غزوہ اوطاس کہ اس کو غزوہ حنین بھی کہتے ہیں فتح مکہ کے بعد اسی کے ساتھ واقع ہوا اس غزوہ میں بھی حضرت ابن عباسؓ نہ تھے اور نہ ان دونوں غزوات کے واقعات سے انہیں کچھ بھی اپنے طور پر خبر ہوسکی صرف دوسرے صحابہ کرام کی زبانی آپ کو ان دونوں غزوات کا کچھ حال معلوم ہوا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بلاوجہ کیوں متعہ کی روایت کی ہوگی جبکہ وہ صرف دو سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے مستفید ہوئے اور اس عرصہ میں کوئی ایسا واقعہ نہ آیا کہ متعہ کا تذکرہ ہو اور متعہ کی حرمت معلوم ہو حضرت ابن عباس

کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اس امر کی کچھ بھی اطلاع نہ ہوئی اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں اس مسئلہ میں بحث آئی تو حضرت ابن عباسؓ نے سمجھا کہ ان آیات مذکورہ سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور آپ کو دوسرے صحابہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ غزوہ اوطاس میں متعہ کی اباحت کا حکم ہوا تو انہوں نے سمجھا کہ خاص بوقت ضرورت رفع ضرورت کی غرض سے متعہ مباح کیا گیا تو انہوں نے خیال کیا کہ جب کوئی اشد ضرورت متعہ کی ہو تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں بحالت ضرورت متعہ کے لئے اجازت فرمائی تھی اس واسطے اب بھی جب اشد ضرورت ہو متعہ جائز ہوگا۔ تین دن کے بعد جو متعہ حرام کیا گیا اس کو انہوں نے سمجھا ضرورت باقی نہ رہی اس واسطے متعہ اس وقت پھر حرام کر دیا گیا اور ہر حال میں ہمیشہ کے لئے متعہ حرام نہ ہوا تو حضرت ابن عباس کے مذہب کی بناء اجتہاد پر ہے اس اجتہاد میں خطا ہوئی چنانچہ جب حضرت علیؓ نے ان کا قول سنا تو آپ نے فرمایا ''آپ ایک شخص ہیں کہ صرف رائے سے کچھ کہہ دیتے ہیں'' (فتاویٰ عزیزی ص ۵۵۰۔۵۴۹)

ع

متعہ کے مسائل

متعہ کے متعلق اسلاف کے خیالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت متعہ صرف اہل تشیع کا مسئلہ رہ گیا ہے اہل سنت یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہلحدیث سب اس کے خلاف ہیں اور اگر حنفیوں کے ذیلی فرقوں کو بھی دیکھا جائے تو بریلوی اور دیو بندی بھی اس کے شدید مخالف ہیں ہم ان تمام فرقوں کو اہل تشیع کے مقابلے میں اہل سنت کہتے آئے ہیں۔ آج جب یہ صرف اہل تشیع کا مسئلہ ہے تو آیئے دیکھیں کہ وہ اس کے اور اس کے متعلقات پر کس انداز سے نظر ڈالتے ہیں۔

اہل سنت کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اللہ نے مسلمانوں کو ''ازواج'' اور ''ماملکت ایمانکم'' کے ساتھ جنسی تعلق رکھنے کی اجازت دی ہے اور زن ممتوعہ (جس عورت سے متعہ کیا جائے) زوجہ ہے نہ ملک یمین، اس کے جواب میں اہل تشیع کہتے ہیں چونکہ نکاح متعہ بھی ایک نکاح ہے اس لئے زن ممتوعہ بھی زوجہ ہے علامہ سید عبدالحسین شرف الدین آملی کہتے ہیں ''زن ممتوعہ بھی زوجہ شرعیہ ہے'' (فصول فی تالیف الامہ ص ۵۴) اسی طرح یہی بات علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء بھی کہتے ہیں (اصل الشیعہ واصولہا ص ۹۴) جب زوجہ شرعیہ تسلیم کر لیا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ اس کی عدت بھی ہوگی یا نہیں شیعہ حضرات کہتے ہیں خاوند کے فوت ہونے کی صورت میں عدت دوسری بیوہ عورت کی طرح چار ماہ دس دن ہوگی۔

شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی لکھتے ہیں۔

> ''عبدالرحمٰن بن حجاج کی روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؒ سے دریافت کیا ایک شخص نے نکاح متعہ کیا اور فوت ہو گیا تو کیا ممتوعہ عورت کی مدت ہوگی انہوں نے کہا ہاں عدت ہے چار ماہ اور دس دن'' (تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۴۵) اور اگر طلاق ہو جائے تو بھی عدت ہوگی مگر یہاں شیعہ علماء میں عدت کی مدت میں تھوڑا

اختلاف ہے مذکورہ بالا کتاب میں اسی روایت کے سلسلہ میں بتایا گیا ہے کہ امام جعفر صادق نے مطلقہ کی عدت کنیز کی طرح ایک حیض اور نصف بتائی ہے۔تفسیر جشاش میں امام محمد باقر سے روایت کی گئی کہ انہوں نے کہا اس کی عدت دو حیض ہے۔میرزا حسین نوری اور دیگر علماء امام جعفر صادق کی روایت کو واضح معنی پہنا کر عدت پینتالیس دن بتاتے ہیں۔(مستدرک الوسائل ج۲) نکاح میں تو زوجین ایک دوسرے کے شرعی وارث ہوتے ہیں۔متعہ میں کیا صورت ہوگی اس میں بھی کچھ اختلاف ہے۔

علم الہدیٰ السید مرتضیٰ علی بن الحسین الموسوی (متوفی ۴۳۶ھ) لکھتے ہیں۔

''ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ نکاح متعہ میں میراث بھی ملتی ہے بشرطیکہ کہ نکاح کرتے ہوئے اس کے نہ ملنے کی شرط نہ رکھی گئی ہو'' (کتاب الانتصار مطبوعہ ایران ص ۶۳)

شہید ثانی شیخ زین الدین آملی ایسی شرط کے متعلق لکھتے ہیں۔

''علماء میں اختلاف ہے کہ عقد منقطع (متعہ) شوہر اور بیوی میں باہمی میراث کا حکم ہے یا نہیں؟ اقوال متعدد ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ عقد منقطع (متعہ) میراث میں عقد دائمی جیسا حکم رکھتا ہے یہاں تک کہ اگر میراث ساقط ہونے کی شرط رکھی جائے تو شرط باطل ہوگی جیسے نکاح دائمی میں یہ شرط صحیح نہیں'' (مسالک الافہام شرح شرائع الاسلام ج ا ص ۳۴)

لیکن شیخ علی بن عبد العالی کرکی لکھتے ہیں۔

''زن ممتوعہ کو بہر حال میراث ملنے کا قول قاضی ابن براج کا ہے۔لیکن انکا استدلال ضعیف ہے'' (جامع المقاصد فی شرح القواعد ج ۲)

محمد بن الحسن تاج الدین الاصفہانی لکھتے ہیں۔

''قول مشہور یہی ہے کہ نکاح متعہ کے سبب میاں بیوی میں میراث باہمی کا حکم نہیں ہوگا'' (کشف اللثام ج ۲) شیخ محمد بن الحسن الحر العاملی امام جعفر صادق کی ایک طویل روایت درج کرتے ہیں۔اس کا ایک جملہ یہ بھی ہے ''نکاح متعہ میں زوجین کے درمیان میراث نہیں ہوگی'' (وسائل الشیعہ ج ۳) نکاح دوامی میں نان ونفقہ مرد

کے ذمہ آ جاتا ہے مگر متعہ میں ایسا نہیں ہوگا (متعہ اور اسلام ص ۵۳) سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا متعہ کے لئے بھی کوئی شرط ہے کہ کن عورتوں سے کیا جائے؟

شیعہ علماء کہتے ہیں کہ نکاح دائمی کی طرح متعہ بھی مسلمان یا اہل کتاب عورت سے ہوسکتا ہے شیخ حسین بن یوسف بن مطہر علی کہتے ہیں۔

''متعہ میں ضروری ہے کہ طرفین کامل ہوں یعنی عاقل اور بالغ ہوں اور زوجہ مسلمان ہو یا اہل کتاب (القواعد) اس کے ساتھ ایک اور شرط بھی ہے

علامہ حسن بن یوسف لکھتے ہیں۔

''واسلام الزوج وایمان ان کانت السراء ۃ کذلک''

اس کا ترجمہ یوں ہوتا ہے ''اور (نکاح متعہ کی شرائط میں ہے) شوہر کا اسلام اور ایمان اگر عورت بھی ایسی ہو'' مگر علامہ سید نقی علی النقوی یہی الفاظ نقل کر کے اس کا ترجمہ لکھتے ہیں ''اور شوہر کے لئے مسلمان اور شیعہ ہونا ضروری ہے جبکہ عورت مسلمان و شیعہ ہو'' (متعہ اور اسلام ص ۴۷) گویا ''اسلام اور ایمان'' کے معانی ان حضرات کے نزدیک مسلمان اور شیعہ ہیں۔

شیعہ حضرات نے اپنے لئے ''ایمان'' کا لفظ شاید مخصوص کر لیا ہے عام بول چال میں بھی وہ مومن اور مومنہ کے الفاظ شیعہ مرد اور شیعہ عورت کے لئے استعمال کرتے ہیں جب سوال آیا کہ کن عورتوں سے متعہ نہ کیا جائے؟ تو امام رضا علیہ السلام نے جواب دیا۔

لاینبغی لک ان تتزوج الا مومنہ

(تیرے لئے جائز نہیں کہ تو نکاح (متعہ مراد ہے) کرے مگر مومنہ سے) بات صاف تھی کہ تو (یعنی اے شیعہ مرد) شیعہ عورت سے ہی متعہ کر سکتا ہے مگر تعجب ہے کہ وہی علامہ علی نقی النقوی جو اپنی کتاب کے صفحہ ۴۷ پر اسلام الزوج وایمان کا ترجمہ لکھ چکے ہیں ''شوہر کے لئے مسلمان اور شعیہ ہونا ضروری ہے''

یہاں لکھتے ہیں۔

''لاینبغی لک ان تتزوج الا مومنۃ''

''غیر قابل اعتماد عورتوں سے متعہ نہ کرو'' (متعہ اور اسلام ص ۷۲)

معلوم نہیں یہاں مومنہ کا ترجمہ ''قابل اعتماد'' کیوں کر دیا گیا۔

علامہ علی نقی النقوی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷ کا عنوان لکھا ہے۔

''بازاری عورتوں سے متعہ کی سخت ممانعت'' اور نیچے لکھتے ہیں۔

''ایسی احادیث بکثرت پائی جاتی ہیں جن میں عام بازاری عورتوں سے کہ فسق و فجور میں۔ مشہور و معروف ہیں یا ان عورتوں سے کہ جن کی پاک دامنی اور عفت پر اطمینان نہیں ہے متعہ کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے''

محمد بن فیض کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا۔

''دیکھو تمہیں متعہ میں پرہیز کرنا چاہیے ''کواشف'' سے اور ''دواعی'' سے اور ''بغایا'' سے ''کواشف'' وہ ہیں جو کھلم کھلا حرام کا ارتکاب کرتی ہیں اور جن کے گھر مشہور ہیں اور وہاں لوگ جاتے رہتے ہیں اور دواعی وہ کہ جو خود بلاتی ہیں اور فساد و خرابی میں عام بدنام ہیں اور بغایا وہ جو زنا کاری کے ساتھ رسوائے زمانہ ہیں نیز ذوات الازواج ہیں یعنی وہ جنہیں صحیح طریقہ پر طلاق نہیں دی گئی'' (فروع کافی)

گویا متعہ بھی چونکہ ایک قسم کا نکاح ہے اس لئے شرفاء اور معززین کی بیٹیوں کو تعلیم دی جانی چاہیے کہ وہ اس طرح اپنے جسم پیش کرتی رہیں۔

متعہ کے جواز پر عقلی دلائل

اہل تشیع نے کوشش کی ہے کہ متعہ کے جواز پر عقلی دلائل بھی فراہم کئے جائیں ان دلائل کے سلسلہ میں علامہ سید علی نقی الفتوی کی کتاب ''متعہ اور اسلام'' خصوصی طور پر میرے پیش نظر ہے کیونکہ حضرت علامہ کی وفات ماضی قریب میں ہوئی اسطرح وہ دور جدید کے شیعی مفکرین اسلام میں شمار کئے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے انہوں نے یہ بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے قدوس نے وما ارسلنک الا رحمته العالمین کے مطابق تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور خدا نے دین حق میں لوگوں کے لئے آسانیاں رکھی ہیں مشکلات نہیں رکھیں (ص ۱۷) پھر وہ وضاحت کرتے ہیں کہ کچھ ممنوعات ایسے ہیں جو ضرورت کے تحت بھی مباح نہیں ہوتے جیسے کوئی آدمی اپنے شہوانی جذابات سے کتنا ہی مغلوب کیوں نہ ہو وہ اپنی جنسی خواہش محرمات (ماں، بہن وغیرہ) سے پوری نہیں کر سکتا نکاح متعہ غیر محرم کے ساتھ ہوتا ہے یعنی یہ بھی ایک نکاح ہے اور نکاح جن عورتوں سے ہوسکتا ہے متعہ بھی انہی عورتوں سے ہوگا۔ ''ضرورت'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''انسان کے لئے دور مسافرت اتنا ہی کثیر الوقوع ہے جتنا زمانہ اقامت بلکہ اگر معمورۂ عالم کی انسانی آبادی کی ایک خاص وقت میں مردم شماری کی جائے تو ایسے افراد زیادہ ہونگے جو اپنے شہر سے علیحدہ اور عالم مسافرت میں ہیں اور اکثر ایسے ہونگے کہ جنہیں اپنی ضروریات زندگی کی بناء پر ایک مقام پر قیام کی نوبت ہی نہیں آئی اور ایک طویل عرصہ کے لئے برابر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑتا ہے''
>
> (ص ۲۵)

یہ پہلی ضرورت ہے کہ غیر ممالک میں قیام کے دوران اگر وہ زیادہ عرصہ کے لئے ضبط نفس کرتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ (بقول علامہ مذکور) ''وہ اپنی صحت جسمانی کو خیر باد کہیں اور رفتہ رفتہ

اپنے طبعی وقت سے پہلے زندگی کو سلام وو داع کر کے منزل فنا کی طرف رہ سپار ہوں'' (ص ۲۶) یعنی زیادہ عرصہ تک ضبط نفس کرنا بیماری اور پھر موت کو دعوت دینا ہے تو علامہ صاحب ضروری سمجھتے ہیں کہ حالت مسافرت میں متعہ کرلیا جائے انؐ کے نزدیک اللہ کی طرف سے پیدا کی وہ آسانی ہے۔

دوسری ضرورت کے سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں۔

اور صورت حال جس کا تذکرہ سفر ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ کبھی بغیر حالت سفر کے وطن میں اقامت اور حضر کی حالت میں بھی ایسی صورتیں آجایا کرتی ہیں۔

انسان کے لئے شریک زندگی موجود ہے لیکن وقتی امراض اور اتفاقی موانع نے محدود لیکن کافی عرصہ کے لئے اسکو بیکار و معطل بنا دیا ہے۔ (ص ۲۷۔۲۶) یعنی اپنی بیوی کی ایسی بیماری کی صورت میں نکاح متعہ کی سہولت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے آپ کہتے ہیں ''وہ دوسری شادی کرلے'' علامہ صاحب اسکا جواب دیتے ہیں۔

''اب اگر انسان عقد دائمی کرنا چاہے تو مستقل طور پر دو بار گراں اسکے کاندھوں پر آجاتے ہیں جنکو برداشت کرنا قوت صبر و تحمل سے باہر اور پھر بلا ضرورت اسلئے کہ اسباب و مواقع محدود زمانہ سے مخصوص اور عارضی حیثیت رکھنے والے تھے۔ (بیوی کی بیماری عارضی تھی) اسکے لئے کیا شریعت کی جامعیت و وسعت اور ضروریات زندگی کے لحاظ کا اقتضاء نہیں ہے کہ وہ انسان کے لئے عقد ازواج کی کسی محدود و موقت قسم (متعہ) کا بھی نفاذ کرے'' (ص ۲۷) یہ اور اسطرح کی دوسری ضروریات کے تحت متعہ کی آسانی بقول علامہ مذکور شریعت میں پیدا کی گئی ہے۔

مخالفین کے دلائل کا جواب

مخالفین کے دلائل کے سلسلہ میں مصنف مذکور یعنی علامہ سید علی نقی انھقوی نے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی کتاب تحفہ اثناء عشریہ کی عبارت کا ایک بڑا حصہ نقل کیا ہے۔ جس میں شاہ صاحب نے کہا

''اس عقد فاسد میں خدا کے حکم کی مخالفت کے ساتھ ایسے بے شمار مفاسد ہیں جو خلاف شریعت ہیں۔ اسطرح تو متعہ کرنے والے شخص کی اولاد ہر ہر شہر اور ہر ہر قریہ میں موجود ہوگی اور ان کا کوئی تربیت کرنے والا بھی نہ ہوگا اور ان میں لڑکیاں بھی موجود ہونگی کہ جن کی شادی برابر والوں میں نہ ہوسکے گی اور سفر میں ہر منزل پر متعہ ہونے کے بعد ہر منزل میں عورت کو حمل بھی رہیگا اور جو لڑکیاں پیدا ہونگی ان کے اسے خبر نہ ہوگی۔ اور یہ جب پندرہ بیس برس کے بعد اس راستے سے گزریگا تو انہی لڑکیوں میں سے کسی سے متعہ یا نکاح کریگا اور اس طرح اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کا مرتکب ہوگا اور جب اسکی اولاد بے شمار و لاتعداد ہے تو میراث کی تقسیم نہیں ہوسکتی کیونکہ ورثاء کی تعداد اور انکے محل سکونت و جائے قیام کا علم نہیں اور اولاد کے انتقال پر ان کی میراث کا تقسیم ہوجانا بھی ممکن نہ ہوگا کیونکہ ان کے باپ بھائی کا تو پتہ نہیں لہذا حاجب اور غیر حاجب کا امتیاز نہیں ہوسکتا یہ ہے نکاح متعہ کہ جس سے تمام شریعت درہم برہم ہوجاتی ہے'' (متعہ اور اسلام ص ۳۵۔۳۴۔۳۳)

مصنف شاہ صاحب کے ان اعتراضات کا جواب ایک طرح کے استہزاء سے دیتے ہیں وہ پہلے کہ آئے ہیں کہ ''تعجب تو (خاتم المحدثین) شاہ عبد العزیز دہلوی مصنف تحفہ اثناء عشریہ ایسے ذمہ دار شخص پر ہے کہ انہوں نے بھی متعہ کے مسئلہ میں استدلال کرتے ہوئے بے اعتدالی سے کام لیا ہے''

(ص ۳۳) اور شاہ صاحب کی عبارت نقل کرنے کے بعد پورے ایک صفحہ میں ایک ہی بات کو طوالت دے کر لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب نے تمام بحث مفروضات سے کی ہے دنیا میں ایسے واقعات کبھی رونما ہوئے نہ ہونگے۔ حالانکہ میرے نزدیک یہ کوئی جواب نہیں یہ مفروضات نہیں ممکنات ہیں مصنف کو یہاں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے تھا۔

متعہ کے سلسلہ میں ہی ایک اور چیز ''متعہ دوریہ'' بیان کی جاتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں ''یہ متعہ دوریہ'' کو بھی جائز کہتے ہیں ہمارے ملک اور زمانہ کے اثناعشری گو اسکے جواز کا انکار کرتے ہیں مگر ان کے محققین اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ انکی کتابوں میں اسکے جواز کا ثبوت موجود ہے اس متعہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک پوری جماعت کسی ایک عورت سے متعہ کر لیتی ہے اور ان میں سے ہر ایک شخص اپنی باری مقرر کر لیتا ہے اور اپنی باری میں اس سے جنسی فعل کرتا ہے حالانکہ کسی بھی مذہب میں ایک رحم میں دو نطفوں کو جمع کرنا جائز قرار نہیں دیا گیا۔ (تحفہ اثناعشریہ مترجمہ مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی ص ۵۰۵)

متعہ دوریہ کی یہی تفصیل بغداد کے عالم اہل سنت علامہ سید محمود شکری آلوسی نے بھی بیان کی ہے ان کا پورا مضمون علامہ رشید رضا مصری نے مشہور و معروف مجلّہ ''المنار'' میں شائع کیا تھا شیعی عالم آقا سید عبدالحسین شرف الدین آملی مقیم صیدا نے اسکا جواب لکھا متعہ دوریہ کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''محمود شکری آلوسی نے اپنے رسالہ میں انتہائی غلط بیانی اور تہمت طرازی سے کام لیا ہے یہ رسالہ مجلّہ المنار کی جلد نمبر ۲۹ شمارہ نمبر ۶ میں مری نظر سے گزرا اور اسکے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس میں شروع سے آخر تک سوائے افتراء بہتان سب وشتم اور بے جا طعن و تشنیع کے کچھ بھی نہیں اس میں لکھا گیا ہے کہ شیعون کے ہاں ایک متعہ دوریہ ہوتا ہے اور اسکے فضائل میں بہت سی احادیث نقل کی جاتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ چند لوگ بوقت واحد ایک ہی عورت سے متعہ کریں اور وہ عورت ان سے اسطرح قرارداد کرے کہ صبح سے چاشت تک فلاں کے متعہ میں چاشت سے دوپہر تک فلاں کے متعہ میں دوپہر سے سہ پہر تک تیسرے کے متعہ میں، سہ پہر سے مغرب تک فلاں کے متعہ میں مغرب سے عشاء تک پانچویں کے متعہ میں الخ (

المنار جلد ۲۹ ص ۴۴۱) کاش مدیر المنار یا قارئین میں سے کوئی اس افتراء پرواز انسان سے پوچھتا کہ یہ بات شیعوں کی کونسی کتاب میں ہے"۔(فضول المہمہ فی تالیف الامہ ص ۵۵)

ختم

متعہ اور ملک یمین

اگرچہ اہل تشیع کے تمام دلائل پچھلے صفحات میں بیان ہو چکے ہیں مگر ہم نے ابتداء میں کہہ دیا تھا کہ تمام فرقوں کے دلائل نقلی و عقلی پورے شرح وبسط سے بیان کریں گے اور اپنی طرف سے محاکمہ کرنے کی بجائے بات قارئین پر چھوڑ دینگے اسلئے ایک ممکنہ دلیل اور بھی بیان کئے دیتے ہیں شیعہ حضرات کی طرف سے یہ دلیل ہماری نظر سے نہیں گزری بہرحال دلیل یہ ہے۔

جس آیت سے متعہ کا جواز اخذ کیا جاتا ہے اس میں صاف یہ کہا گیا ہے کہ محصنین غیر مسافحین (قید نکاح میں لانے والے بنکر مٹی جھاڑنے والے ہوکر نہیں) اس سے متعہ کی حرمت کے قائلین یہ استدلال کرتے ہیں کہ نکاح اور سفاح میں واضح فرق کر دیا گیا ہے سفاح محض مستی جھاڑنے اور ''ناپاک پانی گرانے'' کے لئے جو جنسی ملاپ کیا جاتا ہے زنا ہے اور نکاح میں باقاعدہ عمر بھر ساتھ رہنے اور ساتھ نباہنے کا وعدہ کیا جاتا ہے اور جنسی ملاپ کے تمام عواقب قبول کئے جاتے ہیں یعنی میاں بیوی کا ایک گھر ہو جاتا ہے وہ ایک دوسرے کے اموال میں اور دکھ درد میں شریک ہو جاتے ہیں موت کے بعد ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں اسکے برعکس متعہ صرف وقتی لذت کے لئے کیا جاتا ہے اسلئے یہ ''نکاح'' نہیں ''سفاح'' ہے۔ اسکے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں ملک یمین یعنی جنگ میں ہاتھ آنے والی عورتیں جو لونڈیاں بنا کر تقسیم کر دی جاتی ہیں اور جنکی لمبی چوڑی فقہ مرتب کی گئی ہے۔ ان سے جنسی تعلق کا کیا جواز ہے؟ کیا وہ جنسی تعلق بھی محض حصول لذت کے لئے نہیں۔

ملک یمین کے سلسلہ میں تفصیلی احکام بیان کرنے میں ارباب فقہ نے کئی باب سیاہ کئے ہیں انکی حیثیت کیا ہے؟ اسکی مختصر اور جامع تصویر عہد حاضر کے مفکر اسلام مولانا مودودی کی تحریروں کے اقتباسات سے سامنے لائی جاتی ہے مولانا مودودی کہتے ہیں۔

''جو عورتیں میدان جنگ میں پکڑی آئیں۔ اور انکے کافر شوہر دارالحرب میں موجود

ہوں وہ حرام نہیں ہیں کیونکہ دارالحرب سے دارالاسلام میں آنے (پکڑ کر لائے جانے) کے بعد ان کے نکاح ٹوٹ گئے ایسی عورتوں سے نکاح بھی کیا جا سکتا ہے اور جس کی ملک میں وہ ہوں وہ ان سے تمتع بھی کر سکتا ہے۔۔۔۔لونڈیوں سے تمتع کے معاملہ میں بہت سی غلط فہمیاں لوگوں کے ذہن میں ہیں لہذا حسب ذیل مسائل کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

ا۔ ایک سپاہی صرف اس عورت سے ہی تمتع کرنے کا مجاز ہے جو حکومت کی طرف سے باقاعدہ اسکی ملک میں دی گئی ہو۔

۲۔ اسکے ساتھ بھی اس وقت تک مباشرت نہیں کی جا سکتی جب تک کہ اسے ایک مرتبہ ایام ماہواری نہ آ جائیں۔

۳۔ ان کا مذہب خواہ کوئی بھی ہو۔جن کے حصہ میں آئیں وہ ان سے تمتع کر سکتے ہیں۔

۴۔ جو عورت جس شخص کے حصہ میں دی گئی ہے صرف وہی اسکے ساتھ تمتع کر سکتا ہے (دوسرا اسکو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا) اس عورت سے جو اولاد ہو گی وہ اسی شخص کی جائز اولاد سمجھی جائیگی جسکی ملک میں وہ عورت ہے اس اولاد کے قانونی حقوق وہی ہونگے جو شریعت میں صلبی اولاد کے لئے مقرر ہیں صاحب اولاد ہو جانے کے بعد وہ عورت فروخت نہ کی جا سکے گی اور مالک کے مرتے ہی وہ آپ سے آپ آزاد ہو جائیگی۔

۵۔ جو عورت اس طرح کسی شخص کی ملک میں آئی ہو اسے اگر اسکا مالک کسی دوسرے شخص کے نکاح میں دیدے تو پہلے مالک کو اس سے دوسری تمام خدمات لینے کا حق تو رہتا ہے لیکن شہوانی تعلق کا حق باقی نہیں رہتا'' (تفہیم القران ا ص ۳۴۰)

متعہ میں مذہب کا بھی خیال رکھا جاتا ہے اور نکاح کے مراسم یعنی ایجاب قبول وغیرہ بھی ہوتے ہیں ملک یمین میں مذہب کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا (مودودی صاحب کی بات گزر چکی ہے) اور نکاح بھی نہیں ہوتا سوال کیا گیا

''لونڈیوں سے بلا نکاح تمتع محض شہوت رانی ہے اور اسلام کے خلاف ہے'' (تفہیمات حصہ دوم ص ۳۰۷) اسکا جواب یہ دیا گیا۔

''اس میں جو کراہت نظر آتی ہے وہ محض ایک وہمی کراہت ہے چونکہ طبیعتیں نکاح کے عام اور معروف طریقہ کی خوگر ہو چکی ہیں اسلئے لوگ سمجھتے ہیں کہ مرد اور عورت کا صرف وہی تعلق جائز ہے جس میں قاضی صاحب آئیں دو گواہ ہوں۔ ایجاب و قبول ہو خطبہ نکاح پڑھا جائے اسکے سوا جو صورت ہے وہ شہوت رانی ہے لیکن اسلام کوئی رسمی (Conventional) مذہب نہیں بلکہ ایک عقلی (Rational) مذہب ہے وہ رسم کو نہیں حقیقت کو دیکھتا ہے نکاح سے ایک عورت جو ایک مرد کے لئے حلال ہوتی ہے تو آخر اسی بناء پر تو حلال ہوتی ہے کہ اللہ کے قانون نے اسے حلال کیا ہے اسی طرح اگر ملک یمین کو بھی اللہ کا قانون حلال کرے تو اس میں کراہت کی کیا بات ہے؟'' (ایضاً ص ۳۱۵)

ان لونڈیوں کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

''لونڈی غلاموں کو بیچنے کی اجازت دراصل اس معنی میں ہے کہ ایک شخص کو ان سے۔۔۔فدیہ وصول کرنے اور فدیہ وصول نہ ہونے تک ان سے خدمت لینے کا جو حق ہے اسکو وہ معاوضہ لیکر دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دیتا ہے'' (ایضاً ص ۳۲۳)

مولانا صاحب نے لکھا ہے کہ ''لونڈی کے ساتھ مباشرت نہیں کی جا سکتی جب تک اسے ایک مرتبہ ایام ماہواری نہ آ جائیں۔ اور اگر وہ حاملہ ہو تو مولانا نے نہیں بتایا ہاں امام بخاری بتاتے ہیں۔

''اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اپنی حاملہ لونڈی سے شرمگاہ کے علاوہ دوسری جگہ سے مجامعت کر لی جائے'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۸)

مولانا صاحب نے جو لکھا ہے ''اس سے جو اولاد ہو گی وہ اسی شخص کی جائز اولاد سمجھی جائیگی'' یہ بھی درست ہے لیکن اگر اولاد پیدا کرنے کی خواہش نہ ہو تو عزل (یعنی جماع میں جب انزال قریب ہو تو مادہ منویہ رحم کے اندر نہ گرنے دیا جائے۔۔۔نکال لیا جائے) کر سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔

''حضرت ابو سعید حذری سے راویت ہے کہ ایک روز جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے حضورؐ سے عرض کیا'' ہم قیدی عورتوں (لونڈیوں) سے جماع کرتے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ وہ حاملہ نہ ہوں کیونکہ ہم انہیں بیچنا چاہتے

ہیں تو عزل کر لینے کے بارے میں آپؐ کی کیا رائے ہے؟ آپؐ نے فرمایا تم ایسا کرتے ہو تم پر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جو بچہ پیدا ہونے والا خدا نے مقرر کیا ہے وہ پیدا ہو کر رہیگا'' (صحیح بخاری کتاب البیوع ج ۲ ص ۱۸)

تو جب ملک یمین کی صورت میں بلا نکاح، محض شہوت رانی کے لئے، لاتعداد عورتوں کے ساتھ اسلام جائز قرار دیتا ہے تو متعہ میں کونسی قباحت آ گئی۔ جو علماء اسلام میں غلام اور لونڈیوں کو جائز سمجھتے ہیں انہیں ان سوالات کا جواب دینا چاہیے۔

ختم

متعہ اور جدید مفکرین اسلام

یوں تو متعہ کی حرمت کے قائل اہل سنت بھی ہیں اور بلاشبہ اکثریت اسکے مخالف چلی آ رہی ہے اور یہ اکثریت اتنی بڑھ گئی ہے کہ متعہ صرف فرقہ شیعہ تک محدود رہ گیا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ روایات نے مسئلہ کو بہت ہی مبہم کر رکھا ہے یہ روایات ہی ہیں جن کے باعث قرآن حکیم کے الفاظ سے متعہ کے احکام اخذ کئے جاتے رہے **فما تمتعتم** میں متعہ کا لفظ پنہاں سمجھا گیا اور اکثر مفسرین انہی روایات کے طومار سے مغلوب ہو کر کہنے لگے کہ سورہ نساء کی اس آیت میں واقعی متعہ کی اجازت دی گئی تھی مگر پھر یہ آیت منسوخ ہوگئی کس آیت سے منسوخ ہوئی اسکے ناسخ کے طور پر آیات پیش کی گئیں پھر روایات نے ایک اور الجھاوا دے دیا اور زمانہ نزول کی آڑ میں کہا گیا کہ جو آیات اہل سنت بطور ناسخ پیش کرتے ہیں وہ ساری کی ساری مکی ہیں اور جس آیت سے متعہ اخذ کیا جاتا ہے وہ ان سے بعد کی نازل شدہ ہے اور مدنی ہے بعد کی اتری ہوئی آیت پہلے کی نازل شدہ آیات کی ناسخ ہوتی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے پہلے ناسخ آیت نازل ہو اور پھر منسوخ آیت اترے اس کا ایک یہ جواب دیا گیا کہ جس آیت کو ناسخ ٹھہرایا گیا ہے وہ جس سورت میں آئی ہے وہ سورت تو مکی ہے اور ساری کی ساری مکی ہے لیکن وہ ایک آیت مدنی ہے اور جو اسے بھی مکی بتاتے ہیں وہ وہم کا شکار ہیں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے لکھا۔

”اگرچہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں لیکن یہ آیت ﴿**والذین لفروجهم حفظين الا على ازواجهم او ما ملكت ايمانهم**﴾ مدنی ہے اور الاتقان میں جو لکھا ہے کہ یہ آیت مدنی نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ صحابہ اور مشاہیر تابعین ناسخ اور منسوخ کے اور مقدم اور مؤخر سے زیادہ واقف تھے اور ان لوگوں نے اس آیت سے متعہ کی حرمت ثابت کی ہے تو یہ نہایت قوی دلیل اس امر کے لئے ہے کہ یہ آیت مدنی ہے“ (فتاوی عزیزی کامل ص ۵۵۰)

ادھر قائلین متعہ اس بات کی بھی تضعیف کر دیتے ہیں متعہ کی ممانعت کی بھی روایات آتی ہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں تفصیل آ گئی ہے مگر وہ بھی کسی حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچا تیں کہ متعہ کب حرام ہوا۔ گویا یہاں تک دونوں (اہل سنت اور اہل تشیع) متفق ہیں کہ متعہ اسلام میں حلال تھا۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں۔

''اس میں کلام نہیں کہ متعہ ابتدائے عہد اسلام میں رائج تھا اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ علمائے اہل سنت اس وقت تک یہ ثابت نہیں کر سکے کہ اسکا رواج کب ممنوع قرار دیا گیا'' (ماہنامہ نگار لکھنؤ ج ۴۴ شمارہ نومبر سنہ ۱۹۳۳)

تاہم ہمیشہ سے کچھ ایسے لوگ بھی موجود رہے ہیں جو قرآن حکیم کو روایات کے اختلاف میں نہیں الجھاتے اور نہ ہی شان نزول اور زمانہ نزول کے چکر میں پڑتے ہیں وہ صاف طور پر اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن حکیم کسی طرح بھی متعہ کی اجازت تسلیم نہیں کرتا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں۔

''سورت مومنوں اور سورہ معارج کی آیت سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے ایسا ہی شکوۃ شریف میں مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور یہ امر بیان کی ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے کہا کہ یہ صحیح ہے اور ان لوگوں نے کہا کہ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ سے متعہ کے متعلق پوچھا گیا تو حضرت عائشہؓ صدیقہ نے فرمایا'' ہمارے اور تمہارے درمیان میں اللہ تعالی کی کتاب ہے یعنی قرآن شریف موجود ہے اور اس سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور یہ آیت پڑھی۔

﴿والذین ھم لفرو جھم حفظون الا علی ازواجھم اوماملکت ایما نھم فانھم غیر ملومتین ضمن ابتغی و راء ذلک فاولئک ھم اعا دون﴾

''یعنی فلاح اور بہتری ان لوگوں کے لئے ہے کہ نگہبانی (حفاظت) کرتے ہیں اپنی شرمگاہوں کی مگر اپنی بیوی اور شرعی لونڈی سے لحاظ نہیں کرتے وہ قابل ملامت نہیں پس جو شخص اس کے سوا کرنا چاہے تو وہ شرع کی حد سے تجاوز کرنے والا ہے'' (فتاوی عزیزی کامل ص ۵۵۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہؓ قرآن حکیم کو اس طریقہ سے نہیں بانٹتیں جیسے ہمارے مفسر بانٹ رہے ہیں انہوں نے آیات واحکام کی تقدیم وتاخیر کی کوئی بات نہیں کی انہوں نے قرآن

حکیم کا واضح قانون بیان کر دیا کہ مرد عورت کا جنسی ملاپ اپنی ازواج یا لونڈیوں سے قید نکاح میں لا کر ہوسکتا ہے اور جو صورت بھی جنسی ملاپ کی ہوگی وہ شرع کی حد سے تجاوز شمار ہوگی۔

واضح رہے کہ ازواج کا لفظ معنی اولاد پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مربوط رہنے والا جوڑا ہے۔ شیعہ حضرات کہتے ہیں (جیسا کہ ہم لکھ چکے) کہ زن ممتوعہ پر بھی زوجہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ لیکن زوج کے وسیع مفہوم کی گہرائی کی حدود زوج کو بارور کرنے والا اور بارور ہونے والے جوڑے میں محدود کر دیتی ہیں جبکہ متعہ میں اولاد مقصود ہی نہیں ہوتی صرف جنسی جذبہ کی وقتی تسکین مقصود ہوتی ہے۔ اس عورت کے نان نفقہ کی کوئی ذمہ داری بھی مرد اپنے سر نہیں لیتا پس زن ممتوعہ کو زوجہ کہا جا سکتا ہے نہ ملک یمین یہ وراء ذلک میں آئی ہے۔

اسکی مزید وضاحت امام قاسم بن محمد کے قول سے ہوتی ہے۔

''جب امام قاسم بن محمد سے متعہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا'' میں جانتا ہوں کہ قرآن شریف میں وہ متعہ مذکور ہے جو حرام ہے اور پھر والذین ھم لفرو جھم ۔۔۔ الخ والی آیت مبارکہ پڑھی'' (مسند عبدالرزاق۔ سنن ابی داؤد)

شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں ''ایسا ہی (یعنی جیسا قاسم بن محمد نے کہا) محمد بن کعب قرطبی، قتادہ، سدی اور عبدالرحمٰن سلمی وغیرہ مشاہیر تابعین سے بھی روایت ہے (فتاوی عزیزی ص ۵۵۰) یہاں نہ روایات کی بات ہوئی ہے نہ ناسخ منسوخ کی۔

جدید مفکرین اسلام کا یہی انداز ہے وہ قرآن سے مطلب رکھتے ہیں روایات کو بھی قرآن ہی کے آئینے میں دیکھتے ہیں جہاں روایات اور قرآن میں اختلاف آتا ہے وہ روایات کو چھوڑ دیتے ہیں اہل سنت قرآن کو روایات کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور (گستاخی معاف) وہ اکثر روایات کو سنت کہ کر کتاب اللہ پر قاضی تسلیم کرتے ہیں۔ ادھر روایات کا عالم کیا ہے علامہ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں۔

''روایات واحادیث کے دفتر بے پایاں سے ہر شخص اپنے مطلب کی باتیں نکال سکتا ہے میں ایسے طریق استدلال کو پسند نہیں کرتا''

(نگار لکھنو جلد ۲۴ شمارہ ۱۵ ماہ نومبر ۱۹۳۳)

جن دماغوں پر روایات کا غبار سوار نہیں تھا انہوں نے آیہ مبارکہ فما ستمتعتم به منهن فاتو هن اجو ر هن فريضة (سورۃ نساء ۲۴) کے یہی معنی لکھے ہیں کہ جن عورتوں سے تم انتفاع اور

لطف رفاقت حاصل کرو یعنی ازدواجی زندگی کی راحتیں حاصل کرو تو لازمی ہے کہ انہیں انکے حق مہر ادا کرو ۔علامہ بغوی لکھتے ہیں۔

''اس آیت کے معانی میں اختلاف ہوا ہے حسن اور مجاہد کا قول ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جن عورتوں کے ساتھ تم انتفاع ولذت حاصل کرو نکاح دائمی وصحیح کے ذریعے تو انہیں ان کے مہر ادا کرو''

(تفسیر معالم التنزیل ج ا بر حاشیہ تفسیر خازن مطبوعہ مصر ص ۴۲۳)

حسن اور مجاہد کا یہی قول دیگر مفسرین نے بھی نقل کیا ہے (نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام ازنواب صدیق حسن خان ص ۷۵) مگر ساتھ لکھا ہے کہ زیادہ تر مفسرین یا جمہور مفسرین نے اس کو'' آیت متعہ قرار دیا ہے'' اسی ''جمہور'' کے لفظ کو دیکھ کر جدید مفکرین ومفسرین کے سرخیل سرسید احمد خان اپنی تفسیر القران میں لکھتے ہیں۔

''یہ آیت بھی منجملہ ان آیتوں کے ہے جن کی تفسیر میں مجھے تمام مفسرین اور علمائے متقدمین سے اختلاف ہے تمام مفسرین اس آیت کو آیت متعہ کہتے ہیں یعنی انکے نزدیک اس آیت میں متعہ کا حکم ہے'' (تفسیر القران ج ۲ ص ۲۱۶)

لیکن سرسید کے بعد اکثر مفسرین اہل سنت نے آیت کا ترجمہ لکھتے ہوئے ادنی سا اشارہ بھی نہیں دیا کہ یہ آیت متعہ ہے مثال کے طور پر مولانا احمد رضا خان آیۃ مذکور کا ترجمہ کرتے ہیں۔

''اور جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو ان کے بندھے ہوئے مہر ان کو دو'' (قرآن مع ترجمہ کنز الایمان شائع کردہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۹۷) مولانا سید ابوعلی مودودی لکھتے ہیں۔

''پھر جواز دواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ ان کے بدلے انہیں ان کے مہر فرض کے طور پر ادا کرو'' (تفہیم القران ج ا ص ۳۴۳) کنز الایمان کے تفسیری حاشیے مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے لکھے ہیں اور تفہیم القران کے تفسیری حاشیے مولانا مودودی کے اپنے قلم سے ہیں مگر دونوں حضرات نے ادنی سا اشارہ بھی نہیں لکھا کے اس آیت کو کسی زمانہ کے ''جمہور'' مفسرین آیت متعہ کہتے رہے ہیں۔ ضمناً عرض کرتا چلوں کہ احمد رضا خان کا ترجمہ بہتر ہے کیونکہ انہوں نے استمتاع بروزن استفعال کا خیال بھی رکھا ہے خدا بھلا کرے سرسید کا کہ اس نے بعد میں آنے والے مفسرین کی جان جمہور سے چھڑا دی ہے۔

بہر حال اس آیت کی تفسیر میں سر سید مرحوم لکھتے ہیں۔

''میرے نزدیک علماء مفسرین کا اس آیت سے حکم جواز متعہ پر استدلال کرنا محض غلط ہے بلکہ اس آیت سے علانیہ متعہ کے امتناع کا حکم پایا جاتا ہے تمام تاریخوں اور قدیم کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ ہر ایک قوم میں قدیم زمانہ سے اس قسم کی عورتیں تھیں جو یہی پیشہ کرتی تھیں کہ لوگوں سے اجرت ٹھہرا کر ان کو اپنے ساتھ مباشرت کر نے دیتی تھیں جیسے کہ اس زمانہ میں بھی ایسی عورتیں پائی جاتی ہیں جن کو بہ اعتبار ان کے حالات کے خانگیاں اور کسبیاں کہتے ہیں، یہودیوں میں، فارسیوں میں بلکہ تمام قوموں میں اس قسم کی عورتیں تھیں۔ عرب میں بھی قبل اسلام اور ابتدائے اسلام میں اور شاید اس کے بعد بھی ایسی عورتوں کا وجود تھا اور شاید اب بھی ہو یا اسکی ظاہری صورت میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہو یہ طریقہ اور یہ فعل صرف اس وجہ سے نکلا تھا کہ مردوں کو اپنی مستی جھاڑنے کا موقع ملے'' (تفسیر القران ج ۲ ص ۲۱۶)

ذرا آگے چل کر تزویج اور متعہ میں فرق بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں۔

''ان دونوں میں جو حقیقتاً فرق تھا وہ یہی تھا کہ تزوج سے مقصود اصل ''احصان'' یعنی پاکدامنی اور نیکی تھی اور متعہ سے صرف مستی جھاڑنی کیونکہ اس سے اسکے مرتکب کو بجز ''سفح منی'' کے اور کوئی مقصود نہیں ہوتا پس اسکو خدا تعالی نے منع کیا ہے'' جہاں فرمایا کہ۔

﴿ان تبتغو ابا مو الكم محصنين غير مسافحين﴾

''یعنی تم بعوض اپنے مال کے آزاد عورتوں کو تلاش کرو اور ان سے نکاح کرنا پاکدامنی رکھنے کی غرض سے ہو نہ مستی جھاڑنے کی غرض سے''

مطلب آیت کا صرف ''محصنین'' کے لفظ پر ختم ہو گیا تھا ''غیر مسافحین'' کا لفظ صرف اسی طریقہ متعہ کو منع کرنے کے لئے کہا گیا ہے جو نہایت بے حیائی اور بد اخلاقی سے رائج تھا۔

﴿انه كان فاحشة و مقتا و ساء سبيلا﴾

''پس اس آیت سے متعہ کا امتناع پایا جاتا ہے نہ کہ اس کا جواز جیسے کہ غلطی سے علمائے امت نے خیال کیا ہے'' (تفسیر القران ج ۲ ص ۲۱۶)

گویا سرسید کے نزدیک متعہ اور زنا میں کوئی فرق نہیں اس لئے وہ اسے خانگیوں اور کسبیوں کے پیشہ سے مماثلت دیتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ طریقہ اسلام سے پہلے رائج تھا لکھتے ہیں۔

''ہماری تحقیق کے مطابق متعہ کا طریقہ اسلام نے پیدا نہیں کیا بلکہ وہ قدیم سے جاری تھا اسلام نے اس کو منع کیا گو کہ ابتدائے اسلام میں بھی جاری رہا ہو بہت سے رواج زمانہ جاہلیت کے ایسے تھے کہ جو زمانہ ابتدائے اسلام میں رائج تھے بعد کو ممنوع ہوئے متعہ بھی اس میں شامل ہے'' (ایضا)

ادھر کتب روایات میں تو ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ متعہ کا شغل عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عہد صدیق اور عہد فاروق کے بہت سے حصہ میں جاری رہا۔ (یہ روایات پوری تفصیل سے نقل کی جا چکی ہیں)۔

سرسید کی طرح پہلے بھی بہت سے لوگوں نے محسوس کیا کہ نکاح دائمی رفاقت کا ایک معاہدہ ہے جسے قرآن ''**میثاقاً غلیظاً**'' بڑا پختہ معاہدہ کہتا ہے۔ جسے موت توڑ سکتی ہے یا پھر طلاق اور وہ بھی آخری چارۂ کار کے طور پر۔ وگرنہ تو وہ مرد کو برابر ہدایت کرتا ہے کہ عورت چاہے تمہیں ناپسند ہی کیوں نہ ہو معاہدہ نکاح کو نبھانے کی کوشش کرتے رہو عین ممکن ہے کہ اللہ نے اسی رشتہ میں تمہارے لئے بھلائی رکھی ہو تم مستقل بین نہیں ہو مگر اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ ظاہر ہے یہ وہ ناپسندیدگی ہے جو شادی کے بعد عورت کے کسی رویہ سے مرد کے دل میں پیدا ہوتی ہے وگرنہ یہ شادی پسند سے ہی ہوئی تھی **فانکحو اما طاب لکم من النساء** ''نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند آئیں'' کے حکم کے پیش نظر یہ شادی ہوئی تھی۔ تمہیں پورا اختیار دیا گیا تھا کہ سوچ سمجھ کر بقائمی ہوش وحواس اپنی خوشی سے اور اپنی پسند کے مطابق یہ معاہدہ کرو اب تمہیں چاہیے کہ حتی الامکان اسے نبھاؤ ہاں اگر ایسی صورت حالات غیر متوقع طور پر پیش آ جاتی ہے کہ یہ معاہدہ توڑنا پڑتا ہے تو مرد کو طلاق کا حق ہے اور عورت کو خلع کا۔ یہ طلاق اور خلع دونوں آخری چارۂ کار ہیں۔ اور خاص طور پر طلاق تو بقول رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

﴿البغض المباحات عند الله الطلاق﴾

''اللہ کے نزدیک جائز ہو جانے والے امور (مباحات) میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے طلاق ہے''

کیونکہ معاہدہ نکاح کے وقت تمہاری آنکھوں پر پٹی کسی نے نہیں باندھی تھی ۔ یہ ہے نکاح جو میثاق غلیظ ہے مگر متعہ تو ایسا نہیں ہے یہ تو زندگی بھر کی رفاقت کا معاہدہ نہیں یہ تو محض دفع الوقتی ہے اسے نکاح کہنا لفظ نکاح کی توہین ہے ۔ اسکے لئے صحیح ترین لفظ جو قرآن نے استعمال کیا ''سفاح'' ہے۔ سفاح کے لغوی معانی ''بہا دینا'' ''گرا دینا'' یعنی ضائع کر دینا ہیں ۔ جبکہ نکاح کے معنی ایک دوسرے میں جذب ہو جانا ہیں سرسید نے متعہ کے لئے ''سفاح'' کا لفظ موزوں سمجھا ہے ۔ ہمارے قدیم مفسرین میں امام فخر الدین رازی نے امام ابوبکر رازی کا یہ قول متعہ کے عدم جواز پر لوگوں کے دلائل کے سلسلہ میں نقل کیا ہے ۔

> ''غیر مسافحین'' کے لفظ میں خدا تعالی نے زنا کو ''سفاح'' سے تعبیر کیا ہے اسلئے کہ اس سے صرف ''سفح ماء'' یعنی رطوبات شہوانیہ کو گرا دینا منظور ہوتا ہے اور اس میں حصول اولاد یا دوسرے فوائد نکاح مطلوب نہیں ہوتے اور متعہ میں بھی صرف ''سفح ماء'' منظور ہوا کرتا ہے لہذا وہ بھی سفاح ہے'' (تفسیر کبیر ج ۳ طبع مصر ص ۱۹۷)

امام رازی اپنی عادت کے مطابق اس کا جواب دینے کی بھی کوشش کرتے ہیں ذرا جواب بھی ملاحظہ فرمایئے

''ان کا یہ کہنا کہ زنا سفاح ہے ۔ اسلئے کہ اس سے منظور سفح ماء'' ہے درست ہے لیکن متعہ میں ایسا کام یعنی سفح ماء ہوتا تو ہے مگر شریعت اور اذن خداوندی کے ساتھ ہوتا ہے'' (ایضاً) امام رازی کا یہ جواب کتنا کمزور ہے اسی متعہ پر یہی تو اعتراض ہو رہا ہے کہ یہ شریعت اور اذن خداوندی نہیں پھر آپ اسی کو دلیل بنا رہے ہیں یہ تو وہی بات ہوئی کہ کوئی کہہ رہا تھا ''رات نہیں'' دوسرے نے کہا ''رات ہے'' جب دوسرے سے دلیل طلب کی گئی تو اس نے کہا ''چونکہ رات ہے اسلئے میں کہہ رہا ہوں کہ یہ رات ہے '' بہر حال ابوبکر رازی اور سرسید کا متعہ پر یہ اعتراض بڑا وقیع ہے اسکے جواب میں شیعہ حضرات نے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور آخر یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ممنوعہ عورت کی عدت بھی ہوتی ہے اسلئے اس سے بھی نکاح کی طرح اولاد منظور ہوتی ہے مگر یہی حضرت یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک آدمی کی پہلی بیوی بیمار ہو تو وہ متعہ کریگا دوسرا نکاح دائمی اسلئے نہیں کرتا کہ اس پر بار گراں پڑ جائیگا ۔ پھر اگر اولاد اسکے ذمہ لگتی ہے تو کیا اس پر وہی بار گراں نہیں پڑتا اسکے علاوہ شاہ عبد العزیز صاحب کا وہ اعتراض بھی اپنی جگہ موجود ہے اور بڑا معقول اعتراض ہے کہ مسافر یہاں وہاں متعہ کرتا پھرتا ہے اسکی اولاد کا ریکارڈ کس کے پاس ہوگا

اور کون گارنٹی دے گا کہ کل بھائی بہن آپس میں نکاح نہیں کربیٹھیں گے جبکہ ایک شہر میں ایک شخص کی زن ممتوعہ سے لڑکی پیدا ہوئی اور دوسری جگہ لڑکا اور اسکی ضمانت کون دیگا کہ کل وہی شخص خود پھرتا پھراتا اسی شہر میں آجائے جہاں اسکی ممتوعہ عورت بیٹی پیدا کر کے مرگئی تھی تو وہ شخص خود اپنی بیٹی سے متعہ نہیں کریگا۔ جناب علامہ سید علی نقی النقوی نے اپنی کتاب متعہ اور اسلام میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے یہ اعتراضات نقل کئے ہیں مگر جواب نہیں دیا مفروضات کہہ کر ٹال گئے اور فرمایا ہم شیعوں کو تو کبھی ایسا مسئلہ پیش نہیں آیا۔ جناب نقوی صاحب کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ایسا واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔

جدید مفکرین کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الرجال قوامون علی النساء کے تحت نکاح کے ساتھ ہی عورت اور پھر اولاد کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد ہو جاتی ہے مگر متعہ میں کیا ہوگا؟ ایک صاحب نے متعہ کیا وہ چلے گئے ایک دو بچے پیدا ہو گئے یہ زن ممتوعہ پر آ گئے۔ ڈیڑھ ماہ کے بعد اور صاحب تشریف لے آئے انہوں نے مستی جھاڑی اور سفر پر روانہ ہو گئے۔ ان کی بھی اولاد اسی عورت کی گردن پر آخر کب تک یہ سلسلہ چلے گا۔

متعہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ بازاری عورتوں سے نہیں شریف زادیوں سے ہوتا ہے معلوم نہیں وہ شریف باپ کہاں رہتے ہونگے جو اپنی معصوم بیٹیوں کو چند روپوں کے عوض دو چار دن کے لئے غیر مرد کے آگے ڈال دیں گے اور اپنی بیٹی کو داغدار کر کے اسکا مستقبل تاریک کر دینگے کیونکہ اگر ممتوعہ کا بچہ پیدا ہو گیا اور اسکے والد گرامی غائب ہو گئے تو عورت بیچاری کی ساری عمر تباہ ہو جائیگی۔ اور اسکے سوائے اسکا کوئی چارۂ کار نہیں ہوگا کہ وہ باقی عمر متعہ کرتی رہے پھر اس میں اور بیسوا میں کیا فرق رہیگا اور وہ اتنی اولادیں کیسے پالے گی؟ ان اولادوں سے بچنے کے لئے وہ کسبیوں کی طرح مانع حمل آلات وادویات استعمال کرنے پر مجبور ہوگی یوں ''وہ بازار'' کھل جائینگے جن کا اسلام دشمن ہے۔

متعہ کے قائل حضرات متعہ کے جواز پر عقلی دلائل اور ''رہنمایاں شریعت حضرات ائمہ معصومین'' کی ہدایات بھی پیش کرتے ہیں سید علی نقی النقوی فرماتے ہیں ''چنانچہ ہم اس وقت روسائے ملت اور رہنمایاں شریعت حضرات ائمہ معصومین کے بعض اقوال وہدایات پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کس حد تک ان حضرات نے اس جزو کی حفاظت فرمائی ہے۔ اور بلاضرورت متعہ کرنے کی ممانعت کی ہے'' (متعہ اور اسلام ص ۷۰)

فتح بن یزید کی روایت کے مطابق جناب امام موسی کاظم نے فرمایا

''وہ شخص جسکی شادی ہو چکی ہے اور متعہ کی اسکو ضرورت باقی نہیں رہی تو اسکے لئے متعہ اس وقت جائز ہوگا جب وہ کہیں سفر میں جائے اور زوجہ ساتھ موجود نہ ہو'' (بحوالہ متعہ اور اسلام ص ۷۱)

سفر میں ایک شخص مثلاً لاہور جاتا ہے وہ ''بازاری عورت'' (اگر موجود ہو اول تو آجکل موجود نہیں) سے متعہ نہیں کرسکتا کیونکہ حضرت وامام علی رضا کا فرمان ہے۔

''اگر عورت ایسی ہے کہ زنا کاری میں مشہور ہے تو اس سے نہ نکاح کیا جائے نہ متعہ'' (بحوالہ متعہ اور اسلام ص ۷۳) اب وہ کس شریف زادے کے پاس جائیگا۔ کیا ایسے ادارے بنائے جائینگے جن میں متعہ کے لئے عورتیں دستیاب ہونگی جیسے ''شادی دفتر'' کھلے ہوئے ہیں اور اگر ایسے ادارے کھولے جائینگے تو آخر ان میں اور قحبہ خانوں میں کیا فرق ہوگا؟ علامہ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں

''عہد سعادت (حضور صلی کے عہد میں) متعہ رائج تھا یا نہیں بعد کو وہ ممنوع قرار دیا گیا یا نہیں؟ اس سے بحث فضول ہے لیکن یہ ضرور قابل غور ہے کہ عہد حاضر میں جب کہ آزادی تمام حدود سے گزر جانا چاہتی ہے متعہ کا جواز کہیں آوارہ فحاشی کی صورت تو اختیار نہیں کریگا اور سوسائٹی اس کو برداشت کر سکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ ایران میں جہاں صدیوں سے متعہ کا جواز چلا آرہا تھا رضا شاہ پہلوی نے اس کو بالکل بند کر دیا کیونکہ اس وقت جبکہ عورتوں کا پردہ اٹھتا جارہا ہے متعہ کا جواز جو آفتیں ڈھا سکتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اور اس کو صرف اس دلیل پر کبھی مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ برا کام کرنے کا اچھا طریقہ ہے'' (نگار لکھنو نومبر ۱۹۳۳)

سنا ہے ایران میں شیعہ تھیا کریسی نے اسے پھر سے حلال کر دیا ہے۔ علامہ نیاز فتحپوری کے اقتباس کا آخری جملہ پڑھیئے اور پھر درج ذیل روایت پر نظر ڈالیے آپ سمجھ جائینگے کہ انہوں نے کس تناظر میں یہ جملہ لکھا ہے۔

''محدث عبدالرزاق نے اپنی کتاب میں ابن جریج سے اور انہوں نے عطاء سے روایت کی ہے کہ ابن عباس کہا کرتے تھے کہ متعہ کا جائز ہونا خدا کی طرف سے اپنے بندوں پر ایک رحمت کی صورت رکھتا تھا۔ اور اگر عمر نے ممانعت نہ کی ہوتی تو کبھی کسی کو زنا کی ضرورت نہ ہوتی'' (تفسیر مظہری ص ۶۷۲) حضرت ابن عباسؓ کو متعہ کا بہت بڑا حامی بلکہ علمبردار ثابت کیا جاتا ہے ان سے متعہ کے جواز کی ایک اور علت بھی بیان کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی وقتی ضرورت کے پیش نظر جائز ہوا تھا

''ابن عباس کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے متعہ سے ممانعت کر دی پھر اسی سلسلہ میں کہا ''خداوند عالم نے متعہ حلال کیا تھا لوگوں کے لئے عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس بناء پر کہ اس زمانہ میں عورتیں کم تھیں''۔ (سنن دار قطنی مطبوعہ دہلی ج ۲ ص ۳۹۸) گویا اگر نکاح ہو جائے تو بہت سے مرد بچ جاتے اسلئے اس کا حل نکالا گیا کہ ایک عورت کئی مردوں کے کام آ جائے۔

سرسید احمد خان مرحوم نے متعہ کی روایات پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھی دیکھ لیجئے۔

''علماء کا اتفاق ہے کہ ابتدائے اسلام میں متعہ جائز تھا اور اس باب میں کہ وہ بدستور ہے یا ممنوع یا منسوخ ہو گیا ہے اختلاف ہے گروہ کثیر امت کا خیال ہے کہ اس آیت میں تو بلاشبہ جواز متعہ کا حکم ہے لیکن یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے مگر جن آیتوں سے اسکے نسخ کا استدلال کرتے ہیں وہ استدلال میرے نزدیک نہایت ضعیف ہے۔ اور گروہ قلیل امت کا یہ قول ہے کہ حکم جواز متعہ بدستور بحال وغیر منسوخ ہے ابن عباس سے اس میں مختلف روایتیں ہیں ایک روایت تو جواز متعہ کی ہے بلا کسی قید کے اور ایک روایت میں اسکا جواز بحالت اضطرار بیان ہوا ہے جیسے کہ مردار اور سوٴر کا گوشت بحالت اضطرار کھالینا جائز ہے اور ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ ابن عباس نے تسلیم کیا کہ حکم جواز منسوخ ہو گیا ہے عمران بن حصین اسکے جواز کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ جواز متعہ کی آیت قرآن میں موجود ہے اور اسکے بعد کوئی ایسی آیت جس سے حکم جواز متعہ منسوخ ہوا ہو نازل نہیں ہوئی اور شیعہ حضرت علی مرتضیٰ سے جواز متعہ کی بہت سی روایتیں بیان کرتے ہیں مگر اہل سنت کے ہاں حضرت علی مرتضیٰ سے کوئی معتبر روایت جواز متعہ پر منقول نہیں محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت علی سے یہ روایت لکھی ہے کہ اگر عمر لوگوں کو متعہ کرنے سے منع نہ کرتے تو بجز کسی بدبخت کے کوئی زنا نہ کرتا اور محمد بن الحنفیہ جو حضرت علی کے بیٹے ہیں یہ روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ ابن عباس کے پاس گئے جو جواز متعہ کا فتویٰ دیتے تھے اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع کیا ہے''(تفسیر القران ج ۲ ص ۹۲، ۹۳، ۹۴ شائع کردہ دوست ایسوسی ایٹس لاہور)

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔

''باقی رہیں روایتیں جن سے بجز اسکے کچھ نہیں پایا جاتا کہ مکہ کی عورتیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے گئے تو بناؤ سنگار کر کے بیٹھتی تھیں اصحاب رسول طول غربت کے باعث انکی طرف متوجہ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا ''ان عورتوں سے متعہ کر لو'' (تفسیر کبیر) بن سنور کر بیٹھتی تھیں جیسے اب بھی اس قسم کی عورتیں میلوں اور مجمعوں میں بناؤ سنگار کر کے بیٹھتی ہیں اور ان سے متعہ کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی'' یہ سب روایتیں محض بیہودہ اور لغو ہیں جس قدر حدیثیں جواز متعہ پر بیان ہوئی ہیں اور جس قدر کہ ان کی منسوخی یا بحالی کی نسبت منقول ہیں ان میں سے کوئی بھی لائق التفات اور قابل تسلیم نہیں کیونکہ ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں متعہ پر جو بحث شروع ہوئی ہے وہ اسی آیت کی بناء پر ہوئی ہے۔ کہ علماء ومفسرین نے غلطی سے سمجھا کہ اس آیت سے جواز متعہ نکلتا ہے پھر ایک گروہ اس کا مخالف ہوا اس نے اسکی منسوخی ثابت کرنے پر توجہ کی اور اس کی تائید پر ناسخ حدیثیں موجود ہو گئیں اور اسکے مؤیدین نے اس کے جواز کی حدیثیں پکڑ بلائیں شیعہ کے پشت پناہ تو جناب علی مرتضٰی ہیں ہی انہوں نے سچ جھوٹ جو چاہا امام مظلوم علیہ السلام پر تہمت دھر دی البتہ اگر اس آیت سے حکم امتناع متعہ تسلیم کیا جائے جو اس زمانہ میں عرب میں مروج تھا تو وہ روایتیں جن میں بلا ذکر نسخ صرف حکم امتناع متعہ ہے اس آیت کے قابل ترجیح یا لائق اعتماد مقصود ہو سکیں گی اور خیال ہو سکتا ہے کہ بعد نزول اس آیت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کا امتناع کیا''۔ (ایضاً ص ۹۸۔۹۹)

آخر میں سرسید کہتے ہیں کہ صحابہ سے جواز متعہ کی جو روایات منسوب ہیں ہم انہیں صحیح تسلیم نہیں کرتے اس مسئلہ میں سرسید کے ساتھ جدید مفکرین اسلام بھی متفق ہیں کیونکہ جب اسلام پر حرف آ رہا ہو تو روایات کے تقدس کی پاسداری ضروری نہیں رہتی۔

رہی ملک یمین یا کنیزوں کی بات تو جدید مفکرین اسلام کا عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم میں ان کا حکم جہاں بھی آیا ہے۔ صیغہ ء ماضی کے ساتھ آیا ہے **ما ملکت ایما نکم** ''جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوئے''، چونکہ اسلام سے پیشتر ایک طویل دور غلامی کا تسلسل آ رہا تھا غلام اور لونڈیاں وہ

لوگ تھے جو جنگوں میں مغلوب ہونے والے ملکوں اور شہروں سے پکڑ کر لائے جاتے تھے پھر انہیں آپس میں تقسیم کر لیا جاتا تھا انکی منڈیاں بھی سجتی تھیں اور برابر خرید و فروخت ہوتی تھی یہ لوگ عرب معاشرہ کا ایک جزو تھے۔ اسلام یہ پیغام لے کر آیا تھا کہ انسان بحیثیت انسان واجب التکریم ہے **ولقد کرمنا بنی آدم** ''اور ہم نے اولاد آدم کو معزز و مکرم بنایا'' اسلئے غلامی کا طوق اسکے گلے میں ڈالنا زیب نہیں دیتا تھا اسلام تو یہی طوق و سلاسل، یہی بیڑیاں اور زنجیریں کاٹنے آیا تھا **لیضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم** تاکہ وہ انکے بوجھ اتار دے جنہوں نے انکی پیٹھوں کو دوہرا کر رکھا ہے اور وہ طوق کاٹ دے جنہوں نے انکی گردنوں کو بوجھل کر دیا ہے۔ اگر اسلام تمام غلاموں اور لونڈیوں کو ایک دم آزاد کر دیتا تو معاشرتی مسئلہ پیدا ہو جاتا بے روزگار اور بے سہارا لوگوں کی فوج اچانک نمودار ہو جاتی اور ریاست کا معاشی ڈھانچہ تباہ ہو جاتا اسلئے اسلام نے آہستہ آہستہ انہیں آزاد کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اگر تم سے فلاں جرم سرزد ہو جائے تو کفارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرو۔ اسلامی ریاست کے مالی نظام کی اہم کڑی زکوۃ و صدقات ہیں مصارف زکوۃ و صدقات میں ایک اہم مصرف **فی الرقاب اور فک رقبه** ''غلاموں کو آزاد کرنا'' تھا۔ جس کے لئے رقم مختص کرنا پڑتی تھی یعنی غلاموں کو خرید کر آزاد کر دو۔ اسطرح انفرادی اور اجتماعی طور پر سابقہ غلاموں کو آزاد کرانے کی مہم چلائی گئی ادھر اسلام کے قوانین جنگ میں قرآن نے یہ قانون دیا کہ

﴿**حتی اذا اثخنتمو هم فشد و الو ثاق فاما منا بعدو اما فداء**﴾

''جنگی قیدیوں کو باندھ لو پھر اسکے بعد یا تو انہیں فدیہ لے کر رہا کر دو یا احسان دھر کر''

فدیہ میں اپنے جنگی قیدیوں سے تبادلہ یا رقم لے کر رہا کرنا دونوں آ گئے اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہو سکتی ہوں تو پھر انہیں مرہون احسان کر کے آزاد کر دو گویا اب غلام بنا کر فوجی سپاہیوں میں تقسیم کر دینے کی پرانی روایت ختم ہو چکی تھی۔ پہلے سے جو کنیزیں مسلمانوں کے پاس تھیں ان سب سے جو مسلمان یا اہل کتاب تھیں ان سے نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی کہا گیا کہ جو شخص آزاد مسلمان عورت سے شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا وہ کنیز کے ساتھ تعلق زناشوئی پیدا کرے۔ جس غلام عورت کی اولاد پیدا ہو جاتی وہ اپنے مالک کی بیویوں کی طرح ہو جاتی اور ام ولد کہلاتی اولاد کے قانونی حقوق صلبی اولاد کی طرح ہوتے اب اسے بیچا نہیں جا سکتا تھا کیونکہ بیویوں کو بیچا نہیں جاتا مالک مر جاتا تو ام ولد آزاد ہو جاتی۔ رہی ''عزل'' کی بات تو وہ ویسی ہی روایت ہے جس قسم کی روایات کا سرسید نے انکار کیا

ہے ایسی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا نفاست ذوق کے خلاف ہے۔

گویا جدید مفکرین اسلام متعہ کی کسی صورت کو بھی اسلام قرار دینے کے لئے تیار نہیں۔

یہ خدا اور رسول کی طرف سے مسلمانوں پر نازل کی ہوئی رحمت نہیں بلکہ اسی بے شرم رسم کی بھونڈی نقل ہے جسکے متعلق علامہ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں ''بعض اقوام میں عارضی شادی کا بھی رواج ہے یعنی زن و مرد ایک مدت کے لیے عہد و پیمان کر لیتے ہیں اگر اس دوران میں عورت موافق مزاج کے ثابت ہوئی تو مستقل نکاح بھی کر لیا جاتا ہے ورنہ فریقین میں مفارقت ہو جاتی ہے'' (شہوانیات ص ۲۲) وہ چیز آزمائشی شادیوں کے رواج کی بنیاد بنی اور یہ متعہ مذہب کے نام پر فحاشی کی تجدید ثابت ہوا۔

مگر مولانا مودودی

کسی صاحب نے کہا تھا مودودی دو ہیں ایک وہ جو جماعت اسلامی کے نام سے سیاسی جماعت قائم کرنے سے پہلے تھا وہ بے خوف لومۃ لائم جس بات کو حق سمجھتا تھا کہہ دیتا تھا مگر سیاست میں آنے کے بعد اور بالخصوص یہ فیصلہ کرنے کے بعد کہ جماعت اسلامی انتخابات میں حصہ لیگی بالکل دوسرا مودودی پیدا ہوگیا جسے ووٹ حاصل کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ ووٹروں کے جذبات ومعتقدات کا خیال بھی رکھنا پڑتا تھا مولانا مودودی صاحب کو چونکہ شیعہ حضرات سے بھی ووٹ لینے تھے اسلئے وہ عجیب عجیب مفروضات قائم کر کے متعہ کے جواز کے پہلو نکالنے لگے چنانچہ لکھتے ہیں۔

''فرض کیجئے کہ ایک جہاز سمندر میں ٹوٹ جاتا ہے ایک مرد اور ایک عورت کسی تختے پر لیٹے ہوئے ایسے سنسان جزیرے میں جا پہنچتے ہیں جہاں کوئی آبادی موجود نہ ہو وہ ایک ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہیں اور شرعی شرائط کے تحت ان کے درمیان نکاح بھی ممکن نہیں اسی حالت میں انکے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ باہم خود ہی ایجاب و قبول کر کے اسوقت تک کے لئے عارضی نکاح کرلیں جب تک وہ آبادی میں نہ پہنچ جائیں یا آبادی ان تک نہ پہنچ جائے کم وبیش ایسی ہی اضطراری صورتیں اور بھی ہو سکتی ہیں متعہ اسی طرح کی اضطراری حالت کے لئے ہے''

(ترجمان القران اگست ۱۹۵۵)

سورۂ مومنون کی آیت نمبر ۵۶ کی تفسیر میں یہ کچھ فرمایا جارہا ہے میلان انکا متعہ کی تحریم کی طرف ہے مگر پھر شیعہ حضرات کو بھی راضی رکھنا ہے اسلئے عبارت میں عجیب تضاد اور اضطراب آ گیا ہے ذرا ملاحظہ فرمائیے آیۃ نمبر ۵۶ **والذین ھم الغرو جھم حفظون** والی وہی آیت ہے جسے شاہ عبدالعزیز صاحب اور دیگر مفسرین نے ناسخ آیت قرار دیا ہے مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

''بعض لوگوں نے متعہ کی حرمت بھی اس آیت سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ ممنوعہ عورت نہ تو بیوی کے حکم میں داخل ہے اور نہ لونڈی کے حکم میں لونڈی تو وہ ظاہر ہے کہ نہیں ہے اور بیوی اسلئے نہیں ہے کہ زوجیت کے لئے جتنے قانونی احکام ہیں ان میں سے کسی کا بھی اس پر اطلاق نہیں ہوتا وہ نہ مرد کی وارث ہوتی ہے نہ مرد اس کا وارث ہوتا ہے نہ اس کے لئے عدت ہے نہ طلاق نہ نفقہ نہ ایلا اور ظہار اور لعان وغیرہ بلکہ چار بیویوں کی حد سے بھی وہ مستثنیٰ ہے پس جب وہ بیوی اور لونڈی دونوں کی تعریف میں نہیں آتی تو وہ لامحالہ ''ان کے علاوہ کچھ اور'' میں شمار ہوگی جس کے طالب کو قران حد سے گزرنے والا قرار دیتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ آیت تحریم کے بارے میں صریح بھی نہیں اور اس سے تحریم پر استدلال ان ثابت شدہ احادیث کے بھی خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے زمانہ میں اس کو حرام قرار دیا ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ حرمت متعہ کا حکم قرآن کی اس آیت میں ہی آ چکا تھا جو ہجرت سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے فتح مکہ تک جائز رکھتے لہذا تسلیم کرنا پڑیگا کہ متعہ کی حرمت قران کے کسی صریح حکم پر نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مبنی ہے سنت میں اسکی صراحت نہ ہوتی تو محض اس آیت کی بناء پر تحریم کا فیصلہ کر دینا مشکل تھا متعہ کو مطلقا ''حرام قرار دینے یا مطلقا'' مباح ٹھہرانے میں سنیوں اور شیعوں کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے اس میں بحث و مناظرہ نے بیجا شدت پیدا کر دی ہے ورنہ امر حق معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے انسان کو بسا اوقات ایسے حالات سے سابقہ پیش آتا ہے جن میں نکاح ممکن نہیں ہوتا اور وہ زنا یا متعہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے ایسے حالات میں زنا کی نسبت متعہ کر لینا بہتر ہے'' (ماہنامہ ترجمان القران لاہور ماہ اگست ۱۹۵۵)

اس عبارت سے مولانا نے متعہ کو حکم خداوندی تو مان لیا اب وہ اس مجا کمہ پر آ گئے کہ یہ حکم خداوندی قران کی کسی آیت سے منسوخ ہوا یا حدیث سے وہ فرماتے ہیں۔

قرآن سے نہیں ہوا۔ کیوں؟ اسلئے کہ یہ استدلال قرآنی ان ثابت شدہ احادیث کے خلاف ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے زمانہ میں اسکو حرام قرار دیا تھا۔ یعنی قران کو ثابت شدہ احادیث کے خلاف نہیں ہونا چاہیے غور کیجئے پہلے آپ یہ سنتے آئے تھے کہ حدیث وہی قول رسول ہے جو قرآن کے خلاف نہ ہو اب یہ دوسری اور اسکے متضاد بات مودودی صاحب نے فرما ڈالی۔

پھر وہ فتح مکہ والی احادیث کو ثابت شدہ کہتے ہیں حالانکہ روایات بالکل مختلف ہیں۔

۱۔ جنگ خیبر میں متعہ کو حرام قرار دیا۔ ۲۔ فتح مکہ میں حرام قرار دیا۔

۳۔ اوطاس یعنی حنین میں ایسا ہوا۔ ۴۔ عمرۃ القضاء میں ایسا ہوا۔

۵۔ حجۃ الوداع میں ایسا ہوا۔ ۶۔ متعہ دو تین بار حلال اور دو تین بار حرام ہوا۔

یہ مختلف روایات ہیں مگر مودودی صاحب فتح مکہ والی روایت کو ثابت شدہ کہتے ہیں چلو یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ ثابت شدہ ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول نے اللہ کے حکم کو منسوخ کر دیا اور جسے اللہ نے ابتک حلال کر رکھا تھا اب اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام ٹھہرا دیا۔ چلو حرمت تو ثابت ہوگئی مگر اگلے قدم پر ہی پینترا بدلتے ہیں اور کہتے ہیں مطلقاً حرام بھی نہیں اور مطلقاً مباح اور حلال بھی نہیں مجبوری کی حالت میں ''حلال'' ہے اور ویسے ''حرام'' ہے۔ لو سنیوں کے ووٹ بھی مل گئے شیعوں کے بھی اسلام ''نیمے دروں نیمے بروں'' رہ گیا۔

جدید مفکرین اسلام جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں ان تمام روایات کو بے معنی سمجھتے ہیں وہ قرآن حکیم پر کسی اور کتاب کو قاضی نہیں مانتے وہ کہتے ہیں قرآن نے بڑی وضاحت سے قوانین نکاح وطلاق بیان کر دیئے ہیں جس آیت کو آیت متعہ بنا دیا گیا ہے اس کو متعہ سے کوئی تعلق نہیں جن لوگوں نے اسے آیت متعہ سمجھا ہے ان کے ذہنوں پر انہی بے سروپا روایات کا غبار چھایا ہوا تھا۔ وہ آیت تو جیسا کہ سر سید نے لکھا ہے نکاح اور سفاح میں واضح فرق بیان کر کے متعہ اور اس جیسے دوسرے حیلوں کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ جنسی تشنگی اور شہوانی بھوک کوئی بھی اضطرار طاری نہیں کرتی یہ قوت خیال کے تابع ہے وہ لوگ بھی یقیناً موجود رہے ہیں جنہوں نے صحیح طور پر عمر تجرو میں گزار دی ہے قرآن نکاح کا واضح حکم دیتے ہوئے ایسے فرضی اضطرار کو بھی نگاہ میں رکھتا ہے اور صاف حکم دیتا ہے کہ

﴿ویستعفف الذین لا یجدون نکا حاً حتی یغنیھم واللہ من فضلہ﴾

''یعنی اور چاہیے کہ اپنی عفت اور عصمت بچائیں وہ جونہیں پاتے ہیں مال کہ اس کے ذریعے سے نکاح کر سکیں یعنی مہر اور نفقہ دینے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو چاہیے کہ اپنی عصمت وعفت بچانے میں تکلیف گوارا کریں اسوقت تک کہ حق تعالی ان کو غنی کر دے''۔

یہ ترجمہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاوی سے لیا گیا ہے وہ اس آیت کو اس فما ستمتتم والی آیت کا ناسخ قرار دیتے ہیں تو شیعہ حضرات اور دوسرے لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ آیت مکی ہے اور جس آیت کو آیت متعہ کہا جاتا ہے وہ مدنی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پہلے ناسخ نازل ہو گیا پھر منسوخ نازل ہوا۔ اگر شاہ صاحب پر روایات پرستی سوار نہ ہوتی تو انہیں بے جا تاویلات کا سہارا نہ لینا پڑتا۔ یہ راویات اور مکی مدنی کے اور ناسخ منسوخ کے یہ چکر کوئی حقیقت نہیں رکھتے بالکل صاف اور سیدھی بات ہے کہ جو لوگ نکاح سے عائد ہونے والے دوسرے فرائض یعنی مہر و نان نفقہ کی طاقت نہیں رکھتے انہیں قرآن ضبط نفس کا حکم دے رہا ہے اگر متعہ کسی طرح حلال اور جائز کرنا مقصود ہوتا تو یہ موقع تھا کہ متعہ کا حکم دیا جاتا ضبط نفس کا حکم کیوں دیا جاتا۔ شاہ صاحب نے اس آیت سے بالکل اسی طرح کا استدلال کیا ہے لکھتے ہیں۔

''اگر متعہ جائز ہوتا تو ممکن ہوتا کہ کسی عورت کو دو چار پیسے یا دو تین آنے ایک رات کا خرچ دیتے اور دو چار مرتبہ جماع کر کے فراغت حاصل کر لیتے عفت بچانے میں تکلیف اور رنج اٹھانے کی ضرورت نہ ہوتی'' (فتاوی عزیزی ص ۵۴۹) مگر پھر ان پر روایت پرستی غالب آتی ہے اور وہ عجیب عجیب تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔

اورعورت

متعہ کی بحث ہم نے پوری تفصیل سے لکھی ہے۔ قائلین متعہ کے دلائل خاص طور پر انتہائی زور دار انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے متعہ کو حرام کہنے والوں کے دلائل بھی اسی طرح پیش کئے ہیں یہ ساری تفاصیل آپ پڑھ چکے ہیں قائلین متعہ نے متعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ آسانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمتہ اللعالمینی کا ایک رنگ قرار دیا (دیکھئیے متعہ اور اسلام ص ١٧) اسکے ساتھ ہی انسان کے فطری تقاضوں پر بھی صفحوں کے صفحے سیاہ کئے گئے پھر ان مردوں کا ذکر ہوا جو بیچارے سفر میں ہیں اور ان کی بیویاں انکے ساتھ نہیں یا جن مجبور اور بیچارے مردون کی بیویاں بیمار پڑ گئیں اور وہ ان سے شہوات نفسانی اور خواہشات جنسی پوری نہیں کر سکتے ان کے حال زار پر آنسوؤں بھری دلسوزی اور خلوص بھری ہمدردی برسائی گئی مگر ان تمام دفتر ہائے بے پایاں میں کہیں بے چاری عورت کا نام نہیں آیا۔ کیا وہ انسان نہیں؟ کیا فطرت ان سے کوئی تقاضا نہیں کرتی؟ کیا انہیں جنسی جذبات مجبور نہیں کرتے شوہر نامدار صاحب سفر پر گئے آپ نے وہاں انکے جذبات کی تسکین کا سامان کر دیا وہ ایک سال رہیں دو تین سال رہیں انہیں کوئی پروا نہیں آپ جیسے ہمدردوں کے ہوتے ہوئے انہیں کیا پروا ہو سکتی ہے انہیں اپنی مرضی کے مطابق سب کچھ مل جائیگا آپ کا خدا بھی ان پر مہربان آپ کا رسول بھی ان پر مہربان (خدا مجھے معاف کرے)

مگر آپ نے گھر میں بیٹھی ہوئی بیوی کے متعلق کچھ نہیں سوچا آپ کہتے ہیں اسے آپ کی نسل کو مختلط نہیں کرنا چاہیے۔ اسے آپ کی ناک کا خیال رکھنا چاہیے جب آپ اس کے لئے ذرا سی بھی ہمدردی نہیں رکھتے تو آپ کو کیسے یقین ہے کہ وہ آپ سے ہمدردی رکھیگی آج مانع حمل دوائیاں بآسانی دستیاب ہیں اور نہ ہوں تو ''عزل'' کا اور ''ساتھی'' کا سہارا تو موجود ہے وہ کیوں آپ کی ناک کا خیال رکھے گی جبکہ اسے معلوم ہے کہ آپ باہر گلچھرے اڑا رہے ہیں۔ کیوں نہیں آپ اپنی ناک کا خیال

رکھتے کہ وہ بھی آپ کی ناک کا خیال رکھے ایک روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ رات کے گشت کے دوران دو تین دفعہ ایک مکان کے قریب سے گزرے تو گھر میں ایک عورت کو ہجر وفراق کے حزینہ اشعار گاتے سنا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس عورت کا خاوند کئی ماہ سے جہاد پر گیا ہوا ہے۔ جناب عمر فاروقؓ نے انتہائی حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے قانون نافذ کر دیا کہ کوئی فوجی تین ماہ سے زیادہ گھر سے باہر نہ رکھا جائے تین ماہ کے بعد اسے رخصت پر گھر بھیجا جائے۔

غیر ملکی حکومتوں کو خواہ سعودی عرب کی حکومت ہو خواہ امریکہ کی اس قانون کی پابندی کرنی چاہیے۔ اور سفر کے اخراجات میں ملازم کو رعایت دینی چاہیے تا کہ وہ ملک بھی جنسی بدنہادی سے بچ جائے اور ملازم بھی بدکاری میں مبتلا نہ ہو۔

میں علمائے اہل تشیع کے سامنے بصد ادب یہ تفاصیل پیش کر رہا ہوں برطانوی سیاح خاتون فریا سٹارک (Freya Stark) کو جنوبی عربستان کی سیاحت کے دوران ایک خاتون ملی آگے کی تفصیل فریا سٹاک کی زبانی سنیئے۔

''نیچے گاؤں سے ایک خوبصورت عورت آئی اس کا خاوند شادی کے بعد ہی اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا وہ میرے پاس بیٹھی اپنے نوجوان خاوند کی بخیریت واپسی کے لئے ایک نظم گاتی رہی اسکے الفاظ کی ترجمانی اس کی خالہ نے کی۔ وہ درد بھری آواز میں گا رہی تھی۔

''واپس آ جا تیرے چچا کی بیٹی ان بے شمار اکیلی راتوں سے گھبرا گئی ہے
اسکے آنسو ستاروں سے زیادہ بہہ چکے''
لڑکیاں جو اسے گھیرے ہوئے تھیں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔
عطیہ (اس لڑکی کا نام) نے شرماتے ہوئے بڑی سادگی سے پوچھا
''کیوں کیا یہ ٹھیک بات نہیں کیا وہ مرا خاوند نہیں؟ کیا میں اسے واپس نہ بلاؤں؟
کیا مجھے اسکی ضرورت نہیں؟''
''وہ کب تک پردیس میں رہیگا؟
''کون جانتا ہے؟ شاید دس سال تک جیسے اللہ کی مرضی ہوگی''

پھر سب لڑکیاں سرد آہیں بھرنے لگیں کیونکہ ان وادیوں میں یہ سب کا غم تھا یہ سب کا مشترکہ دکھ تھا۔ بلاشبہ سب اپنے اپنے خاوندوں کا سوچ رہی تھیں، سب اپنے زخم کرید رہی تھیں۔ سب کے

خاوند پردیس چلے گئے تھے۔ شاید انہوں نے وہاں دوسری عورتوں سے شادیاں رچالی ہوں۔
میری خادمہ نور گلوگیر آواز میں بولی ''بی بی! عورت کے لئے دنیا کی زندگی کتنی سخت ہوتی ہے''

(The Southern Gates of Arabia by Freya Stark P.139)

تعدد ازدواج

ہم نے پچھلے صفحات میں ڈاکٹر جے ڈی انون (J.D Unwin) کی مشہور کتاب (Sex and Culture) کا ذکر کیا ہے اس میں ڈاکٹر صاحب نے شادی کو چار درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ Absolute Monogamy (مطلق وحدت زوج) اس میں مرد اور عورت ساری عمر ایک دوسرے تک محدود رہنے کے پابند کر دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے الگ ہو جانے کی بجز موت کوئی صورت نہیں ہوتی مرد کو حق طلاق ہوتا ہے نہ عورت کو، یورپ کے عائلی قوانین اسی فکر کے گرد گھومتے ہیں اگر چہ یورپ نے ایک عرصہ سے مذہب اور سیاست کو الگ کر رکھا ہے لیکن وہ پوری طرح مذہب سے جان چھڑا نہیں سکا مسیحی فقہ کے دو مکاتب فکر ہیں ایک کو Orthdoex Eastern Church اور دوسرے کو Roman Church کہتے ہیں۔

مسیحیت نے طلاق کے سلسلہ میں مسیح علیہ السلام کے اس قول کو بنیاد بنایا ہے۔

''جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے'' (متی ۱۹-۶)

یہ جملہ عام خاندانی روابط اور صلہ رحمی کے سلسلہ میں تھا یہی تعلیم قران حکیم میں بھی دہرائی گئی ہے ارشاد ربانی ہے

﴿ الـذين ينقضون عهد الله من بعد من بعد ميثا قه ويقطعون ما امر الله به ان يو صل ﴾ (البقره۔- ۲۷)

''جو لوگ اللہ تعالی کے ساتھ پختہ وعدہ کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں اور ان رشتوں کو قطع کرتے ہیں جنہیں اللہ نے ملائے رکھنے کا حکم دیا''۔

مسیحیت نے قول مسیح علیہ السلام کو صرف طلاق تک محدود سمجھا کلیسائے مشرق نے اخذ استنباط مسائل کا کام بہت عرصہ بعد مسلمان فقہاء کو دیکھ کر شروع کیا تھا اسلئے اس پر اسلامی فقہ کے گہرے

اثرات مرتب ہوئے اسلئے کلیائے مشرق نے مندرجہ ذیل صورتوں میں شوہر اور بیوی کو معاہدۂ نکاح ختم کرنے کا اختیار دیا ہے۔

۱۔ زنا اور اسکے مقدمات۔

۲۔ زوجین میں سے کسی کا اپنا مذہب چھوڑ دینا۔

۳۔ شوہر کا قسیس بن کر اپنی خدمات مذہب کے لئے وقف کر دینا۔

۴۔ بغاوت کا ارتکاب۔

۵۔ عورت کی طرف سے انتہائی درجہ کی نافرمانی۔

۶۔ نامردی ۔

۷۔ جنون۔

۸۔ برص وجذام۔

۹۔ طویل مدت کے لئے قید ہو جانا۔

۱۰۔ باہمی نفرت کا شدت پکڑنا اور ناموافقت مزاج کے باعث اکٹھے رہنے کا بالکل ناممکن ہو جانا۔

لیکن کلیائے مغرب نے جناب مسیح علیہ السلام کے قول ''جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی نہ توڑے'' کو نکاح تک محدود کر کے نکاح کے بندھن کو دائمی بنالیا یہ نہ سوچا کہ یہ رشتہ تو خود آدمی ہی جوڑتا ہے اسطرح رومن چرچ نے یہ قانون بنادیا کہ خاوند ہو یا بیوی ایک دفعہ قید نکاح میں آجائیں تو پھر کبھی آزاد نہیں ہو سکتے حالانکہ متی کی انجیل میں استثناء کی ایک صورت موجود تھی۔

''جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری شادی کرے زنا کرتا ہے'' (متی ۱۹-۹)

یہاں کم از کم یہ گنجائش تھی کہ حرامکاری کے باعث معاہدہ نکاح فسخ ہو سکتا تھا کلیائے مغرب نے کہا یہ استثنائی جملہ الحاقی ہے اور بعد کا اضافہ ہے اسے قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ بعد میں مشکلات کے باعث ایسی ہی مستثنیات کا سہارا لیا جاتا رہا اور یورپ کے مختلف ممالک میں عائلی قوانین میں تبدیلیاں لائی جاتی رہیں لیکن بنیادی روح وہی رہی۔ بہر حال ڈاکٹر انون کہتے ہیں کوئی قوم کبھی پوری طرح اسکی پابندی نہیں کر سکی۔ کیونکہ اس طرح دو زندہ انسانوں کو گوشت کا بے اختیار ڈھیر بنا دینا اور وہ بھی ہمیشہ

کے لئے نا قابل عمل ہے۔

۲۔ Absolute Polygamy (مطلق تعدد ازدواج) عورت صرف ایک مرد کی ہو کر رہے مگر مرد پر پابندی نہ ہو وہ متعدد بیویاں رکھ سکے۔

۳۔ Modified Monogamy (ترمیم شدہ وحدت زوج) رشتہ ازدواج عمر بھر کے لئے ہے مگر اختلاف کی صورت میں فریقین اس رشتہ کو توڑ بھی سکتے ہوں۔

۴۔ Modified Polygaby (ترمیم شدہ تعدد ازدواج) مرد ایک سے زیادہ بیویاں رکھے تو عورت کو بھی آزادی ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر جس مرد کے پاس چاہے چلی جائے۔

اسکے بعد ڈاکٹر موصوف فیصلہ دیتے ہیں کہ ''بہترین تمدن کی حامل وہ قوم ہے جس میں ترمیم شدہ وحدت زوج کا رواج تھا''یعنی مرد اور عورت قید نکاح میں آ کر انتہائی پاکیزگی کی زندگی بسر کر کے اپنے کو صرف ایک دوسرے تک محدود رکھتے لیکن یہ رشتہ نا قابل شکست نہ ہوتا اگر بناہ انتہائی دشوار ہو جاتا تو فریقین کو اختیار ہوتا کہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔

جنسی جذبہ کو بدلگام چھوڑا جائے تو بے پناہ معاشرتی مفاسد پیدا ہوتے ہیں اور تمدن ترقی کی بجائے رجعت قہقری میں گرفتار ہو کر قوم کو فنا کی وادیوں میں غرق کر دیتا ہے۔ لیکن اگر اس پر خوشگوار پابندیاں عائد کی جائیں تو یہ جذبہ اسی تندی اور تیزی سے قوت فکر و عمل کی طرف مڑ جاتا ہے یہی چیز ہے جسے مشہور عالم جنسیات ونفسیات ڈاکٹر فرائڈ (Sublimation) کہتا ہے ڈاکٹر انون لکھتا ہے

''جنسی تعلقات پر پابندیاں عائد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم میں قوت فکر و عمل بہت بڑھ جاتی ہے اور محاسبہ ذات کی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں''

(Sex and Culture P 317)

ڈاکٹر انون کی تحقیقات کے اس مختصر تعارف کے بعد اب آیئے تاریخ کی طرف دنیا میں کثیر البعول (ایک عورت کے زیادہ خاوند ہونا) معاشرے بھی موجود رہے ہیں یہ قحبہ گری سے الگ باقاعدہ شادی کی صورت گری کرنے والے معاشرے تھے۔ ہیروڈٹس نے مسے گٹاس قوم کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے یہاں ایک شخص ایک عورت سے شادی کرتا ہے لیکن پوری جماعت اس سے جنسی تعلق رکھتی ہے۔ مصریوں اور یونانیوں میں بھی یہ رواج موجود رہا ہے۔ جزائر ماکوسس جو فلپائنی جزائر کا حصہ ہیں وہاں بعض افریقی قبائل میں اسکا دستور ماضی قریب تک موجود رہا ہے۔ بلیرک

جزائر (Balearic Islands) میں عام طور پر یہ رواج تھا کہ شادی کی پہلی رات دلہن کے تمام اقربا عمر کے لحاظ سے علی الترتیب دلہن سے ہم بستر ہوتے اور سب سے آخر میں اسے دولہا کے حوالے کیا جاتا ڈاکٹر گستاؤلی بان نے ہندوستان میں بعض ایسے قبائل کی نشاندہی کی جن کے ہاں عورتوں کی کمی تھی اس کا انہوں نے یہ حل سوچ رکھا تھا کہ بڑا بھائی شادی کر کے دلہن لے آتا اور تمام بھائی عمر بھر اس سے مستفید ہوتے رہتے (تمدن ہند از گستاؤلی بان) بعض لوگوں میں یہ رواج بھی رہا کہ شادی ایک ہی مرد سے ہوتی مگر وہ مرد حصول ''خیر و برکت'' اور بیوی کو بار آور بنانے کے لئے پہلی رات معبد کے پجاریوں کے حوالے کرتا پہلے یہ کچھ حصول ثواب کی نیت سے کیا جاتا بعد میں اسے معبد کا حق (Jos Primae Noctis) سمجھا جانے لگا پھر یہ حق جاگیر دار نے لے لیا۔ (Right Of The First Night) مختلف ملکوں میں ایک عرصہ تک جاری رہا۔ تمدنی ارتقاء پر سوچنے والے محققین نے ان فنا شدہ یا فنا پذیر معاشروں کو ہمیشہ زوال کا شکار پایا اور اسی ''کثرت البعول'' کو اس زوال کا بنیادی سبب قرار دیا۔

''کثیر الازدواجی'' کا رواج بھی قدیم سے چلا آتا ہے۔ تورات میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نو بیویوں اور دس حرموں کا ذکر ہے۔ (سیموئیل ع ۱ ع ۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق تو یہاں تک ہے کہ ان کی سات سو بیویاں اور تین سو حرم (کنیزیں) تھیں۔ (سلاطین ع ۱ باب ۱۱/۳)

لونڈیوں کو بیوی بنانے کا حکم بھی تورات میں موجود ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا۔

''جب تو لڑائی کے لئے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور تیرا خدا انہیں تیرے ہاتھوں گرفتار کرائے اور تو انہیں اسیر کرے اور ان اسیروں میں خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بنائے تو اسے اپنے گھر میں لے آ، اسکا سر منڈا اور ناخن کٹا تو وہ اسیری کا لباس اتارے اور تیرے گھر میں رہے۔ اور ایک مہینہ اپنے ماں باپ کے سوگ میں بیٹھے بعد اس کے خلوت کر اسکا خصم بن اور وہ تیری جورو ہے''۔ (استثناء ۱۳-۲۱/۱۰)

عربوں میں ایک سے زیادہ بلکہ بہت سی بیویاں رکھنے کا رواج پہلے سے موجود تھا اسلام نے یہ تعداد چار تک محدود کر دی۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

''بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنا ممنوع کر دیا گیا ہے۔۔۔ احادیث میں آیا

ہے کہ طائف کا رئیس غیلان جب اسلام لایا تو اسکی نو بیویاں تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ چار رکھ لے اور باقی چھوڑ دے اسی طرح ایک دوسرے شخص نوفل بن معاویہ کی پانچ بیویاں تھیں۔ آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دے''۔(تفہیم القران جلد اول ص ۳۲۱)

یہ تو ان بیویوں کے سلسلہ میں ہوا جو پہلے سے موجود تھیں۔ آئندہ کے لئے قرآن حکیم نے ایک وقت میں ایک بیوی (Monogamy) کو اصول قرار دیا اسکے نزدیک نکاح کا مقصد باہمی مودت و محبت ہے اسلئے سوچ سمجھکر اور دیکھ بھال کر مرد اور عورت اپنے شریک زندگی کا انتخاب کریں لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ مرد یا عورت غلطی کر جائیں اس صورت میں قرآن یہ نہیں کہتا کہ مرد غلطی کرے تو کوئی بات نہیں اسے بھی رہنے دے اور دوسری لے آئے نہیں وہ یہ اجازت دیتا ہے کہ اس صورت میں معاہدہ نکاح فسخ کر کے ایک بیوی کی جگہ دوسری لائی جائے۔ **ان اردتم استدال زوج مکان زوج** (۲۰/۴) اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بدلنا چاہو) اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کا بنیادی اصول ایک وقت میں ایک بیوی ہے۔

قرآن حکیم میں صرف ایک جگہ ایک سے زائد (چار تک) بیویوں کی اجازت دی گئی آیت یہ ہے

وان خضتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحو اما طاب نکم من النساء مثنیٰ و ثلث و ربع فان خضتم الا تعدلوا فوا حدۃً ذلک ادنی الا تعولو (۴/۳)

''اگر تمھیں خوف ہو کہ تم یتیموں کے درمیان انصاف (قسط) نہ کرسکو گے تو عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں نکاح کرلو دو دو، تین تین، چار چار (ضرورت کے مطابق) پھر اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم عدل نہیں کرسکو گے تو ایک ہی رہنے دو یہ زیادہ ترقرین مصلحت ہے اسلئے کہ تم حق سے متجاوز نہ ہو جاؤ۔ (مودودی صاحب) تم زیادہ عیال دار نہ بن جاؤ۔ (امام شافعی)''

اس آیت میں انْ خضتم یعنی ''اگر تمہیں اندیشہ ہو'' دو دفعہ آیا ہے گویا ایک سے زائد بیویوں کے لئے دو شرطیں رکھی گئی ہیں آخر میں **ذلک ادنی الا تعولوا** ہے اسکا ترجمہ عام علماء وہی کرتے ہیں جو اوپر لکھا گیا ہے مگر امام شافعی اس کا کچھ اور مفہوم لیتے ہیں۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے) ہم پہلے متذکرہ دو شرائط پر بحث کرتے ہیں۔

پہلی شرط

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ:

﴿وان خضتم الا تقسطو افی الیتمی ﴾

''اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے درمیان قسط نہ کر سکو گے''

یہاں یتمی اور قسط دو الفاظ وضاحت طلب ہیں۔

یتامی یتیم کی جمع ہے۔ ہمارے ہاں یتیم اس بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ مر گیا ہو۔ جب وہ جوان ہو جاتا ہے ہمارے ہاں یتیم نہیں رہتا۔ لیکن عربی زبان میں یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا لغوی مفہوم ہے بے کس، جس کا کوئی پرسان حال نہ ہو، جو معاشرہ میں تنہا ہو۔ اس کا متضاد دلیسیر ہے جس کے معنی ہیں خوشحال، جسے سب کچھ میسر ہو وہ عورتیں جو معاشرہ میں تنہا ہوں جن کے شوہر نہ ہوں انہیں بھی یتیم کہا جاتا ہے خود قرآن حکیم میں ہے۔

﴿وما یتلی علیکم فی الکتاب فی یتمی النساء التی لا تو تو نهن ما کتب لهن و ترغبون عن تنکحو هن والمستضعفین من الولدان وان تقوموا للیتمی بالقسط﴾

''اور وہ جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے ان یتیم لڑکیوں (عورتوں) کے بارے میں کہ تم ان کو نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے اور انہیں نکاح میں لانے سے بھی منہ پھیرتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور یہ کہ تم انصاف (قسط) کے ساتھ قائم رہو یتیموں کے حق میں'' (۴/۱۲۷۔ کنز الایمان)

یہاں یتامی النساء معاشرہ میں ایسی ہی تنہا اور بے کس عورتوں کو کہا گیا ہے اور یتمی کے ساتھ قسط کا حکم دیا گیا ہے تو اصل آیت میں بھی یتیم بچوں کے ساتھ یتیم عورتوں کے مسائل بھی شامل ہیں۔ دوسرا لفظ قسط ہے۔ قسط اور عدل میں باریک سا فرق ہے کسی کو اس کا پورا پورا حق دینا قسط ہے اور دو آدمیوں یا دو سے زیادہ آدمیوں کے درمیان بالکل برابر کا سلوک کرنا عدل ہے۔ امام راغب نے قسط کے معنی لکھے ہیں مبنی بر عدل حصہ (مفردات امام راغب) تاج العروس اور محیط میں قسط کے معنی کئے گئے ہیں۔ حصہ، نصیبہ، مقدر۔ قسطاس صحیح ترین ترازو کو کہتے ہیں۔ اس طرح وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی کے معنی ہوئے

اگر تمہیں خوف ہو کہ تم معاشرہ میں یتیم بچوں اور بے شوہر عورتوں کے حقوق وواجبات پوری طرح ادا نہ کر سکو گے یعنی معاشرہ میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہوں کہ ان کے مسئلہ کا منصفانہ حل نہ کر سکو ان کے تقاضے پورے نہ کر سکو تو فانکحو اما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلث و ربع "عورتوں میں سے دو دو تین چار چار تک نکاح اپنی پسند کے مطابق کرو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعدد ازدواج کی پہلی شرط یہ ہے کہ معاشرہ میں یتیم عورتوں اور بچوں کے مسائل پیدا ہو جائیں تو انہیں اپنے اندر جذب کر لینے کی واحد صورت یہ ہے کہ ان عورتوں سے جو تنہا ہوں (یتیم ہوں) شادی کر لو۔

علامہ محمود آلوسی نے بخاری، مسلم، نسائی اور بیہقی کی بہت سے روایات حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی ہیں جن میں وہ یہی بات فرماتی ہیں ہم صرف ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

> "حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ اے بھانجے وہ یتیم لڑکی ہے جو ولی کی نگرانی میں ہوتی تھی اور وہ اس کے مال میں شریک ہوتا تھا"۔

(تفسیر روح المعانی جلد ۴ ص ۱۶۸)

زیر بحث آیت سے پہلے یہ آیت ہے۔

"جو یتیم بچے رہ جائیں انہیں ان کے مال دو اور طیب مال کو خبیث سے نہ بدلو یعنی یوں نہ کرو کہ انکی اچھی چیزیں اپنی ناقص چیزوں سے بدل لو اور ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھائے جاؤ بے شک یہ بڑا گناہ ہے"۔ (۴/۲)

ایک عورت بیوہ ہو جاتی ہے اس کے بچے یتیم رہ جاتے ہیں۔ وہ رشتہ یا کسی اور تعلق کی بنیاد پر ایک شخص کی تحویل میں آ جاتے ہیں۔ اب ایک تو اسے ان کے اموال کی حفاظت کرنی ہے۔ دوسرے بچوں کی تعلیم وتربیت اور پرورش کرنی ہے تو اس کی بہتر صورت یہی ہے کہ اس عورت کو شادی کے ذریعے زیر کفالت لایا جائے۔ اسی لئے زیر بحث آیت کے متعلق حضرت عائشہؓ کے فرمان کو اور لوگوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

"اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں یہ قول وارد ہوا ہے کہ انساء سے مراد یتیم عورتیں ہیں"۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۷۳)

یعنی جن عورتوں میں سے دودو، تین تین، چار چار نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ وہ ان ہی بے سہارا عورتوں کے متعلق ہے۔ اس طرح اس پہلی شرط کا واضح تقاضا یہی ہوا کہ جب معاشرہ میں مندرجہ بالا مسائل پیدا ہو جائیں تو ایک سے زائد بیک وقت چار تک شادیوں کی اجازت ہے اور وہ بھی انہی عورتوں کے ساتھ، اب دیکھئے کہ اس مشروط حکم کا پس منظر کیا تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ قرآن اصولی طور پر ایک وقت میں ایک بیوی (Mono Gamy) کا قائل ہے مگر ایسے ہنگامی حالات پیش آجاتے ہیں جب اصولی طور پر ایک وقت میں ایک بیوی میں استثناء (Exception) کی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے ہنگامی حالات مسلمانوں کے ابتدائی دور میں مدینہ مطہرہ میں پیدا ہو گئے تھے وہ حالات یہ تھے۔

ا۔ مسلمانوں کی تعداد بہت محدود تھی۔ ۲ھ میں غزوہ بدر ہوا اور اس میں شریک ہونے والے مجاہدین کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔

۲۔ اس ابتدائی دور میں ہی کفر نے ہر طرف سے یورش کر دی اور جنگوں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا لڑائیوں میں مجاہدین بھی شہید ہو رہے تھے۔ اس طرح مردوں کی تعداد کم ہو گئی۔

۳۔ مکہ سے بہت سی مسلمان عورتیں اپنے کافر شوہروں کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف آنے لگی تھیں ۔اس طرح بھی بے سہارا عورتوں کی تعداد بڑھ گئی۔

۴۔ مسلمان عورتیں صرف مسلمان مردوں سے شادی کر سکتی تھیں۔ کافروں سے تو کجا اہل کتاب سے بھی انہیں نکاح کی اجازت نہ تھی۔ اس طرح معاشرہ میں ہنگامی صورت حال پیدا ہو گئی اور ایک بیوی کے اصولی قانون میں (Exception) کر دی گئی اور لاوارث رہ جانے والی بے سہارا عورتوں کو حفاظت اور چھت فراہم کرنے کی ضرورت کا تقاضا پورا کیا گیا۔

ان حالات میں بھی سب ائمہ حدیث وتفسیر اور فقہاء مجتہدین متفق ہیں کہ یہ حکم نہیں اجازت ہے اور وہ بھی مشروط امام فخر الدین رازی نے طویل بحث کے بعد کہا۔

''ائمہ مجتہدین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تعدد ازدواج فرض، واجب، یا سنت نہیں بلکہ یہ صرف مباح ہے''۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۰۰) دیکھنا یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ کون کرے گا کہ اس وقت ایسی ہنگامی صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ ایک بیوی کے قانون میں استثناء پیدا کر کے ایک سے زیادہ (چار تک) شادیوں کی اجازت ہے۔ ظاہر ہے یہ کام حکومت کا ہے سربراہ مملکت اجازت دیں گے تو قانون

کی استثناء قابل قبول ہوگی۔

ایک بیوی پر دوسری بیوی لانا بالکل اسی طرح کی بات ہے جیسے ایک شوہر سے کہا جائے کہ تمہاری بیوی کو ایک اور شوہر کی اجازت ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کے دل میں بھی رقابت اور غیرت کے اسی طرح کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے مرد کا ذکر سن کر اپنے اندر اٹھتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ لیکن عورت چونکہ نسل کی محافظ ہے اس لئے اس کی خاطر تو حالات کیسے بھی ہوں استثناء نہیں کی جاسکتی۔ ہنگامی حالات میں عورت کے وسعت ظرف اور یتیموں اور بیواؤں کی حالت زار کا واسطہ دے کر عورت کو اس پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس کی وسعت برداشت اور وسیع النظر فی کی عمدہ ترین مثال ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ یا اس کے والدین خوش دلی سے اسے قبول کرلیں۔ ایسے حالات میں ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہے۔ اس کا اندازہ کرنا ہو تو اس روایت کو دیکھئے جو امام بخاری بار بار مختلف ابواب کے تحت لائے ہیں۔ تفاصیل کچھ یوں ہیں۔

جیسا کہ ہم ایک سے زائد بیویوں کی اجازت کے پس منظر کی وضاحت کر آئے ہیں۔ اسی پس منظر میں اجازت کو اجازت عام سمجھ کر حضرات علی المرتضیٰ چاہتے ہیں کہ ہشام بن مغیرہ کی بیٹی سے شادی کرلیں اور ہشام بن مغیرہ بطریق اولی اس رشتہ پر رضامند ہیں چنانچہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اجازت طلب کرنے جاتے ہیں۔ آپ اس مسئلہ کو انفرادی نہیں اجتماعی اہمیت دیتے ہیں۔ مسجد نبوی میں تشریف لاتے ہیں۔ اور منبر رسول پر رونق افروز ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں۔

''میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا'' ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اس بات کے لئے اجازت چاہی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کردیں۔ آپ نے تین بار فرمایا۔ میں ہرگز ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ ہاں اگر علی چاہتے ہیں تو میری بیٹی کو طلاق دے دیں۔ اور ان کی بیٹی سے نکاح کرلیں کیونکہ میری بیٹی میرا جگر گوشہ ہے جو چیز اسے تکلیف دے مجھے بھی تکلیف دیتی ہے اور جس سے اسے اذیت ہو اس سے مجھے بھی اذیت ہوتی ہے''۔

(صحیح بخاری باب ذب الرجل عن ابنة فی الغیر ۃ والا انصاف)

یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔ بخاری کے مشہور شارح علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح بخاری فتح الباری کی جلد ۹ ص ۱۸۷ پر اس پر مفصل بحث کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس

روایت سے چند چیزیں کھل کر سامنے آتی ہے۔

۱۔قرآن حکیم کا فرمان ہے کہ یتامی کا مسئلہ ہوتو ہنگامی طور پر حکومت ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا فیصلہ کرے گی۔اس روایت نے اسکی توثیق کر دی ہے۔کہ واقعتاً یہ اجازت ہنگامی تھی اور وہ بھی مشروط۔اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ یہ لڑکی جس کی حضرت علی سے شادی ہونا تھی یتیم نہیں تھی اس کے والد ہشام بن مغیرہ زندہ تھے۔

۲۔ہشام بن مغیرہ حضور سے اجازت لینے گئے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی اپنی بیٹی دے رہا ہو اسے یا اس کی بیٹی کو پہلی بیوی یا اس کے والد سے اجازت لینا ہوگی۔

۳۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیٹی کے باپ بھی ہیں اور دوسری حیثیت آپ کی مملکت کے سربراہ کی بھی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسری شادی کے لئے مملکت کے سربراہ سے یا حکومت کے ارباب کار سے اجازت لینا بھی ضروری ہے۔

۴۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں منبر پر اعلان فرمایا۔اس کا مطلب ہے کہ یہ کوئی انفرادی اور نجی مسئلہ نہیں تھا۔آپ قانون کی اجتماعی طور پر تعلیم دے رہے تھے۔

۵۔ہر بیٹی اپنے باپ کا لخت جگر ہوتی ہے اور اس کی تکلیف باپ کے کلیجے کی پھانس بن جاتی ہے۔حضور نے فرمایا جو چیز بیٹی کے لئے باعث اذیت ہے۔وہ میرے لئے بھی باعث اذیت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شادی کے سلسلہ میں حضرت فاطمۃ الزہراء کی رائے کا حضورؐ کو علم تھا۔

پس ہر ایسے شخص کے لئے جو دوسری شادی کا خواہشمند ہے ان تمام باتوں کو دھیان میں رکھنا ضروری ہے۔

۶۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی ابن ابی طالب اگر یہ شادی کرنا چاہتا ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے۔ایک والد کا یہ الفاظ کہنا اپنے ہی کلیجے میں تیر مارنا ہے مگر آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔صرف اس لئے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا اصل قانون وحدت زوج ہے یہ گویا آپ اس آیت کی تفسیر پیش کر رہے تھے جو ہم نے پہلے درج کی ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ اگر شادی کے بعد عورت سے اختلاف ہو جائے تو استبدال زوج والی ہی ایک صورت ہے یہ نہیں کہ وہ بھی پڑی رہے اور دوسری بھی لا کر بٹھا دی جائے۔

ان تصریحات کو ذہن میں رکھئے اور اب آیئے دیکھیں کہ قرآن حکیم نے تعدد ازدواج کے

سلسلہ میں دوسری کونسی شرط عائد کی ہے اور یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ یہ پہلی شرط پوری ہو۔ معاشرہ میں وہی ہنگامی صورت حال ہو یعنی یتامی کا مسئلہ پیدا ہو جائے۔ حکومت اجازت دے کہ انہی یتامی النساء سے وحدت زوج کے اصول میں ضرورت کے مطابق استثناء کرتے ہوئے دوسری شادی کی اجازت ہے۔ پہلی بیوی بھی اس پر رضامند ہو تو دوسری شادی کی اجازت ہے مگر پہلے اس شرط کا پورا ہونا ضروری ہے۔ یہ مطلب ہے **وان خضتم الا تقسطوا فی الیتمی** کا دوسری شادی کی اجازت کو ان خضتم نے مشروط کر دیا یہ ویسے ہی ہے جیسے قرآن کہتا ہے۔

﴿وان کنتم مرضی او علی سفر فعدة من ایام اخر﴾ (البقرہ)

اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو تو باقی دنوں میں گنتی پوری کرلو۔

اب ایک شخص شرط کو تو نظر انداز کر دیتا ہے اور یہ کہنے لگتا ہے کہ رمضان میں روزے رکھنے ضروری نہیں خدا نے اجازت دی ہے کہ جب چاہو (باقی دنوں میں) روزے رکھ لو تو علماء فوراً اس کے کفر کا فتویٰ صادر فرمادیں گے کیونکہ اس نے اللہ کے حکم کو بدل دیا ہے مگر جب خود یہ حرکت کرتے ہیں تو ہمیں پوچھنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔

دوسری شرط

تعداد ازواج پر دوسری شرط عائد کرتے ہوئے قرآن حکیم کا ارشاد ہوتا ہے۔

﴿فان خضتم الا تعدلوا فواحدة﴾

''پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ تم ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی رہنے دو''۔

دوسری شرط بیویوں کے درمیان عدل کی عائد کر دی گئی ہے۔ یہ شرط اور زیادہ کڑی ہے کیونکہ ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل کرنا اور اس طرح مساویانہ سلوک کرنا جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بہت مشکل ہے۔ خدائے قدوس اس عدل میں دلی محبت میں مساوات برتنے کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ یہ حقیقت ثابتہ اس نے خود بیان کر دی ہے کہ:

اللہ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔

ہر انسان کے سینے میں ایک دل ہے اور ایک دل میں جیسی ایک کی محبت ہوتی ہے ویسی دوسرے کی نہیں ہوتی۔ اس لئے قلبی تعلق اور محبت میں یکسانیت کا انسان مکلف نہیں اللہ کا اپنا ارشاد ہے۔

﴿ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم﴾

''تم لاکھ حرص کرو تم میں یہ استطاعت ہی نہیں کہ عورتوں کے درمیان عدل قائم رکھ سکو''۔

البتہ اس کا یہ مطالبہ ہے کہ نفقہ معاشرت اور تعلقات زن وشوہر میں ان کے ساتھ مساوی سلوک کرے اور اس میں اسوہ محمدی کو سامنے رکھے قرآن کا مطالبہ یہ ہے۔

﴿فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقہ﴾

''کسی ایک کی طرف بالکل نہ جھک پڑو کہ دوسری کو بالکل معلق چھوڑ دو''۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو یہ تسلیم ہے کہ:

''قرآن مجید میں تعدد ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ دی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص عدل نہ کرے تو اسے اس مشروط اجازت سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں خود اس آیت میں جہاں تعدد ازواج کی اجازت دی گئی ہے صاف حکم موجود ہے کہ اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی بیوی رکھو''۔

(حقوق الزوجین بیسواں ایڈیشن ص ۴۰)

پہلی شرط تو انہوں نے بالکل ہضم کر لی البتہ دوسری شرط کا ذکر کر دیا یہ بھی ان کی مہربانی ہے۔

یہاں ایک اور بات قابل غور ہے قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

﴿وان خفتم الا تعدلوا﴾

ظاہر ہے کہ یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ شادی کرنے سے پہلے سوچ لو کہ بیویوں کے درمیان عدل کر بھی سکو گے یا نہیں یہ چیز پہلے سوچ لینے کی ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے شادیاں کر ڈالے اور پھر دیکھے کہ عدل ہو سکتا ہے یا نہیں اسے قطعاً یہ اجازت نہیں کہ معصوم عورتوں پر ڈاکے ڈالتا پھرے اور ان کی زندگیاں ویران کرتا پھرے۔ مولانا یہ تو لکھتے ہیں کہ

''جو شخص دو یا زائد بیویوں کے درمیان عدل نہیں کرتا اور ایک کی طرف جھک کر دوسری کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ وہ ظالم ہے تعدد ازواج سے فائدہ اٹھانے کا اسے کوئی حق نہیں قانون کو ایسی حالت میں اسے صرف ایک بیوی رکھنے پر مجبور کرنا چاہیے اور دوسری بیوی یا بیویوں کو اس کے خلاف قانون سے دادرسی کا حق ہونا چاہتے''۔

(حق الزوجین بیسواں ایڈیشن ص ۴۱)

اب مولانا قانون کو آواز دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔

''قانون کو اسے صرف ایک بیوی رکھنے پر مجبور کرنا چاہیے''۔

گویا باقی بیویوں کو طلاق دے کر ان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ چپکا دے۔ مولانا کو کون کہے کہ قانون اور بالخصوص اسلامی قانون تو پہلے جرم کے امکانات کو روکتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جرم ہونے ہی نہ دیا جائے۔ یہ نہیں کہ پہلے مجرم کو جرم کرنے کی کھلی چھٹی دی جائے اور جب وہ جرم کر چکے تو قانون کو بلایا جائے۔

قرآن اس کے دوسری شادی کرنے سے پہلے اسے کہتا ہے کہ وہ سوچ لے انصاف کر سکے گا یا نہیں بلاشبہ یہ فیصلہ کرنا اس کا اپنا کام ہے لیکن کیوں نہ ایسا قانون ہو کہ اس کے حالات پہلے سے جانچ لئے جائیں جب بعد میں قانون کو بلانا ہے تو پہلے سے پیش بندی کیوں نہ کر لی جائے۔

بہر حال یہ دوسری شرط ہے کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی رہنے دو۔ دوسری جگہ کہا گیا کہ دلی محبت کے سلسلہ میں تو تم کبھی عدل کر ہی نہیں سکتے معاشرتی حقوق میں مساوات قائم نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو تو بھی دوسری شادی نہ کرو۔

جدید مفکرین قرآن کے نزدیک اسلام نے ہر طرح سے تعدد ازدواج کی حوصلہ شکنی کی ہے پہلے بتایا ہے کہ ایک سے زائد شادی اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ معاشرہ میں یتامی کا مسئلہ پیدا ہو جائے ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ بھی فرد واحد کو اپنی ذاتی رائے سے نہیں کرنا حکومت وقت فیصلہ کرے گی اور اگر وہ یہ فیصلہ کر دیتی ہے کہ اب معاشرہ میں بے کس و بے بس اور بے سہارا عورتیں زیادہ ہو رہی ہیں اسلئے پہلی بیویاں رضا مند ہوں تو دوسری شادی کر سکتے ہو مگر یہ اجازت پھر مشروط ہو گئی کہ دوسری شادی بھی اس صورت میں ہو گی کہ تم ازواج کے درمیان عدل قائم رکھ سکو پھر فرمایا کہ

﴿ ولن تستطیعوا ان تعدلو ابین النساء ﴾

''اور تم میں یہ استطاعت ہی نہیں کہ بیویوں کے درمیان عدل قائم رکھ سکو''

کیونکہ

﴿ ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جو فہ ﴾ (۳۳/۴)

''اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے''۔

یعنی محبت کے سلسلہ میں عدل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا معاشرت اور حسن سلوک میں عدل رکھواور ایسا نہ ہو کہ ایک طرف اتنا جھک جاؤ کہ دوسری لٹک کر رہ جائے۔ظاہر ہے اتنامحتاط ہو کر جینا بھی بہت مشکل ہے اسلئے گویا اللہ تعالی نے تعدداز واج سے روکنا چاہا ہے۔سرسید بھی اور دیگر مفکرین بھی یہی بات کہتے ہیں ہم یہاں صرف علامہ عبداللہ یوسف علی کے الفاظ کا ترجمہ درج کئے دیتے ہیں علامہ صاحب لکھتے ہیں۔

''زمانہ جاہلیت کے تعدداز دواج کوکم کر کے قرآن زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی اجازت دیتا ہے مگر وہ بھی اس شرط پر کہ تم نہ صرف ضروری چیزوں میں بلکہ پیار محبت اور روحانی سکون میں سب سے کاملاً انصاف کرو چونکہ یہ شرط پوری کرنا نہایت دشوار ہے اسلئے میرے خیال میں قرآن صرف یک زوجگی کی سفارش کرتا ہے''۔

(علامہ عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ قرآن شائع کردہ شیخ محمد اشرف لاہورج اص۱۷۹)

(The Spirit of Islam P. 230)

شرائط اور علت

آخر میں وحدت زوج کو ترجیح دی گئی کیونکہ شرائط کڑی تھیں اور پھر وحدت زوج کی ترجیح کی علت بیان کرتے ہوئے کہا۔

﴿ذلک ادنی الا تعولوا﴾

یہ قرین مصلحت ہے یعنی ایک بیوی رکھنا بہتر ہے اس لئے کہ آگے الاتعولوا کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کی دو مختلف تفسیریں کی گئیں۔ مولانا مودودی ذلک ادنی الاتعولوا کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ ''یہ زیادہ تر قرین مصلحت ہے۔ (یعنی ایک بیوی کا رکھنا) تاکہ تم حق سے متجاوز نہ ہو جاؤ۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے الاتعولوا کے یہ معنی کئے ہیں کہ تمہارے عیال زیادہ نہ ہوں جن کی پرورش کا بار تم پر پڑ جائے لیکن یہ اصل لغت کے خلاف ہے لغت میں عال کے معنی میل کے ہیں ابو طالب کا شعر ہے۔

میزان صدق لا یخیس شعیرة
دو زان قسط وزنہ غیر عائل

یہاں عاہل بمعنی مائل استعمال ہوا ہے اسی بناء پر عول کو جور اور طریق عدل سے ہٹ جانے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن عباس رحمتہ اللہ علیہ، حسن، مجاہد، شعبی اعمکر مہ، قتادہ غیر ہم نے تعولوا کے معنی لاتمیلوا عن الحق کئے ہیں''۔

(حقوق الزوجین بیسواں ایڈیشن ص ۴۱-۴۰)

مولانا مودودی صاحب کے معانی ہی لے لئے جائیں تو بھی مطلب یہ ہو گا کہ ایک سے زیادہ بیویوں کے سلسلہ میں تم عدل نہیں کر سکے تو حق سے متجاوز ہو جاؤ گے۔ اس لئے زیادہ قرین مصلحت یہی

ہے کہ ایک ہی بیوی رہنے دو۔

مولانا مودودی نے یونہی ترنگ میں آ کر امام شافعی کے بیان کردہ معنی کو ٹھکرا دیا اور کہہ دیا ''یہ اصل لغت کے خلاف ہے''۔ حالانکہ اصل لغت ہے ہی وہی جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بتائی آیئے ذرا عوال کا مفہوم ائمہ لغت سے پوچھ لیں۔

العوال ہر وہ چیز جو انسان کو گرانبار کر دے جس کے بوجھ تلے وہ دب جائے العیال وہ افراد جن کے اخراجات کا انسان پر بار ہو۔ اعال الرجل کے عنی ہیں وہ آدمی کثیر العیال ہو گیا عال المیز ان ترازو میں کان آ گئی۔ ایک طرف دب گیا۔ اس طرح بے انصافی اس کے معنی نکل آئے۔ عال فی الحکم۔ (اس نے فیصلہ کرنے میں ظلم کیا ایک طرف جھک گیا) گویا اس کے بنیادی معنی گرانباری اور بوجھ تلے دب جانے کے ہیں۔

(مفردات امام راغب اصفہانی، تاج العروس، کتاب الاشقاق)

مفسرین میں سے بھی اکابر نے امام شافعی کی تفسیر کو ترجیح دی ہے اور اس تفسیر پر جو اعتراضات وارد کئے گئے تھے۔ ان کے مدلل جوابات دیئے ہیں۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں۔

''امام الکسائی نے فصیح عربوں سے عال کے یہی معنی نقل کئے ہیں کہ عیال زیادہ ہو جاے الاصمعی اور الزہری جیسے ائمہ ادب ولغت نے بھی اس لفظ کے یہی معنی کئے ہیں جو اس کے مستند ہونے کے لئے کافی ہیں''۔

(روح المعانی ج ۴ ص ۱۷۶)

آگے لکھتے ہیں۔

''بعض سلف صالحین سے بھی ایسی ہی تفسیر منقول ہے مشہور تابعی عالم ابن ابی حاتم نے بھی یہی معنی بتائے طاؤس کی قرات ان لا تعیلو اتو اس کی مزید تائید کر دیتی ہے''۔ (ایضا)

آگے مزید وضاحت ہے کہ امام القراء الاوری نے اسے قبیلہ حمیر کی لغت قرار دیا اور اس کی تائید میں شعر پیش کیا:

ان الموت تاخذہ کل حی

بلاشک و ان امشی وعالا

''بے شک موت ہر زندہ چیز کو گرفت میں لے لیتی ہے چاہے کسی کے مویشی اور عیال کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں''۔(ایضاً)

امام رازی نے اپنی تفسیر میں امام شافعی کی تفسیر کو ترجیح دی اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا۔

''اگر تعولوا کے معنی ظلم کے لئے جائیں تو پھر آیت میں تکرار لفظی ہے کیونکہ ظلم کا مفہوم تو انصاف نہ کرنے میں آ گیا لیکن اگر امام شافعی کی تفسیر کو لیا جائے تو یہ تکرار لازم نہیں آتا۔پس یہی اس آیت کی عمدہ تفسیر ہے''۔

(تفسیر کبیر ج ۱)

بہر حال یہ ہمارا درد سر نہیں مولانا اور ان کے ہمنواؤں کی تفسیر لیتے ہیں تو بھی بات یوں بنتی ہے ''اور ایک بیوی کا رکھنا زیادہ قرین مصلحت ہے کیونکہ اس طرح تم عدل نہ کرنے کی صورت میں حق سے تجاوز کر کے ظالم نہیں بنو گے''۔

اور امام شافعی کی تفسیر لیتے ہیں تو بات یوں بنتی ہے۔

''اور ایک بیوی کا رکھنا زیادہ قرین مصلحت ہے کیونکہ اس طرح تم پر زیادہ عیال داری کا بار نہیں پڑے گا۔دونوں صورتوں میں علت یہی ٹھہرتی ہے۔اور نتیجہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ زیادہ قرین مصلحت ایک بیوی کا ہو کر رہنا ہے''۔

تعدد ازواج یا وحدت زوج

اس طرح سوچئے تو جس آیت کریمہ کو ہمارے علماء تعدد ازدواج کے جواز میں پیش کرتے ہیں اسی سے تو وحدت زوج کی ترجیح کا ثبوت مل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور آیت اس موضوع پر ہے نہیں اور اس آیت کی وضاحت کچھ یوں بنتی ہے۔

قرآن حکیم اصولاً یک زوجگی (Monogamy) کا قائل ہے اسی لئے کہا کہ ایک بیوی سے نباہ نہ ہو سکے تو اسے بدل لو یعنی اسے طلاق دے کر دوسرے شادی کر لو۔

عرب کے معاشرہ میں کثیر الازواجی کا رواج عام تھا۔ قرآن نے چار تک اس کی تحدید کر دی۔ پھر یہ شرائط لگا دیں کہ چار تک بھی اس صورت میں رکھی جا سکتی ہیں جب معاشرہ ہنگامی صورت حال سے دو چار ہو اور یتامی کے مسائل درپیش ہوں لیکن اس صورت میں پھر ایک اور شرط ہے کہ ازواج کے درمیان عدل کر سکو اور عدل محبت کے سلسلہ میں تو تم سے ممکن نہیں لیکن معاشرتی حقوق میں تو عدل کرو اور اس طرح کرو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیونکہ ان کی زندگی تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے اور زیادہ قرین مصلحت تو یہ ہے کہ حالات کچھ بھی ہوں ایک ہی رہنے دو تا کہ عدل کا دامن چھوڑ کر ظالم بن جانے کا امکان ہی نہ رہے یا حالات کچھ بھی ہوں ایک ہی رہنے دو تا کہ زیادہ عیالداری کے بوجھ سے بچ جاؤ۔ یوں یہ آیت تعدد ازواج کے حق میں نہیں وحدت زوج کے حق میں ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرنے میں اہم اکیلے نہیں پہلے بھی لوگوں نے یہی کچھ اس آیت سے سمجھا تھا علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں۔

> ''بعض نے اس آیت سے یہ اشارہ اخذ کیا ہے کہ اس سے تحدید ازواج اور ایک بیوی تک محدود رہنا ثابت ہوتا ہے''۔ (روح المعانی ج۴ ص ۱۷۵)

تعدد ازواج کے سلسلہ میں امام شافعی کا مسلک سامنے آچکا ہے وہ تو ایک بیوی کے سلسلہ

میں بھی ان کمزور لوگوں کو جو بیوی کے حقوق کے سلسلہ میں کوتاہی کا اندیشہ رکھتے ہوں، یہ مشورہ دیتے تھے کہ ایک شادی بھی نہ کی جائے۔ان حالات میں ''امام شافعی ایک عورت سے شادی کے مقابلہ میں نفلی عبادت میں مشغول رہنے کو زیادہ افضل سمجھتے تھے''۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۰۳)

امام احمد بن حنبل بھی ''ایک بیوی'' پر قناعت کا فیصلہ دیتے ہیں۔فرماتے ہیں۔

''صرف ایک عورت سے شادی کرنا مستحب ہے پس۔ بیویاں زیادہ نہ ہوں کیونکہ ایک سے زیادہ کی صورت میں عدل سے ہٹ جانے کا خطرہ ہے جس سے حرام فعل کا ارتکاب ہوتا ہے''

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ ص ۱۰)

ختم

تعدد ازواج اور امام اعظمؒ

امام اعظم ابو حنیفہؒ ملوکیت کے سخت خلاف تھے اس لئے مبتلائے قید و بند رہے۔ اب ان کی اپنی کوئی تصنیف نہیں ملتی۔ ہاں ادھر ادھر بکھرے ہوئے کچھ اقوال ملتے ہیں تعداد ازواج کے مسئلہ پر امام صاحب کی رائے علامہ مناظر احسن گیلانی نے مختصراً کچھ اس طرح پیش کی ہے۔

''تعدد ازواج کے بارے میں امام صاحب کا جو نقطہ نظر تھا دوسری جگہ لوگوں نے اسے بیان کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ابراہیم (غالباً النخعی) کے متعلق امام صاحب سے کسی نے اس واقعہ کا ذکر کیا کہ کسی نے ہدیتہً کپڑا ان کی خدمت میں پیش کیا لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اس نے کہا ''خرید لیجئے'' بولے ''میاں چار سو درہم اگر میرے پاس ہوتے تو دوسری بیوی نہ کرتا'' اس نے کہا ''کیا ایک بیوی آپ کے لئے کافی نہیں؟'' بولے ''ان حاضت حضت'' (جب اسے ایام ماہواری کا زمانہ آتا ہے تو میں بھی گویا ایام میں بیٹھ جاتا ہوں)۔ امام صاحب نے اس قصہ کو سن کر کہا'' بھائی مجھے تو رسول اللہ کے صحابی حضرت جابر بن عبداللہؓ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک بیوی والا سرور میں رہتا ہے اور دو بیویوں والا شرور کا شکار بنتا ہے یعنی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے'' یہ روایت سنا کر امام صاحب نے فرمایا کہ میرے ساتھ جسے اتفاق نہ ہو تجربہ کر کے دیکھ لے یا شاید جابر ہی کا قول نقل کیا اور کہا کہ ابراہیم کو شاید تجربہ کا موقع نہیں ملا اور اس کے بعد کہنے لگے کہ رسول اللہ کا جو برتاؤ عدل و انصاف کا اپنی بیویوں کے ساتھ تھا جو اس برتاؤ کو نہ کر سکے تو وہ ظالموں میں لکھا جائے گا پھر وہ حدیث سنائی جس میں آیا ہے کہ دو بیویوں کے ساتھ انصاف نہ کرنے والا قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ ایک ایک شق اس کے بدن کا ساقط ہوگا''

امام صاحب نے اور اضافہ کیا'' ایک ہی بیوی پر قناعت اپنے لئے تو میں نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے'' اور فرمایا'' بھائی بے فکری اور سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں'' پھر عورتوں کے لئے ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے ان الفاظ کو دہرایا'' یہ عورتیں تمہارے ہاتھوں میں بندھی ہوئی ہیں پس ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے رہنا'' راوی کا بیان ہے کہ دیر تک امام صاحب اسی مسئلہ پر گفتگو فرماتے رہے لیکن مجھے بس اس قدر یاد رہ گیا، کاش امام صاحب کی پوری تقریر راوی کو یاد رہ جاتی تو تعداد ازواج کے مسئلہ میں مسلمانوں کے سب سے بڑے امام کا نقطہ نظر دنیا کے سامنے آ جاتا اور پہلی صدی تک مسلمانوں کے خیالات کی وہ ایک تاریخی شہادت ہوتی جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں یورپ کی نکتہ چینی کے بعد مسلمانوں نے بنانی شروع کی ہیں ان کا بہترین جواب امام صاحب کا ہوسکتا ہے۔ میرے خیال میں جو کچھ راوی کو یاد رہ گیا وہ بھی اس مدعا کے لئے کافی ہے''۔

(حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی مصنفہ علامہ مناظر احسن گیلانی طبع اول کراچی ص ۳۱۷)

جنس زدہ ذہنوں کی کوششیں

جس آیت سے تعدد ازواج کا ثبوت حاصل کیا گیا تھا آپ نے دیکھ لیا کہ وہ تو تحدید ازواج بلکہ وحدت زوج کا اثبات کر رہی تھی جو علماء بے قید تعدد ازواج کے قائل ہیں وہ بھی چار تک محدود رہتے ہیں مگر جنس زدہ ذہن اس پر کہاں خاموش رہ سکتے تھے عہد ملوکیت میں تو شہنشاہوں کے محلات عورتوں کے باڑے بن گئے تھے۔ جہاں کوئی عورت نظر آئی جی للچایا اور اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا لونڈیاں اس کے علاوہ تھیں۔ ان کے اس فعل کو جواز مہیا کرنے کے لئے علماء سوء میدان عمل میں آ گئے اور کہا کہ اسی آیت سے لاتعداد عورتوں سے نکاح کرنے کا ثبوت ملتا ہے آپ تو ابوالفضل، فیضی اور ان کے والد ملا مبارک پر طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے مغل اعظم شہنشاہ اکبر کی جنسی بھوک کو تسکین دینے کے لئے ''دین الٰہی'' کی بنیاد رکھی اور اسے کھلی اجازت دی کہ وہ جتنی مرضی آئے شادیاں رچا سکتا ہے مگر یہ جرم اس سے پیشتر ہوا تھا اور قرآن حکیم کی اسی آیت کو تختہ مشق بنا کر اس سے چار سے زیادہ بیویوں کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی گئی چنانچہ ظاہری مذہب، ابن الصباغ، عمرانی اور بعض شیعہ علماء نے اس آیت کے ساتھ طرح طرح کا ظلم کیا امام شوکانی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی بیان کردہ موشگافیاں سنئے۔

> ''ظاہریہ کے نزدیک نو تک بیویوں کی اجازت ہے ان کا استدلال یہ ہے مثنیٰ وثلث و ربع میں جو داؤ ہے وہ جمع کے لئے ہے۔۔۔ 2+3+4=9 دوسرے حضرات اس سے بھی مطمئن نہ ہوئے تو انہوں نے کہا مثنیٰ وثلث وربع کے معنی ہیں دو دو، تین تین، چار چار اور اگر کہا جائے دو دو آدمی آئے تو الفاظ ایک ہزار کی تعداد پر بھی بولے جا سکتے ہیں کہ اتنی تعداد دو دو کر کے آئی، تین تین کر کے آئی چار چار کر کے آئی یہ تو عربی لغت کا مسئلہ ہے اس میں شک کی گنجائش نہیں پس آیت مذکورہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ دو دو، تین تین، چار عورتوں سے شادی کرتا جائے اس میں کوئی

پابندی نہیں کہ اس کے بعد دودو، تین تین، چار چار نہ آئیں۔اس تفسیر کی رو سے لا تعداد شادیاں جائز ہیں۔اب واؤ چاہے جمع کے لئے سمجھی جائے یا اختیار کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا''۔

(نیل الاوطار منتقی الاخبار جلد ششم ص ۱۵۰)

ان بے سروپا استدلالات سے بعض اچھے خاصے عالم شش و پنج میں پڑ گئے اور کہہ دیا قرآن سے چار بیویوں کی تحدید کا ثبوت نہیں ملتا احادیث سے اس کا ثبوت دینا چاہیے حتی کہ اہل حدیث کے معروف عالم نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں:

''پس یہ زیادہ درست ہے کہ چار سے زیادہ بیویوں کی حرمت کا استدلال قرآن کی بجائے حدیث سے کیا جائے''۔

(تفسیر فتح البین جلد ۲ ص ۱۶۸)

لیکن یہ سب کچھ بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے ہو رہا تھا جمہور علماء نے ان جاہلانہ کوششوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور کہا واؤ اختیار کے لئے ہے اور اس کا صاف مطلب ہے کہ بیک وقت دو یا تین یا چار اس کے بعد حصر ہو گیا دو دو سے بھی مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ شادی کرنے والا ایک نہیں خطاب جمع سے ہے۔ فانکحوا اس کے بعد اگر صرف دو آتا تو یہ سمجھا جاتا کہ سارے مخاطب صرف دو عورتوں سے شادی کریں لیکن اب بحث کا فائدہ نہیں کیونکہ جمہور آئمہ وعلماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیک وقت چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا ایسی بے جا تاویلات محض اپنے ظل سجانی کی جنسی ہوس کے لئے راستے پیدا کرنے کی مذموم کوشش تھیں۔

تعدد ازدواج کی کھلی چھٹی؟

اب مولانا مودودی بھی دوسرے علماء کی طرح یہ کہنے لگے کہ ایک سے زائد ازواج کی اجازت مرد کی جنسی تسکین کے لئے ہے۔ اس میں وہ شرائط کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں ان کے نزدیک مرد ایک عورت پر قناعت کر ہی نہیں سکتا اس سلسلہ میں یہ تفصیل ملاحظہ کریں۔

''اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات سامنے آ گئی مودودی صاحب نے (اس سے پہلے بھی بتایا تھا) اور اب بھی دہرایا ہے کہ جب وہ لندن ہسپتال میں زیر علاج تھے تو ایک نرس ان کے پاس بیٹھ کر مختلف موضوعات پر باتیں کیا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے اسلام میں تعداد ازواج پر اعتراض کیا تو مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ تمہارے معاشرہ میں وحدت زوج کے بعد لوگ اس کثرت سے حرامکاری کرتے ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں ان عورتوں سے زنا کی بجائے انہیں بیویاں بنالیا جائے۔ تعداد ازواج کی اس فلسفیانہ حکمت سے وہ نرس مطمئن ہو گئی''

یہ واقعہ نقل کر کے مدیر طلوع اسلام نے کتنی خوبصورت تنقید کی ہے لکھتے ہیں'' بالفاظ دیگر مودودی صاحب نے نرس سے کہا کہ مرد ایک عورت پر اکتفا نہیں کر سکتا اگر ایک سے زیادہ بیویاں نہ دی جائیں تو وہ زنا کرے گا لیکن معلوم ہوتا ہے مودودی صاحب نے بات ادھوری چھوڑی نرس نے یہ ضرور پوچھا ہو گا کہ حضرت آپ کی کتنی بیویاں ہیں اور جب انہوں نے کہا ہو گا کہ ایک تو اس نے پوچھا ہو گا اس کے بعد آپ کیا کرتے ہیں؟ معلوم نہیں اس کا مودودی صاحب نے کیا جواب دیا ہو گا؟''

(طلوع اسلام ستمبر ۷۰ ص ۵۱)

86ء میں جنگ فورم میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے عورت اور عائلی قوانین کے موضوع پر خطاب کیا تھا اور کچھ سوالات کے جوابات بھی دیئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ فرمایا اس کے

اقتباسات دیکھ لیجئے۔

''ڈاکٹر اسرار احمد: میرے نزدیک مرد ایک عورت پر قانع نہیں رہ سکتا کیونکہ مرد میں جنسی تقاضا مسلسل جاری رہتا ہے جبکہ عورتوں میں ایسا نہیں ہے ان میں یہ تقاضا محدود ہے۔ اگر ایک شخص کی ایسی ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو جائز راستہ بند کرنے سے ناجائز راستہ اختیار کرے گا اگر ایسا ہوا تو پھر معاشرہ خراب ہوگا'' ''اسلام میں چار شادیوں تک کھلی اجازت دی گئی ہے''۔

''یہ پابندی اسلام میں نہیں مغرب میں ہے حضور اکرم نے شادیاں کی ہیں خلفائے راشدہ اور آئمہ دین نے کئی شادیاں کی ہیں ہماری تاریخ کے اندر یہ عمل موجود ہے۔ اگر بحث چلی تو میں فزیولوجی کے طالب علم ہونے کے ناطے یہ بات سائنس سے ثابت کردوں گا کہ چار شادیاں مرد کی ضرورت ہے ۔میرا خیال ہے کہ اتنی گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو میں کھل کر بھی بات کروں گا''۔

اس پر مسز غلام جیلانی نے کہا'' کیا ہمارے ملک میں 80% مرد دوسری شادی کر سکتے ہیں؟''

ڈاکٹر اسرار احمد: اگر مالی طور پر برداشت نہیں کرسکتا ہے تو کرے گا کیوں؟ جو برداشت کر سکتے ہیں وہ اب بھی کر رہے ہیں اور قوانین ان کا راستہ بھی نہیں روک سکتے۔

مسز غلام جیلانی : 80% مرد دوسری شادیوں کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے اپنی یہ جسمانی ضرورت کیسے پوری کریں گے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: وہ اپنا معیار زندگی کم کرے گا اور اگر عورت تیار ہوگی تو کرے گا کوئی قانون عورت کو مجبور نہیں کرسکتا۔

مسز غلام جیلانی: جب 80% مرد دوسری شادی نہیں کریں گے تو جرائم بڑھیں گے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: میرا خیال ہے وہ دوسری شادی کر سکتے ہیں یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ نہیں کر سکتے۔

مسز غلام جیلانی: یہاں تو فرد کو روٹی نہیں ملتی۔

ڈاکٹر اسرار احمد: ہمارے لئے حد قرآن نے رکھ دی ہے۔

صغیرہ اسلام:

آپ نے فرمایا آدمی ایک وقت میں چار شادیاں کرسکتا ہے اس زمانے میں شادی کی اجازت جنگ سے بے سہارا ہونے والیوں کے تحفظ کے لئے دی گئی تھی۔ اب اگر مرد چار شادیاں کرے گا تو ان

سے اگر چار چار بچے بھی پیدا ہوں گے تو کیا معاشی طور پر سولہ بچوں کی کفالت آسان بات ہے؟ اور کیا یہ بچے ملک کے لئے ناسور ثابت نہیں ہوں گے؟

صغیرہ اسلام کے اس سوال کا جواب ڈاکٹر صاحب کی بجائے میزبان نے دیا اور وہ یہ کہ یہ تو فیملی پلاننگ کے خلاف ہے۔ جنگ فورم کی اس مخصوص نشست کے اختتام پر کچھ باریش حضرات نے نعرہ تکبیر بھی بلند کیا جس پر خواتین نے انہیں ان الفاظ میں جواب دینے شروع کئے ''اللہ کرے تمہاری بیٹیوں کو طلاقیں ہوں ۔ ان پر سوکنیں پڑیں ۔تم کو یتیم بچوں کی حفاظت کرنے کا کہا گیا تھا تم نے انہیں گھر میں ڈال لیا۔ یہ سارے قوانین (عائلی قوانین کی جگہ) اس لئے بنوار ہے ہو کہ تمہاری ہوس پوری ہوتی رہے''۔

اس نوک جھونک کے دوران ڈاکٹر صاحب نے عورتوں سے مخاطب ہو کر کہا ''اگر مستقبل میں زیادہ مولوی پارلیمنٹ میں آ گئے تو آپ کہاں جائیں گی؟'' اس پر دوسری طرف سے جواب آیا ''نہ ماضی میں کامیاب ہوئے نہ آئندہ ہوں گے''۔ پروگرام کے اختتام پر جب ڈاکٹر اسرار احمد نے خواتین سے کہا کہ ''اگر کسی عورت کے پاس سواری نہ ہو تو لفٹ دے سکتا ہوں''۔ان کی اس پیش کش کو کسی نے قبول نہ کیا''۔

(روز نامہ جنگ لاہور ۲۲ فروری ۱۹۸۶ء جمعہ میگزین فروری ۱۹۸۶ء)

آپ ایک دفعہ پھر اس روئیداد کو پڑھیں ۔آپ دیکھیں گے کہ عورتوں کے سوالات کتنے مبنی بر عقل وبصیرت تھے اور ڈاکٹر صاحب کے جوابات کتنے پھسپھسے اور غیر مدلل ۔ اس روئداد کو نقل کرتے ہوئے ایک جگہ میرا کلیجہ کانپ گیا حیرت ہے کہ علماء نے اس شخص کی اس گستاخی کا نوٹس نہ لیا فزیولوجی کا یہ نالائق طالب علم یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں مرد کی جنسی خواہش کی تسکین کے لئے ضروری ہیں اور اس ضمن میں اس نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج مطہرات کو اپنے احمقانہ دعوی کی دلیل بنا دیا۔ اس سے بڑی اہانت رسول اور کیا ہوسکتی ہے کہ یہ ساری شادیاں حضور نے محض اپنی جنسی تسکین کے لئے کی تھیں کیا وہ خدا کے حکم ''ضبط نفس'' پر عمل نہیں کر سکتے تھے۔ کوئی عام ان پڑھ انسان بھی حضور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی گستاخی کی بات نہیں سوچ سکتا اور یہ سب کچھ فزیولوجی کے اس طالب علم اور ایک اسلامی جماعت کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد کی زبان سے نکل رہا ہے۔

حضور کی ان شادیوں کے متعلق ایک کافر کار لائل کے یہ الفاظ سنئے اور دیکھئے کہ دشمن مگر انصاف پسند کا قلم بھی اعتراف عظمت میں ایسے موتی بکھیر رہا ہے کہ جی چاہتا ہے ہر ہر لفظ پر ہزار ہزار بوسے ثبت کئے جائیں۔

''ہوس پرستی! محمدؐ کے متعلق سب کچھ کہہ چکنے کے بعد بھی یہ حقیقت اپنی جگہ رہتی ہے کہ وہ نفس پرست انسان نہ تھا۔ یہ ایک بہت بڑی گمراہی ہوگی اگر ہم اسے ایک بندہ ہوس خیال کریں جو اپنے آپ کو لذائذ میں مشغول رکھے۔ نہیں یہ شخص عیش وراحت پر گرنے والا نہیں تھا اس کے گھر کا ساز وسامان نہایت غریبانہ تھا اس کی خوراک جو کا آٹا اور پانی تھی اور اکثر اوقات ایسا بھی ہوا کہ مہینوں گھر میں آگ نہ جلی۔ وہ اپنے جوتے آپ گانٹھ لیتا تھا۔ اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا لیتا تھا۔ ایک غریب، محنتی مستغنی انسان ان تمام رجحانات سے بے نیاز جن کی خاطر عام سطح کے لوگ مرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کا انسان ہوس پرست نہیں ہوسکتا اس کے جذبات ہوس سے بلند تھے۔ اگر وہ ایسا ہوتا تو وہ وحشی عرب جو تیئیس سال تک اس کے اشاروں پر جان پر کھیلتے رہے اور عمر بھر اسے اتنا قریب سے دیکھتے رہے کبھی اس کی تعظیم نہ کرتے وہ بات بات پر کٹ مرنے والے تھے۔ منافقت سے دور ایسے لوگوں سے اپنی اطاعت کرانا کسی عام انسان کا کام نہ تھا وہ اسے رسول اللہ کہتے تھے اس لئے کہ اس کی ساری زندگی ان کے سامنے بے نقاب تھی۔ اس میں کوئی راز نہ تھا سیدھی سادی زندگی کبھی وہ ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہے کبھی مجلس مشاورت میں، کہیں ان میں کھڑا ان سے احکامات کی اطاعت کرا رہا ہے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ وہ کیسا انسان ہے اس لئے وہ اسے پیغمبر کہتے تھے۔ کوئی شہنشاہ اپنی خلعت فاخرہ میں ملبوس لوگوں سے اس قسم کی اطاعت نہیں کرا سکتا جس قسم کی اطاعت اس انسان نے کرائی جو اپنے کپڑوں میں آپ پیوند لگاتا تھا اور یہ سب کچھ ۲۳ سال کی جانچ پرکھ کے بعد ہوا''۔

(Heroes And Heroes Worship P. 62)

اور باسورتھ سمتھ کے یہ الفاظ بھی پڑھ لیجئے۔

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شادیوں کی توجیہہ جس طرح اور مقاصد کے تحت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اس مقصد کے تحت بھی کہ اس سے کس مپرس بے نوا افراد کے حالات پر ترس کھانا مقصود تھا یہ شادیاں ان عورتوں سے ہوئیں جو قریب قریب سب کی سب بیوہ تھیں انہیں حسن و جمال یا مالداری و دولتمندی میں بھی کوئی شہرت حاصل نہ تھی بلکہ صورت حال اس کے برعکس تھی''۔

اور ادھر فزیولوجی کا یہ طالب علم اپنی جنس پرستی کے لئے حضور کی زندگی سے استدلال کر رہا ہے؟ فزیولوجی کے اس طالب علم نے جس طرح ڈگری حاصل کی تھی وہ راز جاننے والے لوگ بھی ابھی زندہ ہیں اور وہ کلاس میں جتنا کچھ قابل تھا یہ بھی انہیں معلوم ہے۔ اسے یہ علم نہیں کہ میڈیکل سائنس کا علم تو ہر لمحہ آگے بڑھ رہا ہے اور جس زمانہ میں اس نے ڈگری ہتھیائی تھی اس وقت اور آج کے علم میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے دوسرے روز ہی اخبارات نے اس کے بیان پر ڈاکٹروں کی رائے معلوم کر لی۔

> ''ڈاکٹر افتخار احمد نے ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے کو غلط قرار دیا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ مرد کو جسمانی طور پر ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا اس سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں جو پہلے نفسیاتی طور پر ظاہر ہوتی ہیں پھر انسانی جسم پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خیال رہے کہ ڈاکٹر افتخار احمد علامہ اقبال میڈیکل کالج کے پرنسپل ہیں۔ ڈاکٹر نصر اللہ رانا نے کہا کہ مرد کو ایک سے زائد عورتوں کی ضرورت نہیں ہوتی جدید میڈیکل سائنس یہ ثابت کرتی ہے جتنے بہتر نتائج ایک مرد اور عورت کے درمیان ہم آہنگی سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ دوسری صورت میں نہیں ہوتے جب ایک مرد ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرتا یا تعلق بناتا ہے تو لاشعور میں ایک دوسرے کو مطمئن کرنا سوار رہتا ہے جس کے طبی نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں''۔
>
> ''ماہر نفسیات حمیرا ہاشمی نے کہا ''کسی مرد کے سر پر جنسی جنون سوار ہو جائے تو وہ اس کا نام ضرورت بھی رکھ لیتا ہے اور ہمارے معاشرہ میں مرد نفسیاتی طور پر زیادہ سے زیادہ عورتوں کو نشانہ بنانے کے جنون میں مبتلا رہتا ہے''۔
>
> (روزنامہ جنگ لاہور ۲۳ فروری ۱۹۸۶ء)

ہاں تو ہم عرض کر رہے تھے کہ اب خالص جنسی بنیادوں پر تعدد ازواج کے حق میں دلائل دیئے جانے لگے اب آیت کو آگے پیچھے سے کاٹ دیا گیا نہ پہلی لکھی ہوئی شرط کا ذکر ہوا نہ بعد کی لکھی ہوئی شرط پر بات ہوئی سیدھی طرح کہہ دیا گیا کہ کھلی اجازت ہے۔ شکر ہے ابھی تک یہ لوگ ''اجازت'' کا

لفظ استعمال کر رہے ہیں کل اگر ''فرض'' کہہ دیا تو کون ان کی زبان پکڑ سکتا ہے۔

ایک بات اور ہے ہر حکومت اداروں کے نام سے ایک دو ''کالے ہاتھی'' قوم کے سینے پر لا کھڑا کرتی ہے۔ اس ادارہ کے لوگ صرف بڑی بڑی سندوں اور بڑے بڑے ناموں کا خراج وصول کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک ہاتھی ادارہ تحقیقات اسلامی کے نام سے سالہا سال سے پل رہا ہے یہ ادارہ کبھی کوئی سینکڑوں سال پرانی کتاب نکال کر چھاپ دیتا ہے یا ایک دو مضامین کبھی لکھا لئے اس ادارہ نے بھی ایوب خان کے زمانہ میں ایک صاحب تنزیل الرحمٰن ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ کی ایک کتاب ''مجموعہ قوانین اسلام'' کے نام سے شائع کی تھی اور دعوی کیا تھا کہ قانون سازی کے معاملہ میں یہ حکومت کی رہنمائی کرے گی۔ حکومت پاکستان نے جو عائلی قوانین نافذ کئے ان میں دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا۔

اس پر مذکورہ بالا ''مجموعہ قوانین اسلام'' میں یہ رہنمائی فرمائی گئی۔

''پاکستان کے نافذ الوقت قانون (عائلی قوانین) میں ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرے نکاح کی اجازت کے حصول کے لئے موجودہ زوجہ کی مرضی غیر منطقی اور غیر حقیقی ہے اس کو حذف کر دینا چاہیے۔

(مجموعہ قوانین اسلام شائع کردہ ادارہ تحقیقات اسلامی ۶۶ء ص ۱۴۳)

میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے وہ بھی حرام اے ساقی

تعداد ازدواج کے اثرات

علماء نے تعداد ازدواج کے سلسلہ میں عائد کردہ شرائط کو بھلا دیا اور بیویوں کے ساتھ لا تعداد کنیزیں رکھنے کی کھلی چھٹی دے دی تو جیسے پھاٹک کھل گئے خاص طور پر عباسی خلفاء اور مابعد کے مسلمان سلاطین نے بڑے بڑے ''حرم'' بنوائے اور لاتعداد عورتوں سے اپنے باڑے بھر لئے۔اور انکی دیکھا دیکھی امراء حکام اور رؤساء بلکہ عام لوگوں نے بھی زیادہ سے زیادہ عورتیں گھر میں رکھنا اپنی شان اور اپنا افتخار سمجھ لیا اور مرد جنسی بھوک میں ڈوب گیا خلفیہ المتوکل کے حرم میں چار ہزار خواتین تھیں۔اور کہا جاتا تھا کہ خلیفہ ان تمام عورتوں سے تمتع کر چکا تھا۔

(عرب اور اسلام از فلپ کی ہٹی مترجمہ مبارزالدین محمد معین ص ۱۲۵)

''مسلم سپین کے معروف حکمران عبدالرحمٰن سوم کے حرم میں چھ ہزار تین سو کنیزیں تھیں جو گھر بار کے کاموں، شاہی عیش سامانیوں اور تمتع کے لئے جمع کی گئی تھیں''۔

(Morish Spain by Sardo P.52)

اسی طرح عثمانی خلفاء کے حرم میں کنیزوں کی تعداد ہمیشہ تین سو سے بارہ سو تک رہتی تھی ان میں چار کنیزیں کسی خاص وقت میں خلیفہ کی انتہائی پسندیدہ اور منظور نظر رہتی تھیں۔انہیں شاہی حرم کی مخصوص زبان میں ''قادین'' کہا جاتا تھا ان میں سے جس ایک کو خلیفہ اپنے شاہی بستر پر لطف اندوز ہونے کے لئے بلا لیتا جسے یہ شرف نصیب ہو جاتا اسے ''اقبال'' کہا جاتا تھا۔

(Haram by N.M Penzer P. 174)

''خیال رہے کہ ''اقبال'' جو عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی قبول کرنے کے ہیں جس ''اقبال'' کے معنی بخت اور بختوری ہیں وہ ترکی زبان کا لفظ ہے ادھر سے عربی میں بھی استعمال ہونے لگا ''اقبال'' اصل میں کسے کہا جاتا ہے یہ آپ ابھی پنزر کی زبان سے سن چکے ہیں''

''جمال پاشا الغزی لکھتا ہے

'' سلطان کے حرم میں چار بیویوں اور کنیزوں کو ملا کر ایک ہزار کی تعداد میں عورتیں تھیں جن پر سلطان کی نظر توجہ رہتی تھی ان عورتوں کی نگرانی پر تین سو خواجہ سرا مقرر تھے۔ خواجہ سراؤں کا سردار '' قزلرآغاسی '' کہلاتا تھا یعنی عورتوں کا آقا۔ اسکی سختیوں کے باعث اسکا بڑا دبدبہ ہوتا تھا۔ عورتیں اس کا نام سنتے ہی لرزہ براندام ہو جاتی تھیں یہ سلطان کا انتہائی اعتماد یافتہ خادم ہوتا تھا وزراء امراء اسکی خوشامدیں کیا کرتے تھے''۔

(سلطانی محلوں کے راز تصنیف جمال پاشا الغزی ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی ص ۵۶)

وسطی افریقہ میں علی بن دونا مانے پندرھویں صدی میں نئی مسلمان سلطنت کی بنیاد رکھی افریقیوں میں ازواج کی حد مقرر نہیں ہوتی تھی مگر نئی مسلم مملکت کے شیخ الاسلام امام عمر مسمر نے بادشاہ اور امراء کو ہدایت کی کہ وہ بیویوں کی تعداد چار رہی رکھیں لونڈیوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں اور بادشاہ کے پاس تو ایک ہزار کنیزیں بھی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں وسطی سوڈان کے قبائلی سرداروں کو بھی اس نے اسی ہدایت پر عمل کرنے کی تاکید کی۔

(Islamic History of West Africa by T.Penser P.122)

برصغیر میں بھی یہ روایت اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ پہنچی عیسائی علماء کے اثر سے مغل اعظم شہنشاہ اکبر یک زوجگی کا قائل ہو چکا تھا اور لوگوں کو اسکی تلقین بھی کرتا مگر خود اس پر کاربند نہیں تھا اسکے محل میں تین سو بیویاں موجود رہتی تھیں۔

(Social History of Islamic India by Dr. Yaseen Malik P.125)

عورتوں کو اتنا بے حیثیت کر دیا گیا تو اسکی جان کی کیا قیمت رہ جاتی ؟ وہ بے قیمت اور بے حیثیت ہوگئی۔ مرد کا جب جی بھر جاتا یا اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کی طرف سے کچھ شک ہو جاتا تو اسے مار ڈالا جاتا۔ حرم کے نام سے جو قید خانہ تھا۔ وہ مرد کے لئے بڑا محفوظ تھا وہ چپکے سے عورت کو جسکی حیثیت عمر قیدی کی ہوتی زہر دے دیتا یا گلا گھونٹ دیتا یا پھر کسی پوشیدہ مقام پر جا کر ختم کر دیا جاتا آزاد بیوی کی بہ نسبت کنیز کا قتل کر دینا اور زیادہ آسان تھا ان غریبوں کا وارث ، رشتہ دار تو کوئی ہوتا نہیں تھا کون آواز بلند کرتا اور آواز ہی کیا تھی کیونکہ قرون وسطی میں غلام کا قتل روا تھا سلاطین عثمانیہ میں کنیزوں کے قتل کا

ایک یہ طریقہ رائج تھا کہ انہیں بورے میں ڈال کرسی دیا جاتا بورے میں بھاری پتھر بھی ڈال دیئے جاتے اور اسے سمندر میں خرق کر دیا جاتا تھا۔ بعض اوقات سلطان کے خلاف کسی سازش وغیرہ کا پتہ چلتا یا اور کوئی سنگین معاملہ پیش آ جاتا تو عورتوں کی بھاری تعداد کو غرتاب کر دیا جاتا ایک دفعہ تین سو عورتوں کا یہ حشر ہوا سب سے زیادہ ہولناک واقعہ سلطان ابراہیم (۱۶۴۰ تا ۱۶۴۸) کے عہد میں ہوا سلطان کا دل اپنی تمام کنیزوں سے بھر گیا تھا وہ اپنی عیاشیوں کے لئے نئی کنیزیں لانا چاہتا تھا اس نے حکم دیا کہ ان سینکڑوں کنیزوں کو ڈبو دیا جائے شاہی فرمان کی تعمیل ہوئی اور سینکڑوں عورتوں کو بوروں میں بھر کر باسفورس میں ڈبو دیا گیا اتفاق سے ایک خوش نصیب عورت کسی طرح بورے کو پھاڑ کر سطح سمندر پر آ گئی قریب ایک بحری جہاز گزر رہا تھا اس نے اسے اٹھا لیا اسطرح وہ پیرس پہنچ گئی جہاں اس نے اپنی دکھیا کہانی سنائی۔

(Haram by N.M Tenzer P.185)

تعدد ازواج کے مفاسد میں سے ایک بڑی خرابی کنیز داشتگی تھی کنیزیں وہ عورتیں ہوتی تھیں جو دوسری قوموں کی شکست کے بعد پکڑ لی جاتی تھیں اور مسلمان مردوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں ظاہر ہے کہ یہ بدنصیب اور مصیبت زدہ عورتیں اپنے پیچھے ایک بار بار یاد آنے والا پیارا ماضی اپنے عزیز و اقارب اور اپنے محبت بھرے تعلقات چھوڑ کر آتی تھیں۔ منڈیوں میں بکتی تھیں اور بے انتہا ذلت آمیز سلوک کا سامنا کرتی تھیں۔ ان کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے کبھی وفاداری کے جذبات پیدا نہیں ہو سکتے تھے ان کی حیثیت صرف کھلونوں کی سی ہوتی تھی جن سے جنس کا مارا ہوا مرد کھیلا کرتا تھا۔ وہ کسی گھر کو بھی سکون و راحت سے ہمکنار نہیں کر سکتی تھیں۔ خاندانی بیوی اور کنیزوں کی چپقلش شروع ہو جاتی تھی مگر اس چپقلش کا علاج بھی عجیب طرح سے ہوتا تھا عام طور پر شاہی حرم میں بیوی اور کنیز کی رقابت کا حل کنیزوں کی تعداد بڑھا کر کیا جاتا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید ایک دفعہ کسی مغنیہ پر فریفتہ ہو رہا تھا ہارون کی ملکہ زبیدہ نے بازی ہاتھ سے جاتی دیکھی تو ہارون کی خدمت میں دس دوشیزہ کنیزیں نذر کیں تا کہ اس کا خاوند ان کی صحبت میں اپنی محبوبہ کو بھلا دے اور صرف ملکہ کا ہو کر رہے۔ (عرب اور اسلام از فلپ کی ہٹی ترجمہ مبارز الدین ومحمد معین مطبوعہ ندوۃ المصنفین ص۱۲۴) ایک کنیز ترک سلطان کے ہاتھ دھلا رہی تھی ملکہ کھڑی ہر حرکت نوٹ کر رہی تھی سلطان نے کہا ''اس ہاتھ پر پانی ڈال میری پیاری'' سلطان شام کو دستر خوان پر بیٹھا تو پلاؤ حاضر کیا گیا جو ''سری'' میں پکا ہوا تھا ملکہ نے کہا ''اب

اپنی پیاری کا ذائقہ بھی چکھو' سلطان نے ہاتھ کھینچ لیا دستر خوان سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر ملکہ سے کبھی بات نہ کی یہ پلاؤ اسی کنیز کی سری میں پکایا گیا تھا۔(Harem) عباسی دور کی ابتداء میں ہی فتوحات کا سلسلہ رک گیا تھا اسطرح کنیزوں اور غلاموں کی رسد اور فراہمی میں بھی رکاوٹ آ گئی غلاموں کی خرید و فروخت کا کاروبار بڑا نفع بخش تھا اور بہت سے لوگ اس میں مصروف تھے ان تاجروں نے ایسے ڈاکو پالنے شروع کئے جو شہروں سے بچے اغوا کر لاتے یا مختلف قبیلوں کو غافل پا کر عورتوں اور بچوں کو پکڑ لاتے ۔ بچوں اور بچیوں کا ''خام مال'' بیچنا زیادہ منافع بخش نہیں تھا انہوں نے انہیں پالنا اور تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا شروع کیا۔ بچیوں کو مختلف زبانیں سکھائی جاتیں ۔ان زبانوں کے علم وادب سے روشناس کرایا جاتا رقص اور گلوکاری کی تربیت دی جاتی ، آراستہ پیراستہ جملے اور حاضر جوابی سکھائی جاتی ادھر بچوں کو خصی کر کے مختلف مردانہ علوم کی تربیت دی جاتی گھڑ سواری، تیراندازی اور فن سپاہ گری میں طاق کیا جاتا عورتوں کو بناؤ سنگار کے مختلف طریقے سکھائے جاتے یہ بچے جوان ہو کر مارکیٹ میں آتے تو اپنا ماضی بھول چکے ہوتے انکے ذہنوں پر یادوں کا کوئی بوجھ نہ ہوتا وہ وہی کچھ بنے ہوتے جو ان کے آقا انہیں بنانا چاہتے تھے مرد بہترین خواجہ سرا ہوتے اور عورتیں عشوہ وغمزہ ،خوش کلامی اور خوش گلوئی، رقص اور موسیقی میں ماہر ہوتیں انہیں اپنے آقاؤں کو اپنا غلام بنانے کا فن خوب آتا تھا جب یہ مال مارکیٹ میں آیا تو خریدار بھونچکا ہو گئے اور اس پر ٹوٹ پڑے یہ کنیزیں گھروں میں پہنچیں تو آزاد خاندانی بیوی جس نے پردے میں مجہول زندگی گزاری تھی ان کے آگے بے دست و پا ہو گئی ہر گھر میں کنیزوں اور غلاموں کا راج ہو گیا عرب ثقافت تباہ ہو گئی حریت اور آزادی فکر بے نام ونشاں ہو گئی انہی کنیزوں کے بچے آئندہ کے بادشاہ اور امراء تھے یہی حال باقی سب امراء ورؤساء کا تھا۔اور مسلمانوں کی وسیع سلطنت میں ہر جگہ یہی کچھ ہو رہا تھا۔ سلطان محمود غزنوی ۔ غلام کا بیٹا اور کنیز کے بطن سے تھا فردوسی سے سلطان محمود غزنوی کی جو ہجو منسوب ہے ہم اپنی اور علامہ شیرانی کی غزنوی پرستی کی لاج رکھتے ہوئے اس نظم کو فردوسی کی تحریر ماننے سے انکار بھی کر دیں مگر اس حقیقت سے کون انکار کریگا کہ ہجو میں جو کچھ کہا گیا وہ لفظ بلفظ سچ ہے۔

بسے رنج بردم دریں سال سی — عجم زندہ کردم بایں پارسی
چو بر باد دادند گنج مرا — چہ بد حاصلے سی و پنج مرا
اگر شاہ را شاہ بودے پدر — نہادے بلے بر سرم تاج زر

وگر مادر شاہ بانو بدے — مرا سیم وزر تا بزانو بدے

اور آخری بات کہ — پرستار زادہ نیاید بکار

ترجمہ:

''میں نے تیس سال بے انتہا تکالیف برداشت کیں اور اپنی فارسی سے میں نے عجم کو حیات جاوداں عطا کر دی لیکن جب مرے خزانے کو تباہ کر دیا گیا تو مری پینتیس سال کی محنت کا ماحصل کیا تھا۔ اگر بادشاہ کا باپ بھی بادشاہ ہوتا (غلام نہ ہوتا۔ محمود کا باپ سبکتگین بھی الپتگین کا غلام تھا) تو وہ سونے کا تاج میرے سر پر سجا دیتا اور اگر بادشاہ کی ماں لونڈی نہ ہوتی بانو ہوتی تو میرے پاؤں میں سونے چاندی کا وہ ڈھیر لگتا جو میرے زانو تک پہنچتا سچ یہ ہے کہ لونڈی کا بچہ کسی کے کام نہیں آتا''

کنیزیں ایک طرف تو تربیت یافتہ ہوتیں دوسرے وہ قسم قسم کے مصائب اور حالات میں تپ کر آتیں اسلئے ہزار قسم کے مکر وفریب اور داؤ پیچ سیکھ جاتیں انکی اس زندگی کا انکی اولاد پر اثر ہونا فطری بات تھی۔ ان کنیزوں کی کثرت سے گھبرا کر عباسی دور کے شاعر المعمر د (متوفی ۸۲۸) نے کہا تھا۔

''ہمارے اردگرد کنیز زادوں کی بہتات ہوگئی ہے

اے خدا مجھے کسی ایسی جگہ لے چل جہاں یہ حرامی بچے نظر نہ آئیں''

(History of the Arabs by Philip.K.Hitti P. 333)

ان کنیزوں ہی کی مکاریوں اور حیلہ جوئیوں کے باعث قرون وسطی میں یہ خیال عام ہوگیا کہ عورت فطرتاً مکار، حیلہ ساز اور فریبی ہوتی ہے اس دور کا ادب اسی بات کا نقیب ہے آپ دو ادبی کتابوں الآغانی اور الف لیلہ کا مطالعہ کریں آپ کو عورت کے متعلق نظریات میں واضح فرق نظر آئیگا الآغانی کی حکایات میں مسلمان عورت کا کردار اور اسکی عادت و خصائل قابل تعریف ہیں وہ خلافت راشدہ اور خلافت بنوامیہ کے دور کی عورت تھی اور علم وفن میں کمالات رکھتی تھی اسے مکر وفریب کی ضرورت نہیں تھی لیکن الف لیلہ جو ہارون کے عہد کا آئینہ ہے اسکی عورت کے کمالات ہی اس کی مکاریاں ہیں۔ انکی اولادیں بھی اسی ہنر سے آراستہ تھیں ہر طرف انہی کا راج تھا اور معاشرہ ظلم دسیسہ کاری اور فریب سے بھر گیا تھا۔ المتعضد کے دور کا شاعر کہتا ہے۔

''وہ لوگ ناپید ہو گئے جنکی مائیں آزاد اور باپ آزاد ہوتے تھے

ان نجیب الطرفین لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا
ہر طرف وحشیوں کا راج ہے
لوگ مجھے کہتے ہیں تم گھر کیوں پڑے رہتے ہو۔ میں جواب دیتا ہوں
باہر نکلنے میں کوئی لطف نہیں رہا۔ باہر کون ملیں گے عربی اور ترکی گھوڑوں پر سوار مکار لومڑ اور بے شرم بن مانس''

(Muslim Studies by Ignaz Goldziher vol.1 P.141)

اسکے بعد کا شاعر ابوالعلامعری کہتا ہے۔
''مدت ہوئی شام و عراق اجاڑ ہو چکے
لاقانونیت عام ہوگئی۔ کسی امیر کا امر نہیں چلتا اور کسی حاکم کا حکم بر سر عمل نہیں
سیاست اور نظم کاران ابلیس زادوں کے ہاتھ میں آ گئے جو انسانیت نام کی کسی چیز سے واقف نہیں، جہالت، کذب و دروغ اوفریب کاری کا راج ہے''۔

(اللزومیات)

تعدد ازداج کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ایک دوسرے کی رقیب عورتوں کے بطن سے جنم لینے والی اولادیں ہمیشہ آپس میں بغض کینہ اور دشمنی رکھتی ہیں انہیں اپنے باپ سے بھی نفرت ہوتی ہے۔ یہ اولادیں ہمیشہ ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتی ہیں۔ یہ بیٹے جب بھی موقع ملتا ہے۔ ایک دوسرے کی گردن کاٹ دیتے ہیں اور باپ کے خلاف بھی ہر ممکن کارروائی کرتے ہیں۔

مغلیہ سلطنت کے پکے مسلمان بادشاہ اورنگزیب عالمگیر جسے ہمارے قومی شاعر اقبال نے مسلم کردار کا ایک مثالی نمونہ قرار دیا ہے حصول سلطنت کے لئے کیا کرتا رہا بھائیوں کو قتل کیا باپ کو تا حیات نظر بند کئے رکھا۔ پندرھویں صدی کے آخر میں مسلم ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آخری مملکت غرناطہ کے خاتمہ میں تعدد ازدواج نے ہی ہولناک کردار سرانجام دیا اور دائمی زوال کے تباہ کن نتائج مرتب کئے غرناطہ کے آخری حکمران ابوالحسن کا بیٹا ابوعبداللہ جو اسکی دوسری بیوی کے بطن سے تھا عیسائیوں اور مسلمانوں کی جنگ کے دوران انتہائی نازک موڑ پر باپ سے بغاوت کر کے دشمن سے مل گیا عیسائی سپین کے حکمران فرڈیننڈ اور اسکی ملکہ ازابیلا نے باغی بیٹے کو اپنا آلہ کار بنالیا باپ بیٹے میں خانہ جنگی شروع ہو گئی عیسائی حکمران نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ۱۴۹۱ء میں غرناطہ فتح کر کے مسلمانوں کے اقتدار کو

نیست و نابود کر دیا اس عبرتناک انجام کا بنیادی سبب واضح کرتے ہوئے سید امیر علی نے لکھا

''اس خطرناک بحران کے وقت تعدد ازدواج کی خرابیاں ہسپانوی مسلمان کے لئے نوشتہ تقدیر بن کر ظاہر ہوئیں''

(A Short History of The Saracens by Syed Ameer Ali P. 552)

افسوس ہے کہ کسی بادشاہ اور کسی عالم دین کو خیال نہ آیا کہ مسلمانوں کے زوال کے اس بنیادی سبب کو سمجھ سکتا جس تک سید امیر علی کی دانش پہنچ گئی سوتیلے بیٹوں میں خانہ جنگیاں ہوتی رہیں کامیاب شہزادے اپنے بھائیوں کو قتل کر دیتے انکی آنکھوں میں جلتی سلاخیں پھروا دیتے کسی نے بھی ان خانہ جنگیوں کا تدارک نہ سوچا صرف سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ فرمانروائے خلافت عثمانیہ نے اسکا ایک حل سوچا اس حل پر علمائے دین سے تائید حاصل کی اور ایک فرمان جاری کیا جسے ترکی میں ''قانون'' کہتے تھے فرمان یہ تھا۔

''جب میرے بیٹوں میں سے کسی ایک کو سلطانی میسر آئے تو نظام سلطنت کو برقرار رکھنے کے لئے اسکو چاہیے کہ اپنے تمام بھائیوں کو قتل کر دے۔ علماء کی اکثریت اس تجویز کی تائید کرتی ہے۔ پس انہیں اس پر عمل کرنا چاہیے''۔

(1. Islamic Society In The West by Gibb & Brown V.I Part i P. 36

2. History of The Muslim Civilization by S.M Ikram P282)

سلطنت عثمانیہ میں دو صدیوں تک اس فرمان پر عمل ہوتا رہا سولھویں صدی میں جب برادرانہ جذبات کا کچھ غلبہ ہوا تو کامیاب سلطان اپنے درجنوں بھائیوں کو قتل کرانے کی بجائے اپنے محل میں ایک جگہ جسے ''قفس'' کہتے تھے عمر بھر کے لئے قید کرا دیتا تھا۔

مامون الرشید جیسے صاحب علم و فضل بادشاہ کو بھی اپنے بھائی امین کے ساتھ جنگیں لڑنا پڑیں۔

تعدد ازدواج کی غیر مشروط اجازت اور صلائے عام قرار دینے والے مولوی کاش کبھی تاریخ پر اس نقطہ نظر سے غور کرتے۔ آپ بادشاہ ہیں یا عام فرد سوکن کے جلاپے اور سوتیلے بھائیوں کی باہمی عداوت کو ختم نہیں کر سکتے پھر کیوں دوسری شادی کر کے اپنا، اپنے گھر کا اور اپنی اولاد کا سکون تباہ کرتے ہیں۔

پردہ۔۔۔تنقیدی جائزہ

عورت کے ساتھ اسلام سے پہلے دنیا کے مختلف تمدنوں میں جو کچھ ہوتا رہا اور جس طرح کی فحاشی مختلف تہذیبوں کا حصہ بنتی رہی اسکی پوری تفصیل بڑی غیر جانبداری سے ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے عورت کو کبھی طویل مدت کے لئے انسان سمجھ کر مرد کی برابر سطح پر نہیں رکھا گیا وہ ہمیشہ مرد کا کھلونا رہی اور اسے اپنی مرضی کے مطابق مسلتا کچلتا رہا۔کوئی مذہب تھا یا نظام تمدن و معاشرت سب نے مرد کے جنسی جذبات کا خیال رکھنے میں بڑی ہمدردی اور دلسوزی دکھائی لیکن جب عورت کا معاملہ آیا تو سب کی زبانیں گنگ اور سوچیں بنجر ہو گئیں گھر تھا یا بازار، بتکدہ تھا یا معبد ہر جگہ اسکی عصمت و عفت کے سودے ہوئے پھر لطف یہ کہ جو سوداگر تھے وہ تو فرشتے قرار پائے اور وہ جسے جنس تجارت بنایا گیا ہر جگہ رسوا ہوئی۔

اسلام نے آ کر جہاں پچھلی تہذیبوں اور گزشتہ تمدنوں کے بہت سے معیار زیر و زبر کئے وہاں عورت پر بھی خصوصی توجہ دی گئی اور یکدم اسے خاک سے اٹھا کر مسند تکریم و تعظیم پر بٹھا دیا گیا رشتوں کا احترام آیا اور حرمتوں کے نئے پیمانے وضع ہوئے بتایا گیا کہ یہ صرف فرائض کی گرانباریوں تلے دبی ہوئی مجبور و مقہور مخلوق نہیں اس کے حقوق بھی ہیں اور یہ حقوق ویسے ہی ہیں جیسے مرد کو حاصل ہیں۔

﴿و لهن مثل الذی علیهن﴾

''انکے حقوق بھی ہیں جیسے ان کے فرائض ہیں''

یہ بہت بڑا انقلاب تھا اور عرب کی معاشرت نے اس انقلاب کو بڑی خندہ پیشانی سے قبول کیا اسکے ساتھ ہی عورت نے بھی بڑے معتدل دل و دماغ اور بڑے متوازن شعور سے اپنے آپ کو انقلاب سے ہم آہنگ کیا۔تاریخ پچھلے اوراق الٹتی ہے۔اور یہ باب شروع ہوتا ہے تو اچانک محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ذہن اندھیروں سے نکل کر روشنیوں میں آ گیا ہے کچلی اور پامال عورت کو قرآن اٹھا کر اپنے پاؤں پر کھڑا کرتا ہے تو وہ پوری ہوشمندی سے آزاد فضاؤں کی خوشبو کو مشام جان میں اتارتی ہے اور

زندگی نئی راہوں پر خوشدلی سے گامزن ہو جاتی ہے۔

عورت میں جرات آتی ہے حوصلہ آتا ہے خود اعتمادی آتی ہے۔ اسکے لرزتے کپکپاتے ہاتھوں میں اتنی توانائی آ جاتی ہے کہ وہ امیر المؤمنین کا دامن پکڑ لیتی ہے ''رک جاؤ عمر تمہیں یہ اتھارٹی کس نے دے دی کہ خدائے عزوجل کے احکام میں ترمیم کرنے لگے وہ تو حق مہر میں ہمارے لئے ڈھیروں سونا بھی قبول کرتا ہے اور تم حق مہر کی مقدار متعین کرتے پھرتے ہو'' اور عمر کہتے ہیں شکریہ تمھارا کہ تم نے مجھے میری حیثیت یاد دلا دی اور خدا کا حکم بھی یاد دلا دیا کہ میں وہ بھول رہا تھا۔ تمہارے جیسی عورتیں موجود رہیں تو عمر اپنے راستے سے بھٹک نہیں سکیگا''۔

عورت ''ظہار'' جیسے شرمناک معاشرتی قانون کے خلاف احتجاج کرتی ہے اللہ کے رسول کے پاس آ کر اس جاہلی قانون کو چیلنج کرتی ہے تو اللہ تعالی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا ہے خولہ بنت ثعلبہ ٹھیک کہتی ہے یہ غلط قانون ہے آج سے اسے ختم کیا جاتا ہے اور خولہ کے واقعہ کو وہ تقدس ملتا ہے کہ وہ قران حکیم میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

عورت اس قابل ہو جاتی ہے کہ رسول خدا اس سے مشورہ لیتا ہے اسکا مشورہ استاد انشمندانہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرتے ہیں اور انتہائی صحیح نتائج حاصل ہوتے ہیں یہ عورت ام سلمہؓ ہیں اور یہ مشورہ صلح حدیبیہ کی شکستہ دل فضاء میں بڑے صائب اور عقلمندانہ انداز میں دیا گیا۔

عمر فاروق جیسا آدمی شفاء بنت عبداللہ کا مشورہ لینے میں پیش قدمی کرتا ہے (الاستیعاب) امیر المؤمنین عمر فاروق ایک خاتون کو مدینہ منورہ کا میئر (Mayor) مقرر کرتے ہیں اور اسکے حسن انتظام سے مطمئن ہوتے ہیں (بحوالہ اسلام میں خواتین کے حقوق ص ۳۷۸)

اب عورت کسی پنجرے میں بے بسی سے پھڑ کنے والی مخلوق نہیں انتہائی جاندار کردار کی مالک ہے میدان جنگ میں جاتی ہے اور اپنے فرائض پورے کرتی ہے وہ اپنا ہر کام پورے احساس ذمہ داری سے سرانجام دینے لگتی ہے۔ علم وحکمت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے میدان میں سرگرم عمل رہتی ہے۔

وہ عورت جسے مرد اپنا جنسی کھلونا سمجھا کرتا تھا اور اپنی شہوانی تسکین کے لئے جسے کوٹھے پر بٹھا دیتا تھا وہ عورت غائب ہو جاتی ہے اسلامی معاشرہ میں کہیں اسکا نام و نشان نہیں ملتا اب ایسی عورت آ گئی ہے جسے اپنی عفت کی پاسداری کا ہنر آتا ہے

اب کوئی بھی اسے اپنے گناہ کا آلہ کار نہیں بنا سکتا۔ علامہ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں

''اسلام نے فحش اور فحش کاری کا قلع قمع کر دیا تھا چنانچہ علامہ حلبی کا قول ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلی صدی میں دنیائے اسلام کے اندر عصمت فروشی بالکل مفقود تھی''

(شہوانیات ص۹۱ شائع کردہ آواز اشاعت گھر لاہور)

اسکی وجہ کیا تھی؟ جان فریزر لکھتا ہے

''اسلام نے عورت کو یہ احساس دلا کر کہ وہ انسان ہے اور مرد کے برابر حقوق رکھتی ہے اس پر پورا اعتماد کیا اسے آزادی دی اور عورت نے انتہائی ذمہ دارانہ احساس کے ساتھ اس اعتماد کو بڑھاوا دیا اور ثابت کر دیا کہ وہ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت خود کر سکتی ہے''۔

(Islam In Early Years P. 19)

آیات حجاب پر ایک نظر

سورۂ نور میں مردوں کے لئے حکم ہے۔

قل للمومنین یغضو ا من ابصار ھم و یحفظو افرو جھم ذلک از کی لھم ان اللہ خبیر بما یصنون . (۲۴/۳۰)

''مسلمان مردوں کو کہ دیجئیے ۔ کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ انکے لئے بڑی پاکیزہ بات ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے باخبر ہے''

نگاہیں نیچی رکھنے کا یہی حکم عورتوں کو بھی انہیں الفاظ میں دیا گیا ہے اگلی آیت ہے۔

وقل للمؤ عنات یفضضن من ابصار و یحفظن فرو جھن . (۲۴/۳۱)

''اور مسلمان عورتوں سے کہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں''

دونوں کو یہاں تک ایک جیسے احکام دیئے گئے ہیں دونوں کو غـض بـصـر کا حکم ہے اگر اس سے مراد وہ گٹھی نما برقع ہے جو عورتوں پر چڑھا دیا جاتا ہے تو مردوں کو بھی برقع پہننا چاہیے۔ نگاہیں نیچی رکھنے کا مطالبہ ہے یہی اسلئے کہ مرد عورت دونوں کے چہرے کھلے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد عورتوں کو ایک اور حکم دیا گیا ہے۔

ولا یبدین زیتھن الا ماظھر منھا

''اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے''

زینت کیا ہے؟ ظاہر ہے جسم کا حصہ تو زینت نہیں ہوسکتا زینت تو خارج کی چیز ہوتی ہے جیسے فرمایا

قل من حرم زینۃ اللہ السی اخرج لعبادہ

''کہ دیجئے کون ہے جس نے اللہ کی زینت کی چیزوں کوحرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیں''

یہاں زینت کی چیزیں وہ ہیں جو بندوں کے لئے الگ سے پیدا کی گئی ہیں جیسے سونے چاندی کے زیورات ہیرے جواہرات وغیرہ۔ انہی آیات میں آگے چل کر زینت کی قرآن نے خود ہی وضاحت کردی ہے۔

ولا یضربن بار جلھن لیعلم ما یخضین من زینتھن

''اور اپنے پیروں کو زمین پر زور سے مارتی چھلیں کرتی نہ چلیں کہ جس زینت کو وہ چھپائے ہوئے ہیں اسکا پتہ چل جائے''

صاف ظاہر ہے کہ زینت سے مراد کوئی ایسی چیز ہے جو چھپی ہوئی بھی ہو تو پاؤں زمین پر مار کر چھلیں کرتے ہوئے چلنے سے اس (زنیت) کا پتہ چل جاتا ہے۔ جسم کے کپڑے بھی نہیں بناؤ سنگار یعنی سرخی کاجل وغیرہ بھی نہیں کہ زمین پر پاؤں مار کر چلنے سے تو یہ ظاہر نہیں ہوتیں واضح ہو گیا کہ وہ ایسا زیور ہے جو زمین پر پاؤں مار کر چلنے سے ظاہر ہو جاتا ہے یعنی اسکا پتہ چل جاتا ہے پاؤں کی پازیب ہے یا اس قسم کے دوسرے زیور جنہیں جاہلیت میں عورتیں چھنکاتی ہوئی چلتی تھیں وہی بات جیسے شاعر کہتا ہے

تو لاکھ چلے ری گوری تھم تھم کے۔۔۔ پائل میں گیت ہیں چھم چھم کے

یہاں تک بات صاف ہو گئی کہ چہرا کھلا ہوا ہو گا (کہ غض بصر کا حکم دیا گیا ہے) چہرے پر برقع ہو تو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم کیوں؟ چلیئے آپ کہیں گے عورت برقع سے بھی اوپر نہ دیکھے تو مرد کو یہ حکم دیا گیا عورت برقع میں سربند لفافہ بن گئی اب نگاہ اوپر ہو یا نیچے کیا فرق پڑتا ہے۔ بہرحال یہ حکم عورت کو الگ سے دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زینت کو غیر محرم مردوں سے چھپائے اسی سلسلہ میں فرمایا گیا۔

ولیضر بن نجم ھن علی جیوبھن

''اور اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں''

یہاں سینہ چھپانے کا حکم آیا ہے اگر برقع میں عورت ملفوف ہے تو اس حکم کی کیا ضرورت ہے وہ تو ساری کی ساری چھپی ہوئی ہے پھر اوڑھنیاں سینوں پر ڈالنے نہ ڈالنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔

اب آیئے سورہ اخراب کے حکم کی طرف اارشاد ہوتا ہے۔

یا یھا النبی قل لا زوا جلو بنتک ولنساء المؤ منین یدنین علیھن من جلا

بیھن

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہ دیجئے کہ اپنے اوپر جلباب ڈال لیا کریں''

یہ جلباب کیا ہے عام طور پر اس سے چادر مراد لی جاتی ہے یہ ایک قسم کا اوور آل ہے اس کا مقصد کیا ہے اسکی وضاحت اسی آیت میں یوں کی گئی ہے۔

ذالک ادنی ان یعرمن فلا یو دین. (۳۳/۵۹)

''ترجمہ اس لئے کہ اس سے بہتر انداز میں انکی پہنچان ہو جائیگی اور ان کو اذیت نہیں دی جائیگی''

گویا یہ ''جلباب'' مخلوط معاشرہ میں مسلمان عورت کی یونیفارم تھی جس سے پہچان ہوسکتی تھی مفسرین لکھتے ہیں مدینہ مطہرہ کے معاشرہ میں منافقین عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور ابھی اسلامی قوانین کی گرفت میں پوری طرح نہیں آئے تھے پس یہ ''جلباب''، مسلمان عورت کی پہچان تھی۔

مختلف ادوار میں ایسا بھی ہوا ہے کہ بری عورتوں کو معاشرہ میں ممیتز رکھنے کے لئے انکی کوئی پہچان مقرر کردی جاتی تھی چنانچہ سولھویں صدی میں جرمنی میں زانیہ اور دلالہ کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ پہچان کے طور پر چہرے پر نقاب ڈال کر گھر سے نکلا کریں (شھوانیات ص ۲۷۳) ابتداء میں مدینہ منورہ کے معاشرہ میں یہودی اور منافقین بھی تھے تو جلباب یا اوورال مسلمان عورت کی پہچان رکھی گئی آیئے اب زینت چھپانے کے متعلق مفسرین کی تفاصیل دیکھتے ہیں۔

علامہ حافظ ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں مختلف اقوال جمع کے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''عورتیں اجنبی غیر مردوں کے سامنے اپنی زینت کی کوئی چیز ظاہر نہ کریں ہاں جن کا چھپانا ممکن نہ ہو جیسے چادر اور اوپر کا کپڑا وغیرہ جن کا چھپانا عورت کے لئے ناممکن ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد چہرہ اور پہنچوں تک ہاتھ اور انگوٹھی ہے لیکن ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ یہی زینت کے وہ مقام ہیں جن کے ظاہر کرنا شریعت نے منع کیا ہے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں یعنی بالیاں، ہار، زیور وغیرہ۔ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جن رشتہ داروں کا ذکر ہے ان کے سامنے تو دوپٹہ، بالیاں کھل جائیں تو حرج نہیں لیکن

دوسرے لوگوں کے سامنے صرف انگوٹھیاں ظاہر ہو جائیں تو پکڑ نہیں اور روایت میں انگوٹھیوں کے ساتھ ہی پاؤں کے خلخال کا بھی ذکر ہے ہوسکتا ہے ماظھر منھا کی تفسیر ابن عباسؓ وغیرہ نے منہ اور پہنچوں سے کی ہو جیسے ابو داؤد میں ہے کہ اسماء بنت ابی بکر حضور اکرمؐ کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے تھیں تو آپ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا جب عورت بلوغت کو پہنچ جائے تو سوا اس کے اور اس کے (آپ نے ہاتھوں اور چہرے کی طرف اشارہ کیا) اس کا کوئی عضو دکھانا ٹھیک نہیں لیکن یہ روایت مرسل ہے خالد ابن دریک اسے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا مائی صاحبہ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں، واللہ اعلم عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دو پٹوں سے یا اور کپڑے سے بکل مارلیں تاکہ سینہ اور گلے کا زیور چھپا رہے جاہلیت میں اس کا رواج بھی نہیں تھا عورتیں اپنے سینوں پر کچھ نہیں ڈالتی تھیں بسا اوقات گردن، بال، چوٹی اور بالیاں وغیرہ صاف نظر آتی تھیں اور آیت میں ہے اے نبی اپنی بیویوں سے اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادریں اپنے اوپر لٹکا لیا کریں تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔ خمر خمار کی جمع ہے خمار ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو ڈھانپ لے چونکہ دوپٹا سر کو ڈھانپ لیتا ہے اس لئے اسے خمار کہتے ہیں پس عورتوں کو چاہے کہ یا تو اپنی اوڑھنی سے یا کسی اور کپڑے سے اپنا گلا اور سینہ چھپائے رکھیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اللہ ان عورتوں پر رحم کرے جنہوں نے شروع شروع میں ہجرت کی تھی کہ جب یہ آیت اتری تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنالئے بعض نے تہمد کے کنارے کاٹ کر سر ڈھک لیا''۔

(تفسیر ابن کثیر پارہ ۱۸ ص ۶۰-۵۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس طویل اقتباس سے یہ دکھانا مقصود تھا کہ ضعیف ترین اقوال کو بھی لیا جائے تو موجودہ برقع کی تائید نہیں ہوتی بعض نے جلباب سے چہرہ اور ہاتھ چھپانے کی جو بات کی ہے اس کی حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہؓ سے منسوب روایات سے تردید ہو جاتی ہے بلکہ خود قرآن بھی اس کی تردید کرتا ہے کیونکہ اللہ کا حکم ہے عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اگر آنکھیں اور چہرہ موجودہ برقع کے مطابق ڈھکے ہوئے ہیں تو پھر نگاہیں نیچی رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

اکثر فقہاء کا یہی خیال ہے کہ **الا ماظهر منها** (سوائے اس زینت کے جو ظاہر ہو ہی جاتی ہے) سے مراد ہاتھ اور چہرہ ہیں۔ عالم عرب کے ممتاز علامہ محمد ناصر الدین البانی نے دقیق بحث کے بعد مسئلہ کو صاف کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''کچھ حضرات اس کے قائل ہیں کہ الا ماظہر منہا سے مراد اوپر کے کپڑے ہیں۔ کچھ سرمہ، انگوٹھی کنگن اور چہرہ وغیرہ مراد لیتے ہیں۔ ان اقوال کو ابن جریر نے اپنی تفسیر ج ۱۸ ص ۸۴ میں نقل کیا ہے پھر ابن جریر نے یہی قول اختیار کیا ہے کہ اس استثناء سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں چنانچہ انہوں نے کہا ہے اس بارے میں صحت سے قریب تر انہی حضرات کا قول ہے جو کہتے ہیں چہرہ اور دونوں ہاتھ کھولے جا سکتے ہیں جس میں سرمہ، انگوٹھی، کنگن، مہندی سب داخل ہیں اور ہم نے اسے صحیح تر قول پوری امت کے اس اجماع کی وجہ سے قرار دیا ہے کہ ہر نماز پڑھنے والے پر اپنے ستر کو چھپانا ضروری ہے ستر کو چھپائے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور عورت کے لئے جائز ہی نہیں ضروری ہے کہ وہ نماز میں چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھے اور اس پر واجب ہے کہ ان کے سوا باقی بدن کو چھپائے۔ حضور سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے عورتوں کے لئے اپنے ہاتھوں کو بقدر نصف یعنی کہنیوں تک کھلا رکھنے کو مباح قرار دیا ہے تو جب یہ بات علماء کے اجماع سے ثابت ہے تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ جو حصہ اس کے جسم کا ستر نہیں وہ اسے کھول سکتی ہے جیسا کہ مردوں کے لئے ستر ہی کو چھپانا ضروری ہے کیونکہ جو حصہ ستر میں شامل نہیں اس کا اظہار (کھلا رکھنا) بھی حرام نہیں ہو سکتا اور جب چہرہ، ہاتھوں اور پاؤں کا ظاہر کرنا عورت کے لئے جائز ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے الا ماظہر منہا سے انہی کا استثناء فرمایا کیونکہ کام کرتے ہوئے یہ اعضاء تو عورتوں کو ظاہر کرنا ہی ہوتے ہیں''۔

(حجاب المراة المسلمه فی الکتاب والسنه مطبوعه بیروت طبع ثالث ۱۳۸۹ھ ص ۱۹ .۱۷)

''میں کہتا ہوں کہ یہ قول بہتر ہے چونکہ اکثر حالات میں چہرہ اور ہاتھ عادتاً اور

عبادت کرتے ہوئے کھل جاتے ہیں یہ صلوۃ اور مناسک حج کی ادائیگی میں بھی ہوتا ہے تو یہ بات درست ہے کہ استثناء چہرے اور ہاتھوں کی طرف ہی راجع ہو اس پر وہ روایت بھی روشنی ڈالتی ہے جسے ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسماء حضور کے پاس حاضر ہوئیں تو باریک کپڑے پہنے تھیں آپؐ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا جب عورت بلوغ کو پہنچ جائے تو اس اور اس (چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا) کے سوا باقی اعضاء ظاہر نہیں کرنے چاہئیں''۔

اس سلسلہ میں ذرا آگے چل کر کہتے ہیں:

''یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ حضور اکرمؐ کے عہد مبارک میں عورتوں کا عمل اس پر رہا ہے کہ وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھلا رکھتی تھیں حضورؐ کے دربار میں اس طرح حاضر ہوتی تھیں اور آپ ان پر کوئی نکیر نہیں فرماتے تھے اس سلسلہ میں کثیر روایات ہیں جن میں سے ہم چند کا ذکر کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں حضور کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوا آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی جس میں نہ اذان تھی نہ اقامت پھر بلالؓ کے سہارے ٹیک لگا کر آپ کھڑے ہوئے اور تقوی کا حکم دیا وعظ فرمایا۔ پھر عورتوں کے پاس گئے انہیں نصیحت فرمائی ذکر خدا کی طرف مائل ہونے کی ترغیب دی اور فرمایا صدقہ کرو کیونکہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن بن جاتی ہیں عورتوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ایک عورت کے رخساروں کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور سیاہ ہو گیا بولی اے اللہ کے رسول کیوں؟ آپ نے فرمایا تم کثرت سے غیبت کرتی ہو حضرت جابر کہتے ہیں کہ وہ اپنے زیورات کا صدقہ کرنے لگیں اور بلال کے کپڑے میں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں ڈالنے لگیں''۔

(مسلم، نسائی، داری، بیہقی، مسند احمد)

اس راویت میں حضرت جابر بتا رہے ہیں کہ عورت کے رخساروں کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور سیاہ پڑ گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چہرہ کھولے بیٹھی تھی کہ حضرت جابرؓ نے اس کے رنگ کے متعلق یہ تغیر دیکھ لیا۔

'' حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک خاتون حجۃ الوداع میں قربانی کے دن حضورؐ سے ایک مسئلہ پوچھنے آئی فضل بن عباس حضور کے ذرا پیچھے بیٹھے تھے عورت بھی بڑی حسین تھی اور فضل بھی بہت خوبصورت تھے دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے حضورؐ نے فضلؓ کی ٹھوڑی پکڑ کر دوسری طرف موڑ دی۔ یہی روایت حضرت علی بن ابی طالب سے بھی ہے''۔

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، بیہقی)

یہ اور اس قسم کی بہت سی روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کے عہد میں عورتیں خود آپؐ کے پاس بھی اس حال میں حاضر ہوتی تھیں کہ ان کا چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوتے تھے حضورؐ نے کبھی انہیں یہ حکم نہ دیا کہ وہ چہرے اور ہاتھوں کو چھپالیں۔ (تفسیر قرطبی زیر آیات حجاب)

ہم تفصیل سے ان عملی سرگرمیوں کا ذکر کر چکے ہیں جن میں اس وقت کی عورتیں حصہ لیتی تھیں ظاہر ہے کہ ان میں حصہ لینے کے لئے چہرہ اور ہاتھ کھلے رہتے تھے۔ کتنی بھی تاویلیں کی جائیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں جو پردہ رائج ہو گیا ہے یہ حضور اور صحابہ کے دور میں موجود تھا۔

علامہ محمد ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

'' ثابت ہو گیا کہ عورت کے لئے چہرے کو چھپانا ضروری نہیں یہی اکثر فقہاء کا مذہب ہے جیسا کہ ابن رشد نے بدایہ المجتہد میں کہا ہے۔ ان فقہا میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ شامل ہیں اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی کی تائید میں ہے (بحوالہ المجموع ج ۳ ص ۱۶۹) امام طحاوی نے بھی شرح معانی ج ۲ ص ۹ میں امام ابوحنیفہ کے شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد اور شافعیہ کی کتابوں میں اسے جزم کے ساتھ نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی صحیح ہے اسے شیخ شربنی رحمتہ اللہ علیہ نے امتناع ج ۲ ص ۱۱۰ میں بھی بیان کیا ہے''

(حجاب المراۃ المسلمہ فی الکتاب والسنہ ص ۴۲۔۴۱)

رہا گھروں میں بالکل بند ہو جانا تو یہ قرآن کی تجویز کردہ ایک سزا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

والتی یاتین الفاحشة من نساء کم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتو فهن الموت او یجعل الله لهن سبیلاً

(۴/۱۵)

''تمہاری عورتوں میں سے جو ایسی حرکات کی مرتکب ہوں جو زنا کی طرف لے جانے والی ہوں تو اس پر چار آدمیوں کی گواہی طلب کرو اور اگر وہ گواہی دیں تو انہیں گھر سے باہر آنے جانے سے روک دو تا آنکہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ پیدا کردے''۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اس مسئلہ میں خاصے متردد ہیں ایک طرف یہ لکھتے ہیں کہ:

''مردوں کے لئے عورت کا ستر ہاتھ اور منہ کے سوا پورا جسم ہے عورت کو ایسا باریک یا چست لباس نہیں پہننا چاہیے جس سے بدن اندر سے جھلکے یا بدن کی ساخت نمایاں ہو حضرت عائشہؓ کی راویت ہے کہ ان کی بہن اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں حضورؐ نے فورا منہ پھیر لیا اور فرمایا ''اسماء جب عورت بالغہ ہوجائے تو جائز نہیں ہے کہ منہ اور ہاتھ کے سوا ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے''۔

(ابوداوٗد)

(تفسیر سورہ نور طبع اول محرم ۱۳۸۳ھ ص ۱۰۵-۱۰۴) آگے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ کے ہاں ان کے رضاعی بھائی عبداللہ بن الطفیل کی صاحبزادی آئی ہوئی تھیں ۔رسول اللہؐ گھر میں تشریف لائے تو انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا۔حضرت عائشہؓ نے کہا یارسول اللہ یہ میری بھانجی ہے۔آپؐ نے فرمایا جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ ظاہر کرے اپنے منہ کے سوا اور اپنے ہاتھ کے سوا اور ہاتھ کی حد آپؐ نے اس طرح بتائی کہ خود اپنی کلائی پر ہاتھ رکھا۔مٹھی اور ہتھیلی کے درمیان صرف ایک مٹھی کی جگہ تھی''۔

ان واضح روایات کو وہ تسلیم کرتے ہیں پھر اصرار کرتے ہیں کہ منہ ڈھکا ہوا ہونا چاہیے۔

بہر حال فقہائے حنفیہ کے ایک اچھے خاصے گروہ نے جو کچھ تسلیم کیا ہے وہ مولانا مودودی ہی

کے الفاظ میں ہم لکھ دیتے ہیں۔

''بعض مفسرین نے ماظهر منها کا مطلب لیا ہے مایظهر ہ الا نسان علی العادۃ الجاری ''جسے عادۃ انسان ظاہر کرتے ہیں'' اور پھر وہ اس میں منہ اور ہاتھوں کو ان کی آرائشوں سمیت شامل کر دیتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ عورت اپنے منہ کو اور سرمے اور سرخی پاؤڈر سے اور اپنے ہاتھوں کو انگوٹھی، چھلے اور چوڑیوں اور کنگن وغیرہ سے آراستہ رکھ کر لوگوں کے سامنے کھولے پھرے یہ مطلب ابن عباس اور ان کے شاگردوں سے مروی ہے اور فقہائے حنفیہ کے ایک اچھے خاصے گروہ نے اسے قبول کیا ہے''۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۳۸۹۔۳۸۸ بحوالہ تفسیر سورہ نور ص ۱۰۶ طبع اول ۱۳۸۱ء)

مولانا نے پردہ نام کی ایک کتاب بھی لکھی ہے اور وہاں بھی انداز ایسا ہی متردد ہے اور آخر میں کہہ جاتے ہیں کہ ہمیں ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہیے کہ جہاں عورت کو میلی نظر سے دیکھنے کے لئے دو آنکھیں اٹھیں وہاں انہیں نکالنے کے لئے پچاس ہاتھ بھی اٹھ جائیں۔ مولانا کی اس بات سے ہمیں اتفاق ہے۔

ان تصریحات کی روشنی میں صاف نظر آتا ہے کہ اسلام نے کہیں بھی یہ حکم نہیں دیا کہ عورت کو گھروں میں بند رکھا جائے اور اگر انتہائی مجبوری کے عالم میں اسے گھر سے نکلنے کی اجازت بھی دی جائے تو برقع کی صورت میں اسے پنجرے میں ہی بند باہر بھیجا جائے جیسا کہ پہلے وضاحت کی جا چکی ہے گھر میں بند رکھنا تو قرآن حکیم کے نزدیک ایک سزا ہے جو زن فاحشہ کے لئے تجویز کی گئی تھی جس کا ذکر سورہ نساء میں آ چکا ہے۔

مگر ملائیت کے غلبہ نے خاتون کے لیے نئی اصطلاحات وضع کر دیں، خود لفظ عورت کے معنی ہیں ڈھانپ کر رکھی جانے والی۔ شرمگاہ اور وہ اعضاء جنہیں ڈھانپ کر رکھا جائے انہیں ''عورت'' کہا جاتا ہے مگر اسی لفظ کو خاتون کے معنی دے دیئے گئے تا کہ ذہنوں میں تصور واضح ہو جائے کہ صفت نازک ساری کی ساری سر کی چوٹی سے پیر تک چھپا کر یا ڈھانپ کر رکھی جانے والی چیز ہے'' اس کے ساتھ ہی دیکھئے ''گھر'' سے بھی بیوی مراد لی جاتی ہے کیونکہ عقیدہ ہے کہ وہ گھر میں مقید رکھی جانے والی مخلوق ہے دکن کی اردو میں ''گھر'' بیوی کو ہی کہا جاتا ہے۔ پشتو میں گھر کو ''کور'' کہتے ہیں اور بیوی کو بھی ''کور''

کہتے ہیں۔عورت کے ساتھ دوسرا لفظ مستورات رائج ہوگیا جس کے معنی چھپی ہوئی چیز کے ہیں۔

رسول اللہ کے عہد سعادت میں عورتوں نے زندگی کے ہر میدان میں انتہائی جاندار کردار سر انجام دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ایک عرصہ سے ہمیں پڑھایا جا رہا ہے کہ

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة

''حصول علم ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے''

اگر عورت کو گھر میں بند کر کے ہی رکھنا ہے تو علم کہاں سے حاصل کریگی اور پھر علم اس کے کس کام آئیگا کیا وہ ساری عمر کھانے پکانے کی ترکیبیں ہی سیکھتی اور پڑھتی رہیگی۔

گھر کے بند ماحول میں عورت کے ذہن میں وہ وسعت کبھی نہیں آسکتی جو ایک اچھی ماں بننے کے لئے ضروری ہے۔

حالات کی تبدیلی اور شرعی احکام

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وما جعل علیکم فی الدین من حرج (۲۲/۷۸)

''اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لا ضرر ولا ضرار فی الا سلام

''اسلام میں نہ ضرر پہنچانا ہے نہ ضرر اٹھانا''

دین کے تمام احکام جو معاملات پر مشتمل ہیں انکی مصلحتیں اور اسباب وعلل بیان کر دیئے گئے ہیں اور حکمت واضح کر دی گئی ہے۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو صرف لفظوں کو پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ الفاظ کس تناظر میں بیان کئے گئے ہیں اور انکے پیچھے حکمت کیا تھی یہی وہ لوگ ہیں جنہیں بنیاد پرست (Fundamentalist) کہا جاتا ہے مگر کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو احکام دیکھتے ہیں زمانے اور حالات کو دیکھتے ہیں اور پھر کوئی فیصلہ کرتے ہیں حکماء افقہاء اور مجتہدین کا یہی کام ہے اسی کو قرآن تفقہ فی الدین کہتا ہے علامہ ابن قیم جوڑی نے اس سلسلہ میں اپنی مشہور کتاب ''اعلام الموقعین'' میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے جو اعلام الموقعین کے جلد سوم کے صفحہ چودہ (۱۴) سے صفحہ ستر (۷۰) تک تقریباً ستاون (۵۷) صفحات تک چلی گئی ہے۔ ابتداء میں بتاتے ہیں کہ شریعت سراپا عدل ورحمت ہے جو مسئلہ عدل ورحمت سے نکل کر ظلم اور شقاوت تک پہنچ جائے وہ شریعت نہیں زمانہ اور اسکے تقاضوں میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں علماء وفقہاء کا فرض ہے کہ وہ ہر زمانہ کے مطابق اور حالات کو جانچ کر رہنمائی فراہم کریں۔ یہی بات ڈاکٹر معروف دوالیبی نے اپنی مشہور کتاب المدخل الی علم اصول الفقہ میں بیان کی ہے اور اسکے نظائر بیان کئے ہیں۔ ہم ان تمام تفاصیل میں نہیں جاتے صرف ایک دو

نظائر پر اکتفا کرتے ہیں۔

حد سرقہ قرآن میں بیان ہوئی ہے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے قحط کے زمانہ میں چور کی یہ سزا ختم کر دی اس میں جو حکمت پنہاں ہے وہ ہر سوچنے والا ذہن باآسانی سمجھ سکتا ہے اسلام سزائیں دینے کے لئے نہیں آیا اس کا مقصود فلاح واصلاح ہے وہ سب سے پہلے ایک ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں ہر فرد کو رزق اور وسائل رزق میسر ہوں اسکے بعد بھی اگر کوئی شخص چوری کا مرتکب ہو تو سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے فرد کو رزق اور وسائل رزق فراہم کرنا حکومت وقت کا فریضہ ہے اسی لئے حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا تھا'' خدا کی قسم اگر فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بھوکی مرجائے تو عمر سے اسکی باز پرس ہو گی''

قحط کے دور میں چونکہ رزق اور وسائل رزق کی فراہمی میں مجبور اتعطل آجاتا ہے ان حالات میں اگر کوئی بھوک سے مجبور ہو کر سرقہ کا مرتکب ہو جائے تو سزا دینا ظلم ہے یہ تو ایسی حالت اضطرار ہے کہ خنزیر اور مردار بھی بقدر کفایت کھانا جائز ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ ہی کا ایک اور واقعہ ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو وہاں کی زمینیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم کر دی تھیں حضرت عمرؓ کے دور میں عراق اور شام فتح ہوئے تو مجاہدین اسی طرح توقع رکھتے تھے کہ یہ سب کچھ بھی ان میں تقسیم ہو گا لیکن جناب عمر فاروق اراضی کی تقسیم میں متردد تھے انہوں نے صحابہ کو مشورہ کے لئے بلایا بعض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ برائے زرعی اراضی خیبر یاد دلایا حضرت عمرؓ نے کہا وہ میرے سامنے ہے میں اسے بھولا نہیں لیکن میں سوچتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں صحابہؓ غریب تھے فوجیں بھی نہیں تھیں جنکی باقاعدہ تنخواہیں ہوں اور انکے اپنے لئے فوجی کیمپوں میں خوراک وغیرہ کا انتظام کیا جائے اسطرح اگر مفتوح زمینیں تقسیم کر دی جاتی رہیں تو حکومت کی آمدنی کہاں سے آئیگی جس سے سارا انتظام چلایا جاسکے اور لوگوں کو رزق فراہم ہوتا رہے ہیں تو چاہتا ہوں کہ یہ مفتوحہ زمینیں خراج پر دے دی جائیں تاکہ حکومت کے لئے مستقل آمدنی کی سبیل بنی رہے یوں وہ کئی روز تک متردد رہے اور مشورے کرتے رہے مقتدر صحابہ میں سے بعض کہتے رہے کہ آپ زمینیں تقسیم کر دیں کہ یہ مال غنیمت ہے اور اس میں سے ایک حصہ لے کر باقی مجاہدین میں تقسیم کرنا ہے مگر آپ کہتے رہے میرا دل نہیں مانتا کہ بعد میں آنے والے محروم رہ جائیں آخر ایک دن آپؓ نے کبار صحابہ کو بلایا اور کہا مجھے قرآن سے رہنمائی مل گئی ہے پھر آیۂ مبارکہ **وما افاء اللہ علی رسولہ ... والذین جاؤ من بعد ھم** تک پڑھی اور فرمایا یہ آیت ساری کی ساری مخلوق کے لئے عام ہو گئی

ہے حتی کہ وہ چرواہا بھی اس میں شامل ہو گیا جو مقام کداء میں بکریاں چرا رہا۔۱۔(المدخل الی علم اصول الفقہ ص ۲۲۶۔۲۲۵)اور صحابہ نے سر تسلیم خم کر دیا۔

علامہ دوالیبی اس طرح کی اور بھی مثالیں پیش کر کے کہتے ہیں۔

''معاشرہ انسانی بدل جانے سے لوگوں کی فلاح و بہبود کے معیار بھی بدل جاتے ہیں اور چونکہ قانون کی بنیاد بندوں کی فلاح پر ہی ہے لہذا عقل کا فتوی بھی یہی ہے کہ زمانہ اور معاشرہ کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ احکام شرع میں بھی مناسب اور ضروری تبدیلیاں ہوتی رہیں''۔۲۔(ایضاً)

بیک وقت تین طلاق دے دینے کے متعلق حضورؐ جناب صدیقؓ اور خود حضرت عمر کے ابتدائی دور میں یہ فیصلہ تھا کہ انہیں ایک طلاق سمجھا جاتا تھا جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگوں نے اسے کھیل بنا لیا ہے تو آپؐ نے حکم صادر کر دیا کہ اب یہ تین ہی شمار کی جائینگی یہ تادیبی حکم تھا۔اسلئے علامہ ابن قیم کہتے ہیں یہ اپنے وقت پر ٹھیک تھا لیکن بعد میں اسکے یہ مفاسد ظاہر ہوئے کہ اس سے حلالہ کا دروازہ کھلتا تھا تو ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود اس سے رجوع کر لیا تھا اور چونکہ اصول یہ ہے کہ جب کوئی حکم ایسے مفسدہ کا باعث بن جائے جس سے سزا کردہ فعل سے بھی زیادہ خرابی ہو تو اللہ اور رسولؐ کے نزدیک اسکا چھوڑ دینا ہی پسندیدہ ہے۔(اعلام الموقعین طبع مندیہ مصرج ۳ ص ۳۴) چنانچہ علامہ ابن قیم جوزی اور علامہ ابن تیمیہ نے جو رائے پیش کی ہے مصر کی شرعی عدالتوں میں آج پھر وہی قانون رائج ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد باسعادت میں تھا یعنی ''**تغیر الاحکام بتغیر الازمان**'' کے پیش نظر تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا ہے۔(المدخل علی اصول الفقہ ص ۳۲۹۔۳۳۰)

ڈاکٹر صبحی محمصانی نے بھی ''**فلسفة التشريع فی الاسلام**'' کے نام سے ایک انتہائی شاندار کتاب لکھی ہے اور اس میں اسی وصول پر جامع بحث کی ہے انہوں نے اعلام اور المدخل میں بیان کردہ نظائر بھی دہرائے ہیں اور اپنی طرف سے بھی بہت سے نظائر پیش کئے ہیں۔

''قواعد المجامع'' میں بھی یہی بحث کی گئی ہے ''**مجلة الاحكام العدليه**'' کی دفعہ ۳۹ میں المجامع ہی کی عبادت کو بنیاد بنا کر لکھا گیا ہے ''**لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان**'' یعنی وقت بدل جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا'' اور کہا گیا ہے کہ اسی قاعدہ کی

تکمیل کے لئے ان الفاظ کا اضافہ کر دینا چاہیے'' **بتغير الامكنة والا حوال** '' ''یعنی تغیر مکان اور تغیر حالات سے بھی احکام بدل جاتے ہیں'' جیسا کہ فقہائے تصریح کی ہے (مجامع اور اسکی شرح منافع ص ۳۳۸) قاعدہ مذکورہ کی رو سے ان مصالح کی جستجو ضروری ہے جن پر ان احکام کی بنیاد رکھی گئی ہے چونکہ مصالح عامہ ہی احکام شرع کی بنیاد ہیں تو اس دلیل سے یہ دعوی بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ جب بنیاد باقی نہ رہے یا بدل جائے تو احکام بھی بدل جانا چاہییں لہذا قواعد اساسی میں کہا گیا ہے۔

ان الحكم الشرعى المبنى على علة بدور مع علته وجوداوعدما

''جو حکم شرعی کسی علت پر مبنی ہو وہ اس علت کے موجود رہنے یا ختم ہو جانے سے وابستہ ہوتا ہے''

مولانا علائی نے کہا ہے

''جو حکم شرعی کسی سبب اور علت پر مبنی ہوتا ہے وہ اس علت کے ختم ہو جانے سے ختم ہو جاتا ہے''

(المنافع شرح المجامع ص ۳۱۹)

ان وضاحتوں کو سامنے رکھیئے اور ان آیات پر دوبارہ نظر ڈالئے جن میں ''جلباب'' وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے۔

غض بصر کا حکم مردوں کو بھی ہے اور عورتوں کو بھی نگاہیں نیچی رکھنے سے مراد شرم وحیا ملحوظ رکھنا ہے برقع اوڑھنا ضروری ہوتا تو غض بصر کا حکم کیوں دیا جاتا؟

عورتوں کے لئے یہ حکم ہے کہ سینہ پر اوڑھنی ڈالیں اور زینت چھپائیں زمانہ جاہلیت کی طرح زمین پر پاؤں مارتی چھلیں کرتی نہ چلیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ انہیں گھروں میں بند نہیں رہنا ہے اپنے معمولات نبھانے باہر جاسکتی ہیں گھروں میں بند رکھنا قرآن کی بیان کردہ سزا ہے جو فحاشی کی مرتکب عورتوں کے لئے خدا نے تجویز کی ہے۔

اپنے اوپر'' جلباب'' ڈال لیا کریں۔'' جلباب'' ایک قسم کا اوور آل ہے عام معنی چادر کئے جاتے ہیں مگر جلباب کیوں ڈالی جائے؟

اب اس حکم کی مصلحت سنیئے۔

ذلک ادنی ان یعرمن فلا یؤ ذین

''یہ اسلیئے کہ انکی یعنی مسلمان عورتوں کی پہچان ہو جائے اور انہیں اذیت نہ دی جائے یعنی ستایا نہ جائے''

مفسرین کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ مدینہ میں یہود اور منافقین گھر سے باہر نکلنے والی عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے چونکہ ان میں مسلمان عورتیں بھی ہوتی تھیں ان سے بھی یہی حرکت کی جاتی ابھی مدینہ میں مسلمانوں کی مستحکم حکومت نہیں بنی تھی اسلئے جب چھیڑنے والوں سے تعرض کیا جاتا تو وہ کہہ دیتے ہم نہیں جانتے تھے کہ کوئی مسلمان عورت جارہی تھی۔ان کا یہ بہانہ ختم کرنے کے لئے یہ حکم دیا گیا کہ مسلمان عورتوں کی پہچان ہوجائے۔اسلئے وہ اپنے لباس پر جلباب ڈال لیا کریں گویا یہ حکم ایک خاص سبب سے تھا۔اسکی ایک خاص علت تھی۔

اور اگر انہیں پھر بھی چھیڑا جائے تو کیا ہوگا؟ پھر مسلمان حکومت اگرچہ ابتدائی صورت میں ہے اور یہودیوں کے ساتھ ایک معاشرتی میثاق (میثاق مدینہ) کرچکی ہے پھر بھی حرکت میں آجائیگی۔

ویسے اسلامی حکومت کا تو یہ فریضہ ہے اور اس کا یہ وصف خاص ہے کہ ملک میں امن وامان ہو ہر ایک کی عزت محفوظ ہو اور وہ کچھ ہو جس کا حضور نے ابتداء میں دعوی کیا تھا کہ وہ وقت ضرور آئیگا کہ ایک عورت جزیرۂ عرب کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک سونا اچھالتی چلی جائے اسے کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ضمانت تو اسکی ہے کہ اس کا مال نہیں لوٹا جائے گا چاہے وہ مال کی نمائش کرتی چلی جائے ہم کہتے ہیں ''مال صدقہ جان اور جان صدقہ آبرو'' یہ تو دنیا کا مسلمہ محاورہ ہے جب مال نہیں لوٹا جائے گا تو عزت لوٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا عزت کی حفاظت کی تو یہ بطریق اولیٰ ضمانت ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ایسا معاشرہ قائم ہوجائے تو بھی کیا جلباب ضروری ہوگی؟ کیا اسلامی حکومت کے قائم کردہ معاشرہ میں یہ اجازت ہوگی کہ غیر مسلم عورتوں کو چھیڑتے رہو۔ہمارے خیال میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم معاشرہ میں بالفرض اگر فحاشی اور بےحیائی عام ہو راہ چلتی عورتوں کو چھیڑنا جوانوں کا مشغلہ ہو تو پھر جلباب کیا فائدہ دے سکتی ہے؟ یہ بھی ایک سوال ہے جس پر ہمارے علماء کو سوچنا چاہیے۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے بےشرم معاشرہ میں تو برقع میں ملفوف عورتوں کو زیادہ شوق سے چھیڑا جائیگا انسان فطرتاً تجسس پسند واقع ہوا ہے اور جس چیز سے اسے روکا جائے اسکی طرف تو وہ اور شدت سے متوجہ ہوتا ہے اسکی طرف تو خواہ مخواہ دھیان جاتا ہے اور امنگ پیدا ہوتی ہے کہ کھول کر دیکھا

جائے بقول چرکیں ع۔ کچھ شے بھی ہے پردے میں یا پردہ ہی پردہ ہے۔

ہمارا خیال ہے ایسے معاشرہ میں جلباب یا اوور آل ہو تو بے حیا لوگوں کو کچھ ہچکچاہٹ ضرور ہوگی کہ کہیں چھیڑ خانی کے جواب میں جوتے نہ پڑیں کیونکہ مسلمان عورت ایسی بے عزتی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرسکتی دوسرے یہ کہ جب عورت کا تشخص واضح ہو تو اسے چھیڑنے سے یہ اندیشہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلم کمیونٹی بھڑک اٹھے اسلئے اس معاشرہ میں بھی یہ جلباب مفید مطلب ہوسکتی ہے

اگر ایک غیر مسلم معاشرہ میں غیر مسلم عورتیں اپنے لئے جلباب ضروری کرلیں تو مسلمان عورتوں کا تعارف کیا ہوگا؟ کیا پھر بھی جلباب ضروری ہوگی جبکہ جلباب کے حکم کی علت تعارف ہی ہے۔ یہ ایسا مفروضہ نہیں جو ناممکنات میں سے ہے کیونکہ وہ معاشرے بھی تھے جن میں رنڈی کو حکم تھا کہ وہ چہرے پر نقاب ڈال کر گھر سے نکلے اور ہم نے دیکھا ہے کہ آج بھی مقامی عیسائی عورتیں جب سفر پر جاتی ہیں برقع اوڑھ لیتی ہیں امید ہے کہ اس بحث کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے کرام ہمارے عرض کردہ سوالات پر ٹھنڈے دل سے سوچیں گے اور اپنے نتائج فکر سے مسلمانوں کو آگاہ کرینگے۔

ختم

عورت پر پابندیوں کا آغاز

عورت کے لئے سعادت اور خوش بختی کا یہ دور مختصر ثابت ہوا پھر جاہلیت نے حصار اسلام کی بنیاد دین کھودنا شروع کر دیں ۔ وہ احترام اور مقام جو عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں بلکہ اموی خلافت کے اوائل میں بھی میسر تھا آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا معاشرہ رجعت قہقری کا شکار ہونے لگا عورت کی آزادی ختم ہونے لگی اسکی زندگی پر پھر بند باندھے جانے لگے تاریکیاں پھر غالب آنے لگیں ۔ عورت کو باہر نکلنے سے حتی کہ نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جانے سے بھی روکا جانے لگا اس سلسلہ میں ایک واقعہ سے زیادہ وضاحت ہو جائیگی واقعہ کچھ یوں ہے کہ

''حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے صاحبزادے بلال بن عبداللہ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اس کے بعد فرمانے لگے لاتمنعو النساء حظوظھن فی المساجد ''عورتوں کا مسجدوں میں جو حصہ ہے اس سے انہیں منت روکو'' جسکا مطلب یہ تھا کہ جماعت کی نماز میں شریک ہونے کے لئے عورتیں اگر مسجد میں آنا چاہیں تو ان کو ثواب سے محروم نہ کرو بلال ابھی جوان تھے ان کے عہد تک حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے جنکی وجہ سے انکی رائے اس کے خلاف تھی ممکن تھا کہ اپنی رائے کو کسی اور طریقہ سے پیش کرتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن لینے کے بعد کہنے لگے۔

''مگر میں تو اپنی بیوی کو مسجد آنے سے روکوں گا پھر جس کا جی چاہے اپنی بیوی کو آزاد چھوڑے'' بلال ہی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر نے یہ سنتے ہی مجھے مخاطب کر کے تین بار کہا لعنک اللہ ''اللہ کی تجھ پر لعنت ہو'' اور پھر فرمائے گے ''مجھ سے تو سن رہا ہے کہ ''میں کہہ رہا ہوں'' رسول اللہ نے حکم دیا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ

روکو اور تو کہتا ہے ''میں انکو روکونگا'' بلال کا بیان ہے کہ یہ فرما کر ابن عمر رونے لگے اور غصہ میں اٹھ کر چلے گئے۔

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۱۸۳)

بیٹے نے باپ کو منانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا مگر بعض روایات میں ہے کہ

''پھر حضرت عبداللہ بن عمر نے زندگی بھر اپنے بیٹے بلال سے بات نہ کی''

(فتح الباری و ''تدوین حدیث از علامہ مناظر احسن گیلانی ص ۱۰۳-۱۰۲)

عورت کو گھر میں بند رکھنا اور اسے شرعی پردہ کہنا یہ تصور ہمیں قرون اولی میں نہیں ملتا جس آیت میں مرد اور عورت دونوں کو غض بصر کا حکم دیا گیا تھا اس میں بالواسطہ طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ عورت گھر سے باہر نکل کر پبلک سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اس میں معاشرتی اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اب اسکی ذمہ داریاں مختلف ہوگئی ہیں اب وہ مرد کی جنسی بھوک کو تسکین دینے والا کھلونا نہیں رہی کہ جاہلیت کے دور کی عورت کی طرح نمائش کی پری بنکر اپنے جسم کی نمائش کرتی پھرے باریک لباس میں اپنے بدن کو چھلکاتی پھرے چہلیں کرتی، زیور چھنکاتی دعوت گناہ کا اشتہار و اعلان بنی رہے اب اسکے فرائض اور کچھ ہیں۔

والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولياء يا مرون بالمعروف و ينهون عن المنكر

''اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مساز ہیں معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہیں''

(۹/۳۱)

وہ دور گیا جب عورت مرد کا کھلونا تھی اب تو عورت اور مرد ایک دوسرے کے رفیق و دمساز ہیں اور دونوں کا عظیم فریضہ یہی ہے کہ امر بالمعروف کریں اور نہی المنکر کریں۔ امر بالمعروف اور نہی عن و المنکر مہتم بالشان فریضہ ہے جو اللہ کے رسول کو بھی سرانجام دینا ہے۔ (۷/۱۵۷) اور امت مسلمہ کو بھی

کنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر

(۳/۱۰۹)

''تم وہ مسعود ترین امت ہو جسے نسل انسانی کے لئے چھانٹ کر الگ کر لیا گیا ہے تم معروف کا

حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہو''۔

علماء ہی بتائیں کہ گھر کے پنجرے میں بند عورت امر بالمعروف اور نہی المنکر کا فریضہ کیسے ادا کریگی جنگ جمل کے سلسلہ میں آپ ام المؤمنین عائشہؓ صدیقہ کو برسرحق سمجھتے ہوں یا امر المؤمنین علیؓ بن اب طالب کو، دونوں کی نیت پر شبہ نہیں کر سکتے نہ ہی آپ اس تاریخی حقیقت کا انکار کر سکتے ہیں کہ ام المؤمنین نے مسلمانوں کے بڑے لشکر کی قیادت کی تھی اور کیوں کی تھی؟ ان کے اپنے قول کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض نبھانے کے لئے اسکی تفصیل اور ام المؤمنین کی درج ذیل باتیں تاریخ کی تمام کتابوں میں مذکور ہین مگر ہم آپ کو یہ بات جماعت اسلامی کے قیم (سیکرٹری جنرل) جناب اسلم سلیمی کی زبانی سنوانا زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ یہ اس جماعت اسلامی کے قیم ہیں جس جماعت اسلامی کے بانی اور اولیں امیر مولانا ابوالاعلی مودودی نے ''پرذہ'' نامی کتاب لکھ کر اور دیگر تحریروں کے ذریعے عورت کو گھر میں بند کردینے کو شرعی پردہ ثابت کرنے پر کاغذ اور سیاہی کا بڑا ذخیرہ اور استدلالات چوبیس ڈھالنے پر بڑی توانائیاں صرف کیں ہیں سلیمی صاحب لکھتے ہیں''اور اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ بہت سے اکابر صحابہ کے ساتھ جب بصرہ پہنچیں اور بعض لوگوں نے ان کے یہاں آنے کی غرض وغایت دریافت کی تو فرمایا'' بعض شہروں کے اور بعض قبیلوں کے فتنہ پرور لوگوں نے حرم نبوی میں پہنچ کر جنگ کی وہاں فساد پیدا کیا انہوں نے امام المسلمین اور امر المؤمنین کو بے گناہ قتل کیا ہے ان کے گھر میں لوٹ مار مچائی ہے اسلیئے یہ لوگ اللہ اور رسول کی لعنت کے مستحق ہیں میں مسلمانوں کو لے کر نکلی ہوں تا کہ ان ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچاؤں پھر فرمایا پس یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جس کے لئے ہم آئے ہیں اور تم لوگوں سے بھی کہتی ہوں کہ تم ہمارا ساتھ دو''

(مضمون شہید مدینہ سیدنا عثمان غنی مطبوعہ روزنامہ جنگ لاہور ۹ مئی ۱۹۹۶ء)

عورتیں اس طرح ملت کا اہم عنصر تھیں لیکن اموی خلافت کے اواخر میں حالات بدلنے لگے مسلم معاشرہ سے عورت کو بارہ پتھر باہر کیا گیا اسے گھروں میں بند کیا گیا اور ان گھروں کو حرم کہا جانے لگا

کنیزوں اور تعدد ازداج کا رواج عام ہوا مرد زیادہ سے زیادہ عورتوں کو مفتوح و مغلوب بنانے کے چکر میں گھروں میں زیادہ سے زیادہ عورتیں بھرنے لگا تو اس کے اندر احساس کمتری ابھرا کہ وہ تمام عورتوں کی جنسی خواہشات کی تسکین نہیں کر سکتا اسلئے یہ عورتیں اسکی عدم موجودگی میں غیر مردوں سے روابط بڑھائینگی اس نے لمبی لمبی حویلیاں کھڑی کیں اور ان عورتوں کی نگرانی کے لئے خواجہ سرار کھے گئے ان طویل و عریض حویلیوں کو "حرم" کہا گیا تاریخ بتاتی ہے کہ "حرم" کا رواج اموی خلیفہ ولید دوم کے عہد (۷۴۳ء تا ۷۴۴ء) میں شروع ہوا مزی حکمرانوں اور اشرافیہ نے بازنطینی محلوں کی نقل کی۔ حرم کے معنوں میں بڑی سیمانٹک تبدیلی رونما ہوئی یہ لفظ "حرم" متبرک اور حرمت واحترام والی جگہ سے ممنوعہ اور ممنوعہ مکان سے بیوی اور کنیز کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ خلافت عباسیہ کی ابتداء میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اسلئے گھروں کی عورتوں کی طرف توجہ کم رہی لیکن عباسی خلافت کے دور انحطاط میں کئی عباسی خلفاء نے پردہ سسٹم کو باقاعدہ اسلامی ادارہ میں بدلنا شروع کیا المتوکل (۸۴۷ء تا ۸۶۱ء) پہلا مسلمان خلیفہ تھا جس نے ایک فرمان (The Orient under the Caliphs by von kremer P. 170) کے ذریعے مردوں اور عورتوں کو دعوتوں اور سماجی رسوم میں ایک جگہ جمع ہونے سے منع کر دیا۔ اسکے بعد عباسی خلیفہ قادر باللہ (۹۹۱ء تا ۱۰۳۱ء) نے فرمان شاہی کے ذریعے عورتوں کے پردہ اور خانہ نشینی کو اسلامی ادارہ کی شکل دے دی۔ (Syed Ameer Ali: His Life And Works by K. K. Aziz P.162-163) اس طرح گیارھویں صدی عیسوی میں پردہ مکمل طور پر نافذ ہو گیا اور عباسی خلافت کے زوال (تیرھویں صدی عیسوی) تک اس میں اتنی شدت اور سخت گیری آ گئی تھی کہ عورت انتہائی ضرورت کے تحت گھر سے نکل سکتی تھی مگر وہ بھی ملفوف اور لپٹی لپٹائی برقع سے منہ تو کجا ہاتھ باہر نکالنا بھی غیر شرعی فعل ٹھہرا اب علمائے دین میں یہ بحثیں عام ہوئیں کہ جلباب سے مراد عورت کا سارے جسم کو چھپا لینا ہے یا ہاتھ اور پاؤں باہر نکال کر دکھا سکتی ہے سید امیر علی لکھتے ہیں۔

> " تیرھویں صدی کے وسط میں جب مسلم معاشرہ منگولوں کے حملے کے باعث انتشار و انحطاط کا شکار تھا اور سیاسی صورت حال انتہائی افسوسناک تھی ہم پہلی دفعہ یہ بحثیں پڑھتے ہیں اور یہ مجتہدانہ موشگافیاں دیکھتے ہیں کہ عورتوں کا ہاتھ یا پاؤں برقع یا چادر سے نکالنا کتنا زیادہ ناجائز ہے یعنی وہ ضرورت کے تحت ایسا کر سکتی ہے یا

نہیں''

(A Short History Of the Saracens P. 455)

اس طرح ایک دفعہ پھر عورت کو زندگی سے باہر کر دیا گیا وہ محبوس ہو گئی اور آئندہ نسلیں مفلوج دماغوں اور پتھر ذہنوں کے ساتھ زندگی اور کشاکش حیات سے دور ہوتی گئیں اور زوال انکا مقدر ہو گیا سید امیر علی حسرتناک قلم سے لکھتے ہیں

''بتدریج ایک آزاد، حوصلہ مند، خودمختار، پروقار اور قابل احترام خاتون کی شریف النفس تصویر مسلم معاشرہ سے غائب ہوتی گئی اور اس کی جگہ پردہ میں محبوس سہمی ہوئی عورتوں نے لے لی جو اپنی معاشرت اور رہن سہن میں قدیم ایرانی اور بازنطینی محلوں کی ان مکینوں کی نقل دکھائی دیتی تھیں جن کی زندگیاں عیاشیوں کے کھلونے تھیں اور انکی ہر حرکت بے مغزی اور فقدان وقار کا مظاہرہ تھی۔(Ibioo (P. 147-148

دور انحطاط میں جو علماء پیدا ہوئے انہوں نے یہ نہ سوچا کہ عورت کو محبوس کر دینے سے ایک تو وہ ملک کی آبادی کے ایک بڑے حصہ کو مفلوج کر رہے ہیں دوسرے آنیوالی نسلوں کو ذہنی طور پر اپاہج کر رہے ہیں کیونکہ بچے کا اولین مدرسہ ماں کی گود ہے اور جب اس مدرسے پر جہالت اور مجہولیت کے سائے تھرتھرا رہے ہوں تو بچے شعور کہاں سے حاصل کرینگے۔ ۱۱۱۱ء میں وفات پانے والے امام غزالی جنہیں حجۃ الاسلام اور رکن رکین دین اور نجانے کتنے القابات سے نوازا جاتا ہے انکی ذہنی سطح اور عورت دشمن جذبات کا اندازہ اس تحریر سے لگایئے اور ماتم کیجئے کہ یہ کچھ دین حق کی ترجمانی کہہ کر لکھا جا رہا ہے فرماتے ہیں۔

''مرد کا مذہبی جذبہ اور جوش اس قدر ہونا چاہیے کہ وہ اس امر کی سختی سے تاکید کرے کہ اسکی مستورات جب گھر کے اندر کونڈی میں بھی کوئی چیز کوٹیں تو کوٹنے کی آواز باہر غیر مردوں کو سنائی نہ دے''

(نصیحت الملوک از امام غزالی ص ۱۶۷)

گیارھویں صدی عیسوی کا ایک چھوٹی سی ریاست کا حکمران عنصر المعالی کیکاؤس لکھتا ہے

اگر بچی پیدا ہو بھی جائے تو اسے پردہ دار نیک دایوں کے سپرد کرو اور جب بڑی ہو جائے تو اسے ملانی کے حوالے کرو کہ وہ اسے نماز، روزہ اور دوسرے شرعی فرائض

سکھائے مگر تعلیم و تربیت مت دو اور جونہی وہ جوان ہو جائے تو کوشش کر کے شوہر کے حوالے کر دو کیونکہ بہتر تو یہ ہے کہ بیٹی پیدا نہ ہو اور اگر ہو جائے تو بہتر ہے کہ خاوند کے پاس ہو یا قبر میں"

(قابوس نامہ ص ۹۸)

یاد رہے کہ یہ وہی دین کا رکھوالا بادشاہ ہے جو اپنے بیٹے کو یہ عجیب وغریب نصیحت کرتا ہے

"ورتابستا ن میل به غلاماں کن و درزمستاں میل به زناں"

"ترجمہ گرمیوں میں لونڈے بازی کر اور سردیوں میں عورت بازی"

(قابوس نامہ ص ۴۱)

یہودیت میں گناہ آدم کی اصل ذمہ دار عورت کو ٹھہرا کر بتایا گیا تھا کہ خدا نے اسے اس جرم کی سزا دی "کتاب مقدس" میں ہے۔

"خداوند خدا کو اسکی یہ حرکت بڑی ناگوار گزری اور اس کی سزا اسے حمل اور دردزہ کی صورت میں دی گئی"

(کتاب مقدس۔ پیدائش باب ۳ گنتی۔ ۳۰)

مسیحیت میں بھی یہی بات دہرائی گئی سینٹ طرطولین لکھتا ہے۔

"عورتو! اب بھی خدا کا فیصلہ کہ تم حاملہ ہوگی اور دردزہ میں مبتلا ہو کر بچہ جنوگی تم پر موجود ہے اسلئے حوا کا جرم بھی تم میں موجود ہے تم شیطان کا دروازہ ہو تم نے خدا کی تصویر یعنی مرد کو آسانی سے کھودیا اور گمراہ کر دیا"۔

(قمیقس کے نام خط بحوالہ اسلام میں خواتین کے حقوق ص ۳۴)

یہودیت اور مسیحیت نے تو یہ بتایا تھا کہ عورت کو خدا نے دو سزائیں دی تھیں ہمارے اسلام کے رکن رکین، احیائے علوم الدین لکھنے والے حجۃ الاسلام امام غزالی نے عورت کو خدا کی طرف سے اٹھارہ سزائیں دلا دیں تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

"جب حوا نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی اور شجر ممنوعہ کا پھل کھایا یا تو اللہ تعالی نے عورتوں کو اٹھارہ چیزوں سے سزا دی جو یہ ہیں۔

۱۔ حیض۔ ۲۔ زچگی۔

۳۔ اجنبی سے شادی کے بعد ماں باپ سے علیحدگی۔

۴۔ اس اجنبی سے حمل ۵۔ اپنے جسم پر اختیار نہ رکھنا۔

۶۔ وراثت میں کم حصہ ملنا۔

۷۔ اسے طلاق دی جاسکتی ہے مگر وہ طلاق نہیں دے سکتی ہے۔

۸۔ مرد کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے مگر عورت کے لئے صرف ایک خاوند۔

۹۔عورت کو گھر میں پردے میں رہنا پڑتا ہے۔

۱۰۔عورت کو گھر میں اپنا سر ڈھانپنا پڑتا ہے۔ ۱۱۔شہادت کا آدھا ہونا۔

۱۲۔محرم کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاسکتی۔

۱۳۔جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں بھی شرکت نہیں کرسکتی۔

۱۴۔حکمرانی اور قضا کے عہدوں کے لئے نااہل ہے۔

۱۵۔مرد کے حصے میں نوسوننانوے خوبیاں آئیں اور عورت کو صرف ایک خوبی ملی۔

۱۶۔روز محشر بدکار عورت کو بدکار مرد کے مقابلہ میں آدھی سزا ملے گی۔ا۔(عورت دشمنی نے کیسی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے کہ قیامت کے دن بدکار مرد کے مقابلہ میں بدکار عورت کو آدھی سزا ملنے پر بھی کہا جارہا ہے کہ مرد پر انعام ہے اور عورت پر سزا)

۱۷۔اسے خاوند کے مرنے پر چار ماہ دس دن عدت میں گھر بیٹھا پڑتا ہے۔

۱۸۔مطلقہ کو دوبارہ شادی کے لئے تین ماہ عدت گزارنا پڑتی ہے''

(نصیحت الملوک ص۱۶۴)

یہی حجۃ الاسلام آگے چل کر لکھتے ہیں۔

''یہ حقیقت ہے کہ تمام مشکلات، آزمائشیں اور بدنصیبیاں جو مردوں پر نازل ہوتی ہیں عورتوں ہی کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں ایک شاعر نے ٹھیک کہا ہے دونوں جہانوں میں مردوں پر تباہی اور ذلت عورتوں کے باعث نازل ہوتی ہے''

(نصیحت الملوک ص۱۷۲)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

''عورتیں فطرتاً بدطینت اور بدکردار وفاسق ہوتی ہیں ایک معلم لڑکیوں کو پڑھا رہا

تھا۔ ایک دانا کا وہاں سے گزر ہوا اس نے کہا ''یہ معلم بدون کو بدی سکھا رہا ہے''

(نصیحت الملوک ص ۱۶۳)

اگرچہ عورت کی تذلیل وتحقیر کی کوششیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے معا بعد شروع ہوگئی تھیں لیکن اسوقت انکی تردید کرنے والی حق گو زبانیں موجود تھیں جیسے ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بات لکھ چکے ہیں اسی طرح کی ایک روایت مشہور ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''نماز پڑھنے والے کے آگے سے اگر کالا کتا یا عورت گزر جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے''

(ترمذی مع شرح احوذی مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۳۱۰)

اس پر ترمذی کے شارح احوذی نے لکھا

''کتا اگر سیاہ رنگ کا نہیں تو نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن عورت بچی ہے یا جوان یا بڑھیا ظاہریوں کے نزدیک کتے سے زیادہ پلید ہے اور اسکے نمازی کے سامنے سے گزر جانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے'' (ایضا)

مگر یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے کانوں میں پڑی تو انہوں نے فوراً تردید کر دی معروف روایت ہے۔

''حضرت عائشہؓ صدیقہ کے سامنے ذکر ہو رہا تھا کہ کن باتوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو کتے گدھے اور عورت والی روایت کی گئی اس پر ام المؤمنین نے فرمایا تم نے تو ہمیں کتوں اور گدھوں سے جا ملایا حالانکہ اللہ کی قسم حضورؐ نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے چوکی پر لیٹی ہوتی تھی''

(بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، جمع الفوائد ج ا ص ۸۶)

مگر بعد میں یہ حق گو زبانیں نہ رہیں وہ علماء آ گئے جو خلفاء کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ اور خود بھی عورتوں اور کنیزوں میں ڈوب گئے جنسی بھوک بڑھتی گئی۔ اور عورت مقہور وملعون ہوتی گئی اس پر پابندیاں سخت سے سخت تر ہوتی گئیں۔

مسلمان جہاں بھی تھے عورتوں پر اسی طرح کی پابندیاں تھیں۔ مغل جن کی عورتیں آزاد فضاؤں میں رہتی تھیں آہستہ آہستہ انہوں نے بھی یہی کچھ اپنا لیا۔ ڈچ تاجر پیلرٹ جو جہانگیر کے عہد میں چھ سات سال آگرہ میں رہا۔ آنکھوں دیکھے واقعات تحریر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''ہر ایک بیوی پر دو تین خواجہ سرا مقرر ہوتے ہیں جو عموماً زرخرید بنگالی غلام ہوتے

ہیں مگر اپنے آقا کے نہایت وفادار ہوتے ہیں ان کا یہ فرض ہے کہ بیوی کو پردے میں رکھیں اور کسی غیر مرد کی اس پر نظر نہ پڑنے دیں اگر کوئی غیر مرد بیوی کو دیکھ لے تو ان خواجہ سراؤں کی خیر نہیں ہوتی''

(Jahangiris India by Pelsaert Quoted by Abdul Aziz The ManSabdari System And The Mugual Army P. 162)

عورت کو اسطرح بند رکھنا اور اس پر سخت سے سخت پہرے بٹھانا ایک ایسا فعل تھا جس کے بعض نفسیاتی اسباب تھے۔

ا۔ ان لوگوں نے چار بیویاں اور لاتعداد کنیزیں گھر میں ڈال رکھی ہوتی تھیں انہیں اچھی طرح علم تھا کہ وہ کبھی انکی جنسی خواہشات کی تسکین کا سامان نہیں کر سکتے انہیں ہر لمحہ وہم رہتا کہ وہ اپنی جنسی تسکین کسی اور مرد سے کرلینگی اسلئے انکی نگرانی سخت سے سخت تر کئے جاتے تھے۔

ب۔ ایک شخص جب اپنی بیوی پر سوکن بٹھاتا ہے تو اسکے ضمیر میں یہ خلش اور کھٹک پیدا ہو جاتی ہے کہ اس نے عورت کے ساتھ زیادتی کی ہے اسلئے وہ اس سے انتقام لیگی اور اسکے انتقام کی یہی صورت ہے کہ وہ غیر مرد سے جنسی تعلق پیدا کر کے اپنے جذبہ انتقام کو تسکین دیگی اسلئے وہ اس پر پابندیاں عائد کرتا تھا۔

ج۔ مرد کے اندر چور ہوتا ہے وہ اپنی بیوی سے بیوفائی کر کے غیر عورت کی دعوت گناہ پر لپک پڑنے کو ہمہ وقت تیار ہوتا ہے اندر کا چور اسے لشتر چبھوتا رہتا ہے کہ اسکی بیوی بھی بے وفائی کر سکتی ہے وہ اسکی پیش بندی کی ترکیبیں سوچتا رہتا ہے۔

یک زوجگی کی فضا میں مرد اور عورت کے درمیان باہمی اعتماد کی فضا ہوتی ہے دونوں مین احساس ذمہ داری ہوتا ہے اسلئے ایک دوسرے پر پابندیاں عائد نہیں کرتے۔

برصغیر کے علماء اور عورت

برصغیر پاک و ہند شروع سے ہی ایک زرعی ملک ہے جس کی غالب اکثریت کسانوں کی ہے اور دیہات میں رہتی ہے زمین پوری مشقت اور محنت مانگتی ہے ہر گھر میں کچھ نہ کچھ پالتو جانور بھی ہوتے ہیں جنہیں چارہ گھاس کی ضرورت ہوتی ہے۔ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی کام کرتی ہیں اور دن رات محنت کرتی ہیں تب کہیں زمین انہیں نتائج سے ہمکنار کرتی ہے دیہات میں پردے کا کوئی رواج کبھی نہیں رہا اگر ایک آدھ بڑے زمیندار نے ایسا کیا بھی تو وہ کسی شمار قطار میں نہیں وہاں کسی مولوی نے کبھی پردے کا سوال نہیں اٹھایا۔ شہروں میں انتہائی غریب آبادی بھی مجبور ہوتی ہے کہ گھر کے سارے افراد محنت مزدوری کر کے روزی پیدا کریں عورتیں سڑکوں پر روڑی کوٹتی ہیں اور مردوں کے شانہ بشانہ مشقت کرتی ہیں انکے متعلق بھی علمائے کرام نے کبھی پردے کی پابندی کے تاکیدی وعظ نہیں کہے۔ شہروں میں رؤساء امراء کی اعلی طبقہ کی عورتیں بھی اب پردہ بلکہ دوپٹے تک سے بے نیاز ہوگئی ہیں پردہ لے دے کے متوسط طبقہ میں رہ گیا ہے۔ پھر کشاکش حیات سخت مشکل ہوگئی ہے اس متوسط طبقہ کی بھی یہ حالت ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتویں بھی ملازمت کرتی ہیں تب کہیں افراد خانہ سکون سے روزی حاصل کر سکتے ہیں یہ ملازم عورتیں بالعموم مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں اور پردہ نہیں کرتیں علماء حضرات انکے لئے بھی پردہ کی بات کریں تو انکے سر دھیمے رہتے ہیں۔

انیسویں صدی میں عورتوں کی بیداری کی تحریک شروع ہوئی تو مسلمان ممالک میں پردہ زیر بحث آیا مصر میں دو گروہ آمنے سامنے آئے۔ ایک طرف وہ علماء و مفکرین تھے جنہوں نے زندگی کو تغیرات کے تناظر میں دیکھا اور ترقی پسند حوالوں سے سمجھا تھا اسکی نمائندگی اسوقت قاسم امین بک رہے تھے دوسری طرف وہ علمائے منقول تھے جنہوں نے زندگی کو جامد اور ساکت ماحول میں کھوئی ہوئی ساعتوں سے تعبیر کیا تھا اور عباسی دور کے علماء کی کاوشوں کو دین سمجھ بیٹھے تھے ان کی نمائندگی علامہ فرید

وجدی کرر ہے تھے برصغیر میں قاسم امین بک کی طرح کوئی بھی آزادی نسواں کی تحریک نہیں چلا رہا تھا اسلئے یہاں میدان ان لوگوں کے ہاتھ میں تھا جو فرید وجدی کے ہمنوا تھے۔ تاہم سرسید کی تحریک نے انگریزی علم سے وابستگی اور سائنسی انداز تحقیق کو اجاگر کرنا شروع کر دیا تھا اور لوگ عورت کے متعلق سوچنے لگے تھے۔ انکے جواب میں سب سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد نے قلم اٹھایا اور فرید وجدی کی کتاب المراۃ المسلمہ کا اردو ترجمہ ''مسلمان عورت'' کے نام سے شائع کرایا انہوں نے ترجمہ میں بھی اپنے مخصوص پر جلال انداز تحریر کا رنگ بھرا۔ مولانا آزاد بہت جلد سیاست کی طرف خاص طور پر سیکولر سیاست کی طرف متوجہ ہو گئے اسلئے وہ ان بحثوں سے بالاتر ہو گئے اب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی آگے بڑھے اور ۱۹۴۰ء میں اپنی کتاب ''پردہ'' پیش کی جو ''مسلمان عورت'' ہی کے انداز پر لکھی گئی اور فرید وجدی کی طرز استدلال کو اس میں سمویا گیا تھا اسکے بعد انہوں نے مختلف موضوعات کے تحت ''پردہ'' ہی کی تائید میں مختلف اوقات میں مختلف چیزیں لکھیں اور پردہ کی پابندی پر زور دیتے رہے مگر جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے گاؤں کی عورتوں وغیرہ کے متعلق ان کا خیال کبھی نہ منعطف ہوا ان کے متعلق جدید مفکرین میں سے عارف حسین نے یہی بات عرصہ پہلے لکھی تھی

> ''مولانا مودودی جو جماعت اسلامی کے امیر ہیں کہتے ہیں کہ پاکستان میں پردہ رائج ہے اور رائج رہنا چاہیے مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ پاکستان کی ستاسی فیصد آبادی گاؤں میں رہتی ہے جو پردے کی پابندی نہیں کر سکتی کیونکہ انکی عورتوں کو کھیتوں میں کام کے لئے باہر نکلنا پڑتا ہے''۔

(Pakistan: Ideology And Foreign Policy. P.39)

مودودی صاحب کی ہمیشہ یہی دلیل رہی کہ عورت کے باہر آنے سے جنسی انارکی اور فحاشی پھیلتی ہے ان کے سامنے گاؤں کی مثالیں رکھنے والے یہ بھی پوچھتے رہے کہ یہ جنسی انارکی گاؤں میں کیوں نہیں پھیلتی جہاں عورتیں تمام کی تمام بے پردہ ہیں مگر انہوں نے سوال کی طرف توجہ نہ دی اور اپنی بات پکارتے چلے گئے۔ ان کا برابر یہ اصرار رہا کہ عورت کا دائرہ کار اسکے گھر تک محدود ہے وہ گھر میں ہی رہے مگر خود انکی بچیاں جماعت اسلامی کے دوسرے افراد کی بچیاں زمانے کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے سکولوں، کالجوں اور جامعات میں پڑھتی رہیں۔ اور ملازمت میں آتی رہیں کہتے ہیں زمانہ تھپڑ مار مار کر حقیقتیں منواتا چلا جاتا ہے آہستہ آہستہ مودودی صاحب کا اصرار کم ہوتا گیا تاہم وہ یہ کہتے

رہے کہ اسلام کی رو سے عورت سربراہ مملکت، وزیر، رکن اسمبلی یا کسی ادارے کی ڈائریکٹر نہیں بن سکتی۔ (اسلامی ریاست مطبوعہ ۱۹۸۵ء ص ۵۰۶) کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہی مولانا مودودی کے تربیت یافتہ اور اسی جماعت اسلامی کے ایک صوبائی امیر مولانا گوہر رحمان نے فرمایا اسلام کی رو سے عورت قومی وصوبائی اسمبلی کی رکن بن سکتی ہے'' (عورت کی سربراہی قرآن وسنت کی روشنی میں ص ۷۱) اور آج انہی مولانا مودودی کے تربیت یافتہ اور انہی کی بنائی ہوئی جماعت اسلامی پاکستان میں امیر قاضی حسین احمد نے اپنی بیٹی کو قومی اسمبلی کا ممبر بنوا کر اسمبلی ہال میں لا بٹھایا۔

زنا اور اسکی سزا

تقریباً تمام مذاہب اس امر پر متفق ہیں کہ زنا ایک جرم ہے لیکن اسکی صورتیں مختلف ہیں لفظ'' زنا'' (Fornication) کا اطلاق اس پر ہوتا ہے کہ ''مرد'' شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ایک ایسی عورت سے مباشرت کرے جو کسی دوسرے کی بیوی نہ ہو'' اگر وہ شادی شدہ عورت سے یہ فعل کرتا ہے تو اسکے لئے'' زنا بزن غیر'' (Adultery) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ان دونوں صورتوں میں عورت کی حیثیت کو دیکھا گیا ہے مرد کی حیثیت کیا ہے کنوارا ہے یا شادی شدہ اسکا خیال نہیں رکھا گیا۔قدیم مصر، بابل، رشوریا اور ہندوستان کے قوانین میں صرف زنا (Forcication) کو ہلکا جرم تصور کیا گیا ہے یونان وردم میں بھی یہی تصور برسر عمل رہا اور معلوم ہوتا ہے یہودیت بھی اسی سے متاثر ہوئی بائبل میں ہے

> ''اگر کوئی آدمی کسی کنواری کو جس کی ابھی منگنی نہ ہوئی پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضروری اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرلے لیکن اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق (یعنی دستور کے مطابق) اسے نقدی دے دے''

(خروج باب ۲۲ آیت ۱۷۔۱۶)

کتاب استثنا میں یہی حکم ذرا مختلف الفاظ میں دہرایا گیا ہے اور تعین کیا گیا ہے کہ لڑکی کے باپ کو تاوان کے طور پر پچاس مثقال چاندی دلوائی جائے (باب ۲۲ آیۃ ۲۹۔۱۸) لیکن اگر کوئی شخص پروہت (Priest) کی بیٹی کے ساتھ یہ فعل کرے تو اسکے لیے یہودی قانون میں پھانسی کی سزا ہے اور لڑکی کی یہ سزا ہے کہ اسے زندہ جلا دیا جائے (Everyman's Talmud P.320) ہندوؤں کے ہاں بھی یہی تصور ملتا ہے منو کی دھرم شاستر کے الفاظ یہ ہیں۔

''جو شخص اپنی ذات کی کنواری لڑکی سے اسکی رضامندی کے ساتھ زنا کرے وہ کسی سزا کا مستحق

نہیں ہے۔لڑکی کا باپ راضی ہوتو وہ اسے معاوضہ دے کر شادی کر لے لیکن اگر لڑکی اونچی ذات کی ہو اور مرد نیچ ذات کا تو لڑکی کو گھر سے نکال دینا چاہیے اور مرد کو قطع اعضاء کی سزا دی جائے (ادھیائے اشلوک ۳۶۶۔۳۶۵) اور اگر لڑکی برہمن ذات کی ہو تو یہ سزا زندہ جلا دینے کی سزا میں بھی بدل سکتی ہے (اشلوک ۳۷۷) ان قوانین سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل زنا بجائے خویش کوئی بڑا جرم نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن ''زنا بزن غیر'' برا جرم تھا اسلیئے کہ اس میں عورت ایک تو اپنے خاوند سے بے وفائی کرتی تھی دوسرے یہ کہ اسکی یہ بیوفائی جب بچے کی صورت میں نتیجہ خیز ہوتی تو کسی کے بچہ کی پرورش اور تربیت کسی اور کے ذمہ لگ جاتی اور نسب مختلط ہو جاتے۔مصریوں نے اسکی یہ سزا سوچی کہ مرد کو لاٹھیوں سے خوب پیٹا جائے اور عورت کی ناک کاٹ دی جائے تقریباً اسی طرح کی سزا بابل، اشوریا اور ایران قدیم میں بھی رائج تھی ہندوؤں کے ہاں عورت کی یہ سزا تھی کہ اسے کتوں سے پھڑوا دیا جائے اور مرد کو یہ سزا دی جائے کہ اسے لوہے کے پلنگ پر لٹا کر ارد گرد خوب آگ جلائی جائے یونان اور روم میں اسے ریاست کا جرم سمجھنے کی بجائے ایک آدمی کا جرم سمجھا جاتا تھا اور جس شخص کی بیوی کے ساتھ کوئی مرد زنا کا مرتکب ہوا اس شخص کو حق دیا جاتا کہ وہ چاہے تو دوسرے مرد کو قتل کر دے اور چاہے تو اس سے مالی تاوان لے لے۔

یہودی قانون میں زنا بزن غیر کے لئے درج ذیل قوانین بیان کئے گئے ہیں۔

''جو شخص کسی دوسرے کی بیوی سے یعنی اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں جان سے مار دیئے جائیں''

(احبار ۲۰۔۱۰)

''اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہے (یعنی اسکی منگیتر بن چکی ہے) اور کوئی دوسرا شخص آ کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں''

(استثناء ۲۲۔۲۲ تا ۲۴)

زنا بالجبر کی صورت میں عورت کو سزا نہیں تھی مگر مرد کو مار ڈالا جاتا تھا۔

قرآن حکیم نے بھی زنا کو جرم مستلزم سزا قرار دیا ہے۔مگر اسکی صورت کیا رہی؟ مولانا مودودی کہتے ہیں کہ زنا کو فعل قابل سزا تو ۳ھ میں ہی قرار دے دیا گیا تھا لیکن پہلے اسے قانونی نہیں بلکہ''

معاشرتی یا خاندانی'' جرم کی حیثیت حاصل تھی اسلئے اس پر عدالتی کاروائی نہیں ہوسکتی تھی اس پر عورت کے متعلقین ہی اسے سزا دے سکتے تھے (تفہیم القران ج ۳ ص ۳۲۵) انکی بنائے استدلال یہ آیت ہے۔

'' تمہاری عورتوں میں سے جو فحاشی (بدکاری ۔ مودودی صاحب) کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے''

(النساء ۔ ۱۵)

ان آیات سے آگے یہ ارشاد ہوتا ہے۔

'' تم میں سے جو دو ایسا کام کریں ان کو ایذا دو پس اگر وہ دونوں توبہ کرلیں اور نیک ہو جائیں تو انہیں چھوڑ دو بے شک اللہ تعالی بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے''۔

(النساء ۔ ۱٦)

ہمارے تقریباً تمام مفسرین متفق ہیں کہ یہ ابتدائی احکام ہیں جو زنا کے سلسلہ میں صادر ہوئے تھے لیکن بعد میں جب زنا کی سزا قانون مملکت کے طور پر بیان کردی گئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ یہ دونوں آیتیں متصل ہیں پہلی میں صرف عورتوں کے متعلق حکم دیا گیا کہ ایسی بدکار عورتوں کر گھروں میں پابند کرلو حتی کہ خدا ان کے متعلق کوئی راستہ نکالے دوسری آیت میں الذان تثنیہ مذکر سفر کا صیغہ آیا ہے مفسرین کہتے ہیں یہ دو مرد اور عورت ہیں جو بدکاری کے مرتکب ہوں ان کے متعلق کہا گیا کہ ان دونوں کو ایذا دو۔ ایذا کی وضاحت نہیں کی گئی کہ کس طرح کا ایذا دینا ہے آگے یہ الفاظ آتے ہیں۔

''اور تم میں سے جو اتنی قدرت نہ رکھتے ہوں کہ مومن ''محصنات'' کے ساتھ نکاح کر سکیں تو وہ تمہاری مومن لونڈیوں سے نکاح کرلیں''

آگے ان لونڈیوں کی ہی بات کی گئی ہے کہ

''اگر وہ لونڈیاں ''محصنہ'' ہو جانے کے بعد کسی بدچلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو محصنت کو ایسے جرم پر دی جائے''

(النساء ۔ ۲۵)

مولانا مودودی کہتے ہیں کہ ''محصنت'' کا لفظ ان آیات میں دو معنوں میں استعمال

ہوا ہے ایک معنی ہے ''آزاد کنواری عورت'' اور دوسرا معنی ہے '' شادی شدہ عورت'' وہ کہتے ہیں کہ شادی شدہ لونڈی اگر زنا کی مرتکب ہو تو اسے اس سے نصف سزا دی جائے جو آزاد کنواری عورت کو دی جارہی ہے''۔

زانی اور زانیہ کی سزا بیان کرتے ہوئے سورہ نور میں خدا ارشاد فرماتا ہے۔

الزانية والزانی فاجلد واکل واحد منهما مائة جلدة (۲۴/۲)

''زانیہ اور زانی، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو''

حکم مطلق ہے یعنی جو بھی فعل زنا کا مرتکب ہوا سے سو کوڑے مارے جائیں ادھر سورہ نساء میں زانیہ لونڈی کی سزا نصف ہے اسلئے وہ سزا پچاس کوڑے ہوگی ہمارے مفسرین کہتے ہیں غیر شادی شدہ زانی اور غیر شادی شدہ زانیہ کی سزا یہاں بیان ہوئی ہے شادی شدہ زانی اور شادی شدہ زانیہ کی سزا رجم ہے یعنی انہیں سنگسار کر دیا جائے اور پتھر مار مار کر مار دیا جائے یہ سزا کس حکم کے تحت دی گئی یہ معاملہ تفصیل طلب ہے۔

ہمارے قدیم مفسرین بڑے زور شور سے یہ بات کہتے رہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم قرآن ہی کی آیت سے ثابت ہے چنانچہ یہ دلچسپ روایت انکا سرمایہ استدلال رہی کہ

''حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ جب لوگوں پر کچھ زمانہ گزر جائیگا تو وہ وقت آجائیگا کہ کہنے لگیں کے کہ رجم کی سزا کا ذکر اللہ کی کتاب میں تو ہم کہیں نہیں پاتے اور اس طرح وہ خدا کے ایک فریضہ کو جو اس نے نازل فرمایا ہے ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے حالانکہ ہم نے خود یہ آیت تلاوت کی ہے''

'' الشيخ والشيخة اذاز نيا فار جموها البته ''

(بحوالہ تدبر قرآن ج۵ ص ۳٦٦)

الشیخ کے معنی عربی کی ہر لغت میں ''بوڑھا مرد'' لکھے ہوئے ملیں گے خود قرآن حکیم میں ہے کہ جب زکریا علیہ السلام کی زوجہ کو اولاد کی بشارت دی گئی تو انہوں انتہائی تعجب سے کہا ''اب کیسے اولاد ہوگی میں از کار رفتہ بڑھیا ہوں اور هـذا بـعلی شیخا ' میرا یہ خاوند بوڑھا ہے'' اسطرح وہ عربی عبارت جسے آج تک آیہ رجم کہا جاتا ہے اور جسے ہم نے اوپر درج کیا ہے اسکا ترجمہ یہ ہوگا۔

''بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کے مرتکب ہوں تو انہیں لازماً سنگسار کردو''

مگر انتہائی تعجب ہے کہ ہمارے علماء وفقہاء اسکا ترجمہ کرتے رہے۔

''جب شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت زنا کے مرتکب ہوں تو انہیں لازماً سنگسار کردو''

لطف یہ ہے کہ یہ عجیب وغریب عربی عبارت جس سے عربی زبان جاننے والے ہر آدمی کو ہنسی آتی ہے جناب عمر فاروقؓ سے منسوب کی گئی اور انکی زبان سے یہ کہلوایا گیا کہ یہ قرآن حکیم کی آیت ہے۔ آپ پوچھینگے کہ پھر وہ آیت کہاں گئی اس کے جواب میں امام رازی تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۳۴ پر یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عائشہؓ صدیقہ کے پاس کسی چیز پر لکھی ہوئی موجود تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ تجہیز وتکفین میں مصروف ہوگئیں اور یہ ٹکڑا جس پر ''آیہ رجم'' لکھی ہوئی تھی اسے انکی بکری کھا گئی قرآن لکھا جانے لگا اور مصحف تیار ہونے لگا تو حضرت عمرؓ نے یہ آیت پیش کی۔ مگر کوئی دوسرا گواہ نہ لاسکے اسلیئے اسے کتاب اللہ میں درج نہیں کیا گیا۔ ہمارے علماء کا عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم میں بہت سے آیتیں لکھی ہوئی ہیں مگر انکا حکم ساقط ہو چکا ہے اور بعض آیتیں تلاوت میں منسوخ ہوگئیں مگر انکا حکم موجود ہے انہی میں سے ایک آیت یہ آیۂ رجم بھی ہے۔

جدید مفسرین نے جب اس عجیب وغریب روایت پر اعتراض کیا تو علماء ''لا جواب ہوکر محجوب ہوگئے اب وہ اس بات کو چھپانے لگے چنانچہ مولانا مودودی نے سورۂ نور کی ابتدائی آیات کی لمبی چوڑی تفسیر لکھی مگر ''آیہ رجم'' والا ذکر بالکل ہی چھپا گئے مگر وہ اس بات کے قائل ہیں کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم (پتھر مار کر مار دینا) ہے۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں۔

''یہ بات کہ زنا بعد احصان کی سزا کیا ہے قرآن مجید نہیں بتاتا بلکہ اس کا علم ہمیں حدیث سے حاصل ہوتا ہے'' (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۳۲۶)

چلیئے اب حدیث میں دیکھیئے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو وہ عجیب وغریب حدیث سنئے جسے سب سے زیادہ محترم جامع حدیث امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے اپنی اس کتاب میں درج کیا ہے جس کے متعلق کیا گیا ہے کہ

اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری الصحح البخاری

''اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے''

''حضرت عمرؓ بن میمون (ایک صحابی) سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں میں نے

ایک بندریا کو دیکھا جس نے زنا کا ارتکاب کیا سب بندر اسکے گرد جمع ہو گئے اور اسے سنگسار کیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ پتھر مارے''

(صحیح بخاری باب ایام الجاہلیہ)

اب اس روایت کی تفصیل صحیح بخاری کے معروف شارح علامہ ابن حجر عسقلانی سے سنئے وہ لکھتے ہیں۔

''حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں میں ایک دفعہ یمن میں اپنے ہاں کی بکریاں چرا رہا تھا میں ایک اونچی جگہ پر کھڑا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بندر اپنی بندریا کو ساتھ لئے ہوئے آیا اور اس کے ہاتھ کو اپنے سر کے نیچے رکھ کر سو گیا۔ اسکے بعد (پہلے بندر کے مقابلہ میں) نسبتاً کم عمر کا بندر آیا اس نے بندریا کو آنکھ ماری تو اس نے آہستہ سے بندر کے سر کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا اور اس (نوجوان) بندر کے پیچھے چل پڑی اس بندر نے اس کے ساتھ مباشرت کی جسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا پھر وہ لوٹی اور پہلے بندر کے سر کے نیچے آہستہ سے پہلے کی طرح اپنا ہاتھ دینے لگی لیکن وہ گھبرا کر جاگ اٹھا اس نے محسوس کیا کہ (دال میں کچھ کالا ضرور ہے) چنانچہ اس نے بندریا کو سونگھا تو سارا معاملہ سمجھ گیا اس نے دہائی مچانا شروع کر دی اس پر بہت سے بندر جمع ہو گئے وہ بندریا کی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کر چیختا رہا چنانچہ وہ بندر ادھر ادھر دوڑے اور اس (مجرم) بندر کو پکڑ لائے جسے میں پہچانتا تھا انہوں نے ان دونوں کے لئے گڑھا کھودا اور پھر انہیں سنگسار کر دیا (جیسا کہ اصل روایت میں کہا گیا ہے۔ خود حضرت عمرو بن میمون نے بھی انہیں کچھ پتھر مارے تھے)''

(فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۲۱)

مگر آج کے مفسرین مولانا مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ ان تفصیلات کو بھی پی جاتے ہیں'' آیہ رجم'' والی روایت کا مولانا مودودی تو ذکر ہی نہیں کرتے مولانا اصلاحی اسے درج کرتے ہیں اور پھر بڑے غضبناک قلم کے ساتھ لکھتے ہیں

''میں نے جیسا کہ عرض کیا اس روایت کو نہایت کراہت کے ساتھ محض اسلئے نقل کیا ہے کہ اصل حقیقت تک پہنچنے کے لئے راہ کی ان الجھنوں کو صاف کرنا ضروری ہے

جو زنادقہ کی پھیلائی ہوئی ہیں اور ہمارے مفسرین اور فقہاء کی سادگی کی وجہ سے تفسیر اور فقہ کی کتابوں میں بھی ان کو جگہ مل گئی ہے۔اس روایت پر غور کیجئے تو ہر پہلو سے یہ کسی منافق کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے''

(تفسیر تدبر قرآن ج۵ص ۳۶۶)

مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کل معتزلہ نے اور آج سرسید اور انکے ہمنواؤں نے آپ کو یہ باتیں کرنا سکھایا مگر وہ کل بھی ''کافر'' تھے اور آج بھی آپ نے کبھی ان کی تکفیر میں سستی نہیں برتی جن مفسرین اور فقہاء نے ان کو رواج دیا آج بھی آپ کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں روایت گھڑنے والے کو تو آپ نے منافق کہہ دیا مگر ایسی روایات پر یقین کرنے والوں اور آگے پھیلانے والوں کو آپ کچھ نہیں کہتے صرف یہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ''سادگی'' سے تفسیر وفقہ کی کتابوں میں انہیں لکھ دیا ۔مولانا مودودی نے آیہ رجم کے سلسلہ میں حضرت عمر کی روایت درج نہیں کی کہ کہیں قارئین اس پر وہی سوالات نہ اٹھانے لگیں جو جدید مفسرین اٹھاتے ہیں اور جنہیں مولانا اصلاحی نے ذاتی فکر وتدبر کا نتیجہ قرار دے کر بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے مگر وہ ذہنی طور پر اسے بڑی حد تک تسلیم کرتے ہیں۔

مولانا مودودی اصل روایت نقل نہیں کرتے مگر قاری پر رعب ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت عمرؓ کا مشہور خطبہ جس میں انہوں نے پورے زور کے ساتھ زنا البد احصان کی سزا رجم بیان کی ہے بخاری ومسلم اور ترمذی ونسائی نے مختلف سندوں سے نقل کیا ہے اور امام احمد نے بھی اس کی متعدد راویتیں لی ہیں''

(تفہیم القرآن ج۳ص ۳۳۹)

مگر وہ خطبہ قاری کو بتاتے نہیں۔ بندروں والا قصہ دونوں نے نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ ان کا فرض تھا کہ کم از کم وہ کچھ تو قاری تک پہنچاتے جو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

اب ہم رجم کے سلسلہ میں دیگر روایات کو لیتے ہیں۔

ماعز اسلمی اور رجم

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ایک کتاب لکھی ہے ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' اس میں جب وہ یہ ذکر چھیڑتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اہل عرب کی سیرتوں کو تبدیل کر دیا تھا تو وہ بطور مثال ماعز اسلمی کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور بڑا موثر انداز بیان اختیار کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ماعز اسلمی سے زنا کا گناہ تو سرزد ہو گیا مگر اس کے بعد ان کے ضمیر نے انہیں ایسی ملامت کی کہ خود آ کر اپنے جرم کا اعتراف کیا اور خواہش بلکہ التجا کی کہ انہیں سزا دی جائے تاکہ وہ گناہ سے پاک ہو جائیں مولانا ندوی لفظوں کا جادو جگا کر ماعز اسلمی کا بہت اونچا امیج بنا دیتے ہیں مولانا سید ابوالاعلی مودودی ماعز اسلمی کے متعلق کچھ ایسی باتیں بھی کہ جاتے ہیں کہ انکے امیج کا بت تھوڑا ضرب خوردہ ہو جاتا ہے مگر انکی عظمت کا نقش دل پر جما رہتا ہے ذرا مولانا مودودی کی تفاصیل دیکھیئے۔

''سب سے بڑا مقدمہ ماعز بن مالک اسلمی کا ہے جسے متعدد صحابیوں سے بکثرت راویوں نے نقل کیا ہے اور قریب قریب تمام کتب حدیث میں اسکی روایت موجود ہے۔ یہ شخص قبیلہ اسلم کا ایک یتیم لڑکا تھا جس نے ہزال کے ہاں پرورش پائی تھی یہاں وہ ایک آزاد کردہ لونڈی سے زنا کر بیٹھا حضرت ہزال نے کہا کہ جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس گناہ کی خبر دے شاید کہ آپ ؐ تیرے لئے دعائے مغفرت کریں اس نے جا کر مسجد نبوی میں حضورؐ سے کہا ''یارسول اللہ مجھ پاک کر دیجیۓ میں نے زنا کی ہے آپ ؐ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا ''ارے چلا جا اور اللہ سے توبہ واستغفار کر مگر اس نے پھر سامنے آ کر وہی بات کہی آپ ؐ نے پھر منہ پھیر لیا۔ اور اس نے تیسری بار پھر وہی بات کہی اور آپ ؐ نے منہ پھیر لیا حضرت ابوبکرؓ نے اس کو متنبہ کیا ''کہ دیکھ اب چوتھی بار اگر تو نے اقرار کیا تو رسول اللہ تجھے رجم کرا دیں گے مگر وہ نہ

مانا اور پھر اس نے اپنی بات دہرادی اب حضورؐ اسکی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے فرمایا ''شاید تو نے بوس و کنار کیا ہوگا یا چھیڑ چھاڑ کی ہوگی یا نظر بد ڈالی ہوگی (اور تو سمجھ بیٹھا کہ یہ زنا کا ارتکاب ہوا ہے) اس نے کہا ''نہیں'' آپ نے کہا ''کیا تو اس سے ہمبستر ہوا'' اس نے کہا ''ہاں'' پھر پوچھا ''کیا تو نے اس سے مباشرت کی''؟ اس نے کہا ''ہاں'' پھر پوچھا ''کیا تو نے اس سے مجامعت کی؟'' اس نے کہا ''ہاں'' پھر آپؐ نے وہ لفظ استعمال کیا جو عربی زبان میں صریحاً فعل مباشرت کے لئے بولا جاتا ہے اور فحش سمجھا جاتا ہے۔ ایسا لفظ حضورؐ کی زبان سے نہ پہلے کبھی سنا گیا نہ اسکے بعد کسی نے سنا۔ اگر ایک شخص کی جان کا معاملہ نہ ہوتا تو حضورؐ کی زبان مبارک سے کبھی ایسا لفظ نہ نکل سکتا تھا مگر اس نے اسکے جواب میں بھی ہاں کہہ دیا۔ آپ نے پوچھا

حتی غاب ذلک منک فی ذلک منها

''حتی کہ تیری وہ چیز اسکی اس چیز میں غائب ہوگئی''؟

اس نے کہا ''ہاں پھر پوچھا

کما یغیب المیل فی المکحلة الر شاء فی البئر

''کیا اس طرح غائب ہوگئی جیسے سرمہ دانی میں سلائی اور کنوئیں میں رسی؟''

اس نے کہا ہاں پھر پوچھا کیا تو جانتا ہے کہ زنا کسے کہتے ہیں؟'' اس نے کہا ''جی ہاں'' میں نے اسکے ساتھ حرام طریقے سے وہ کام کیا جو شوہر حلال طریقے سے اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے'' آپؐ نے کہا ''کیا تیری شادی ہو چکی ہے؟'' اس نے کہا ''جی ہاں'' آپؐ نے پوچھا ''تو نے شراب تو نہیں پی لی''؟

اس نے کہا ''نہیں'' ایک شخص نے اٹھ کر منہ سونگھا اور تصدیق کی پھر آپؐ نے فرمایا اسکے محلہ والوں سے دریافت کیا کہ یہ دیوانہ تو نہیں ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے اسکی عقل میں کوئی خرابی نہیں دیکھی آپؐ نے ہزال سے کہا'' کاش تم نے اس کا پردہ ڈھانک دیا ہوتا تو تمہارے لئے اچھا تھا پھر آپؐ نے ماعز کو رجم کرنے کا فیصلہ صادر فرمایا ارا سے شہر کے باہر لے جا کر سنگسار کر دیا گیا''

یہاں تک جو تفاصیل آئی ہیں وہ ماعز کا وہی امیج قائم کرتی ہیں جو ابوالحسن علی ندوی نے دکھایا تھا مگر اسکے بعد کے الفاظ میں مولانا مودودی نے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا لکھتے ہیں۔

''جب پتھر پڑنے شروع ہوئے تو ماعز بھاگا اور اس نے کہا لوگو مجھے رسول اللہ کے پاس واپس لے چلو میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے مروا دیا انہوں نے مجھے دھوکا دیا کہ رسول اللہ مجھے قتل نہیں کرائینگے؟''

مگر مارنے والوں نے اسے مار ڈالا بعد میں جب حضور کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا میرے پاس لے آئے ہوتے شاید وہ توبہ کرتا اور اللہ اسکی توبہ قبول کر لیتا''

(تفہیم القرآن ج۳ ص۳۳۶)

آخر میں معلوم ہوتا ہے کہ ماعز کو غلط فہمی تھی کہ اسے چھوڑ دیا جائیگا وگرنہ مولانا ابوالحسن علی ندوی والی بات نہیں تھی۔غور کیجئے کہ سطحی مطالعہ کے بعد ایسی روایات کو بنیاد بنا کر اسلام کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں اور خوب جذباتی باتیں کی جاتی ہیں لیکن جب قاری اصل روایات پڑھتے ہیں تو اسلام کے اور اس مولوی کے متعلق کیسا تصور قائم ہوتا ہوگا۔اور خاص طور پر جب غیر مسلم انہیں پڑھتے ہونگے اور پھر تحقیق کرتے ہونگے تو ان کھوکھلی تحریروں کو دیکھ کر دین حق کے متعلق کیا رائے قائم کرتے ہونگے پھر اپنی تحریروں کے حوالے دیکر جب وہ قلم اٹھاتے ہونگے تو ہمارے مولاناؤں کی علمیت کے غبارے کس طرح ٹھس سے پھٹ جاتے ہونگے۔

ماعز اسلمی کے متعلق کچھ اور تفاصیل

مولانا امین احسن، صلاحی عرصہ دراز تک جماعت اسلامی کے قائد ثانی اور مولانا مودودی کے دست راست رہے پھر جماعت سے الگ ہو گئے انہوں نے ماعز اسلمی کے متعلق نہایت تفصیل سے لکھا ہے آیئے ان تفاصیل پر بھی نظر ڈال لیں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں۔

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں رجم کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ ماعز کے رجم کا ہے اس شخص کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں ان میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس تھا اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بدخصلت گنڈا تھا میری رہنمائی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو رجم کی سزا دلوائی اور اسکی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اسکا وہ کردار سامنے آتا ہے جن کی بناء پر یہ مستحق رجم ٹھہرا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ عیلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کسی غزوہ کے لئے نکلتے تو یہ چپکے سے دبک کر بیٹھ رہتا اور مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف بہوؤں، بیٹیوں کا تعاقب کرتا بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طرح تعاقب کرتا جس طرح بکرا بکریوں کا کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہی لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آتا تھا اب یہ قانون کی گرفت میں آ گیا آپ نے اس کو بلوا کر نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اس

نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا جب یہ اقرار کرلیا تو آپ ؐ نے اس کے رجم کا حکم دے دیا اور اسکی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اس کے رجم کے بعد لوگوں کا عام تاثر جو روایات سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ تھا کہ بہت سے لوگوں نے یہ کہا کہ شامت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا یہاں تک کہ یہ اپنے کیفر کردار تک پہنچ گیا اگر چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں لوگوں کو کف لسان (زبان نہ کھولنا) کی ہدایت فرمائی لیکن عام تاثر لوگوں کا یہی تھا''

(تفسیر تدبر قرآن ج۵ص۳۷۰-۳۶۹)

اسکے بعد اصلاحی صاحب لکھتے ہیں۔

''یہاں ہم چند روایات ان کے اصل الفاظ میں نقل کر رہے ہیں تا کہ حسب ذیل امور بالکل واضح ہو کر سامنے آ جائیں۔

ایک یہ کہ ماعز نے بھلے مانسوں کی طرح خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا بلکہ وہ اپنے قبیلہ والوں کے اصرار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس توقع پر آیا کہ خود حاضر ہونے سے غالباً وہ کسی بڑی سزا سے بچ جائیگا حضور کو اس کے جرم کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اور اس نے آپ ؐ کی پوچھ گچھ کے نتیجے میں اقرار جرم کیا۔

دوسرے یہ کہ اس کا کردار ایک نہایت بدخصلت گنڈے کا کردار تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے صحابہ کسی غزوہ کے لئے نکلتے تو مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ جنس زدہ بدمعاشوں کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا۔

تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی مغفرت کے لئے دعا کی نہ اس کا جنازہ پڑھا جو اس بات کی شہادت ہے کہ اس کو کٹر منافق قرار دیا گیا''۔

(ایضاً)

اسکے بعد اصلاحی صاحب روایات نقل کرتے ہیں ہم ان میں سے دو تفصیلی روایات انہی کے حوالے سے لکھے دیتے ہیں۔

''حضرت جابرؓ نے فرمایا بھتیجے میں سب لوگوں سے زیادہ اس بات سے واقف ہوں میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اس شخص کو رجم کیا واقعہ یوں ہے کہ ہم نے

اسے باہر لا کر سنگسار کرنا شروع کیا پتھر پڑے تو وہ چیخا لوگو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس لے چلو میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے مروا دیا انہوں نے مجھے دھوکے میں رکھا وہ مجھے یہی کہتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قتل نہیں کرائیں گے''، لیکن ہم نے اسے قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا پس جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس لوٹے اور آپ کو اسکی جزع فزع کے بارے میں بتایا تو آپؐ نے فرمایا'' تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا، تم اسے میرے پاس کیوں نہیں لائے'' یہ آپؐ نے اسلئے فرمایا کہ آپ حقیقت معلوم کرسکیں آپؐ نے یہ بات حد ساقط کرنے کے لئے نہیں فرمائی تھی''۔

(ابوداؤد کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک بحوالہ تفسیر تدبر قرآن ج ۵ ص ۳۷۰)

اس راوایت سے یہ بات سامنے آ گئی کہ ماعز اس خوش فہمی اور خود فریبی میں سب کچھ تسلیم کرتا گیا کہ اسے چھوڑ دیا جائیگا۔ اب مسلم کی وہ روایت دیکھیئے جو ماعز کے کردار کو بے نقاب کرتی ہے۔

''پس ہم نے اسے وادی حرہ کے پتھروں سے مارا یہاں تک کہ وہ ختم ہو گیا راوی بیان کرتے ہیں کہ اسی دن عصر کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا'' کیا ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جب کبھی ہم جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلتے تھے تو ایک ایسا شخص پیچھے ہمارے اہل وعیال میں رہ جاتا تھا جو شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح ممیاتا تھا، سنو مجھ پر لازم ہے کہ اسطرح حرکتیں کرنے والا کوئی شخص میرے پاس لایا جائے تو میں اسے عبرتناک سزا دوں'' راوی بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے اسکے لئے مغفرت کی دعا کی نہ برا بھلا کہا''

(صحیح مسلم کتاب الحدود باب من اعترف علی نفسہ بالزناء بحوالہ تدبر قرآن ج ۵ ص ۳۷۱)

ابوداؤد ہی کی ایک دوسری روایت حضرت ابن عباس سے مروی ہے جس کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ ''اسکا جنازہ نہیں پڑھا گیا'' (ابوداؤد کتاب الحدود بحوالہ برقرآن ج ۵ ص ۳۷۱)

رجم کا دوسرا بڑا واقعہ ایک عورت کا ہے جو قبیلہ جہنیہ کی ایک شاخ غامدیہ سے تعلق رکھتی تھی اس کا نام نہیں لیا گیا اسے غامدیہ کہہ دیا گیا اسکے متعلق بھی روایات بقول مولانا اصلاحی متناقض ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں اسے ٹالنے کی کوشش کی لیکن وہ برابر

مصر رہی کہ اسے سزا دے کر پاک کیا جائے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اچھا نہیں مانتی تو جا وضع حمل کے بعد آنا اس نے ایسا ہی کیا پھر آپ نے فرمایا بچے کا دودھ چھڑا کر آنا وہ دودھ چھڑا کر آ گئی اس کے پاس روٹی کا ٹکڑا تھا اس نے بچے کو کھلا کر دکھایا کہ بچہ دودھ چھوڑ چکا ہے اور روٹی کھانے لگا ہے تب اسے حضورؐ کے حکم سے رجم کیا گیا مگر اسکے برعکس بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرار کے بعد اسے ایک انصاری کی نگرانی میں دے دیا گیا وضع حمل کے بعد اس نے اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا'' اسے اس حال میں رجم نہیں کیا جاسکتا کہ اسکے چھوٹے بچے کو کوئی دودھ پلانے والا بھی نہیں'' اس پر انصار میں سے ایک صاحب نے کھڑے ہو کر بچے کی رضاعت و پرورش کی ذمہ داری لی تو آپؐ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔

مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ یہ کوئی آزاد قسم کی عورت تھی اور شاید ''ڈیرے والی'' تھی۔ اس لئے اسے رجم کیا گیا انہوں نے ایک اور روایت بھی پیش کی ہے جس میں نماز کے لئے جانیوالی ایک لڑکی سے ایک شخص نے زنا بالجبر کیا اس شخص کو بھی رجم کیا گیا۔ مولانا اصلاحی کے نزدیک زنا کی اصل سزا تو وہی ہے جو سورہ نور میں بیان ہوئی یعنی سو کوڑے لیکن اگر کوئی کنوارا تازیانہ کی سزا سے قابو میں نہیں آ رہا ہے تو حکومت اس کو اگر مصلحت دیکھے جلاوطنی کی سزا بھی دے سکتی ہے اسی طرح شادی شدہ زانی کی اصل سزا تو تازیانہ ہی ہے لیکن اگر وہ اس سے قابو میں نہیں آ رہا اور معاشرہ کے لئے ایک خطرہ بن چکا ہے تو اسے حکومت رجم کی سزا دے سکتی ہے وہ ان دونوں سزاؤں کے لئے سورہ المائدہ کی اس آیت کو دلیل بناتے ہیں جس میں اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والوں کی سزائیں بیان ہوئی ہیں گویا ان کے نزدیک دوسرے مفسرین کی طرح زنا کرنے والے کی حیثیت نہیں دیکھی جائیگی کہ شادی شدہ ہے یا کنوارا، فعل زنا کو دیکھا جائیگا۔ قرآن نے زانی اور زانیہ کی سزا سو کوڑے مقرر کر دی ہے اور یہ حکم عام ہے۔ رجم کی سزا دی جاسکتی ہے مگر ان صورتوں میں جنکی وضاحت ہو چکی۔

جدید مفکرین کے نزدیک زنا کیسا بھی ہو اور کسطرح بھی ہو اسکی سزا سو کوڑے ہے غلام کی سزا نصف ہے سو کوڑوں کا تو نصف ہو سکتا ہے مگر رجم کا نصف ہو ہی نہیں سکتا یہ بھی رجم کے خلاف ایک دلیل ہے۔

وفاقی شرعی عدالت پاکستان کا ایک فیصلہ

پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے زنا کے سلسلہ میں ایک فیصلہ دیا تھا جس کی اخباری تفاصیل درج ذیل ہیں۔

''قرآن کریم نے زنا کی سزا سو کوڑے مقرر کی ہے اور یہی قول فیصل ہے رجم کی سزا خلاف قرآن ہے اسلئے اس قانون کو منسوخ کردینا چاہیے جس کی رو سے اسے ''حد ''(خدا کی مقرر کردہ سزا) قرار دیا گیا ہے''

تمام بحث دی گئی ہے اور اسکے بعد تحریر ہے کہ

''اس بحث کا ملخص یہ ہے کہ ایک طرف سورہ نور کی آیت نمبر۲ میں قرآن مجید کا صاف، واضح، غیر مبہم اور دوٹوک حکم موجود ہے اسکے ساتھ ویسی احادیث بھی موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کوئی حدیث نہ قرآن میں تبدیلی کر سکتی ہے نہ اسکے احکام کو منسوخ کر سکتی ہے اسکے برعکس رجم کی سزا کے حق میں کچھ احادیث ہیں جو مبہم، غیر متعین اور باہمدگر متضاد ہیں بلکہ بعض ایسی ہیں جن کا حدیث ہونا بھی مشکوک ہے فقہاء کے اقوال بھی غیر یقینی اور متضاد ہیں اندریں حالات نیز ان حقائق کے پیش نظر جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے میں اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں اور اس باب میں قطعاً تامل محسوس نہیں کرتا کہ میں سورہ نور کی آیت نمبر۲ کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوا قرآنی فیصلہ کی اطاعت کرتا ہوں اور وہ فیصلہ یہی ہے کہ زانی کی سزا خواہ وہ شادی شدہ ہو اور خواہ غیر شادی شدہ پبلک کے سامنے سو کوڑے مارتا ہے''۔

(بحوالہ پاکستان ٹائمز۱۰۔اپریل۱۹۸۱ء)

مگر علمائے کرام اس فیصلہ کے خلاف رہے مشہور اہلحدیث عالم علامہ احسان الٰہی ظہیر نے کہا''

شرعی عدالت کا یہ فیصلہ غیر اسلامی ہے کیونکہ یہ سزا (رجم) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی“

(بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور ۱۴ نومبر ۱۹۸۶)

وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلہ کے خلاف حکومت پاکستان نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی تھی۔

ختم

زنا سے متعلقہ بعض قوانین

زنا کے ثبوت کے لئے پہلی چیز شہادت ہے شہادت کے سلسلہ میں فقہاء نے یہ قانونی رہنمائی کی ہے۔

۱۔ سورہ نساء اور سور نور کی آیات کی رو سے قرآن ضروری قرار دیتا ہے کہ چار عینی شاہد ہونے چاہیں۔ شہادت کے بغیر جج محض اپنے ذاتی علم کی بناء پر فیصلہ نہیں کرسکتا چاہے اس نے واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

۲۔ گواہ وہ ہوں جو قانون شہادات کی رو سے قابل اعتماد ہوں مثلاً یہ کہ پہلے کسی مقدمہ میں جھوٹے ثابت نہ ہوئے ہوں خائن، سزایافتہ اور ملزم کے مخالف نہ ہوں وغیرہ وغیرہ نا قابل اعتماد شہادت پر کسی کو سزا نہیں دی جاسکتی۔

۳۔ گواہوں کو اس بات کی شہادت دینی چاہیے کہ انہوں نے زانی اور زانیہ کو عین حالت مباشرت میں دیکھا ہے یعنی کالمیل فی المکحلۃ والرشاء فی البئر ''اس طرح جیسے سرمہ دانی میں سلائی اور کنوئیں میں ڈول لٹکی رسی)

۴۔ گواہوں کو شہادت کی ان جزئیات میں متفق ہونا چاہیے کہ انہوں نے کب؟ کہاں؟ کس کو کس سے زنا کرتے دیکھا ہے ان بنیادی امور میں اختلاف سے شہادت بھی ساقط ہوجاتی ہے۔

۵۔ یہ امر مختلف فیہ ہے کہ عورت حاملہ ہوگئی ہے لیکن جرم سے انکار کرتی ہے تو اسے سزا ملیگی یا نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ صرف حمل کو ہی کافی شہادت قرار دیتے ہیں اور انہی کی رائے کے مطابق مالکیہ بھی حمل کو کافی شہادت سمجھتے ہیں اسے شہادت بالقرنیہ کہا جاتا ہے لیکن جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ محض حمل اتنا مضبوط قرنیہ نہیں کہ شہادت بن سکے اور اسکی بناء پر کسی پر حد قائم کردی جائے۔ بلکہ

اسے معاف کرنے کا محرک ہونا چاہیے حضور کا ارشاد ہے ''سزاؤں کو رفع کرو جہاں تک گنجائش مل سکے'' (ابن ماجہ) شک کا فائدہ ملزم کو ہی ملنا چاہیے آپ کا ارشاد ہے۔

''جہاں تک ممکن ہے مسلمانوں سے سزاؤں کو دور رکھو اگر کسی ملزم کے لئے سزا سے بچنے کا کوئی راستہ نکلتا ہے تو اسے چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معاف کر دینے میں غلطی کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کر جائے'' (ترمذی)

اوپر بیان کردہ صورت حال کے متعلق ایسی ہی روایات کو بنیاد بنا کر مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

''حمل کی موجودگی چاہے شبہ کے لئے کتنی ہی قوی بنیاد ہو زنا کا یقینی ثبوت بہرحال نہیں ہے اسلئے کہ لاکھ میں ایک درجہ کی حد تک اس امر کا بھی امکان ہے کہ مباشرت کے بغیر کسی عورت کے رحم میں کسی مرد کے نطفہ کا کوئی جزو پہنچ جائے اور وہ حاملہ ہو جائے اتنے خفیف شبہ کا امکان بھی اسکے لئے کافی ہونا چاہیے کہ ملزمہ کو زنا کی ہولناک سزا سے معاف رکھا جائے''

(تفہیم القرآن ج۳ ص۳۳۴۔۳۳۳)

معلوم نہیں اس روشن دور میں مولانا مودودی کی بات کہاں تک درست ثابت ہو سکتی ہے

۶۔ مجرم اگر خود اقرار کرتا ہے تو بھی زنا ثابت ہو جاتا ہے مگر مجرم کا اقرار صریح الفاظ میں ہونا چاہیے مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

''اسے اعتراف کرنا چاہیے کہ اس نے ایک ایسی عورت سے جو اس کے لئے حرام تھی کالمیل فی المکحلۃ یہ فعل کیا ہے اور عدالت کو پوری طرح اطمینان کر لینا چاہیے کہ مجرم کسی خارجی دباؤ کے بغیر بطور خود بحالت ہوش و حواس یہ اقرار کر رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام احمد، امام ابن ابی لیلیٰ اسحاق بن راہویہ اور حسن بن صالح کے نزدیک اسکا ایک دفعہ کا اقرار کافی نہیں بلکہ اسے چار دفعہ الگ الگ اقرار کرنا چاہیے امام مالک، امام شافعی، عثمان البتی اور حسن بصری کے نزدیک ایک ہی دفعہ کا اقرار کافی ہے پھر ایسی صورت میں جب کسی دوسرے کا تائیدی ثبوت کے بغیر صرف مجرم کے اپنے ہی اقرار پر فیصلہ کیا گیا ہو اگر عین سزا کے دوران میں بھی مجرم اپنے اقرار سے پھر جائے تو سزا کو روک دینا چاہیے خواہ یہ بات صریحاً ہی کیوں نہ ظاہر ہو رہی ہو کہ وہ مار کی

تکلیف سے بچنے کے لئے اقرار سے رجوع کر رہا ہے''

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۳۳۵)

اگر شہادت میں وہی کالمیل فی المکحلہ والی بات سامنے رکھی جائے اور اگر اقرار کی صورت میں عین دوران سزا مجرم کے انکار کو اتنی اہمیت دی جائے تو مرے خیال میں کبھی کوئی مجرم سزا نہیں پا سکتا یہ وہ قوانین ہیں جو ہمارے علماء وفقہاء نے بیان کئے ہیں۔ ان حضرات نے سرمہ دانی اور سلائی کی بات پکی کر لی ہے۔ (ہدایہ ج ۳ ص ۵۰۷، عین الھدایہ ج ۲ ص ۴۴۳) اور کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اسلمی سے اسی طرح گواہی لی تھی ہمارا دل تو نہیں مانتا کہ حضور کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل سکتے ہیں روایات سے بھی ہماری بات کی تائید ہوتی ہے ماعز والی روایت موطا امام مالک اور صحاح کی کتابوں میں ابو ہریرہ، نعیم بن ہزال جابر بن عبداللہ، جابر بن سمرہ، عبداللہ بن عباس، ابوسعید خدری، سعید بن المسیب اور بریدہ سے روایت کی گئی ہے ان روایات میں سرمہ دانی سلائی اور کنوئیں میں ڈول یا رسی والی بات کسی روایت میں نہیں صرف اس روایت میں ہے جو ابو ہریرہ سے مروی ہے پھر لطف یہ ہے کہ انہی ابو ہریرہ سے یہی روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابن ماجہ، ترمذی میں بھی نقل کی گئی ہے مگر سرمہ دانی سلائی وغیرہ والے الفاظ ان میں نہیں یہ الفاظ صرف ابو ہریرہ کی اس روایت میں آتے ہیں جو ابوداؤد نے نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ ابو ہریرہ سے نقل کرنا کسی بعد والے راوی کا کام ہے اسے حضور سے تو کجا ابو ہریرہ سے منسوب کرنا بھی درست نہیں اسلئے علماء کو ان الفاظ پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔

ہم جنس پرستی

ہم جنس پرستی کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ مردوں کا مردوں کے ساتھ جنسی شوق پورا کرنا۔

۲۔ عورتوں کا عورتوں کے ساتھ جنسی شوق پورا کرنا۔

انتہائی افسوس اور ندامت سے لکھنا پڑتا ہے کہ اکثر دیگر فحاشیوں کی طرح اس فحاشی نے بھی مذہب کی گود میں جنم لیا۔اور یہیں پرورش پائی چونکہ قدیم مذاہب میں عورت کو مرد کے لئے لعنت تصور کر کے راہ تجرد اختیار کرنا روح عبادت سمجھا جاتا تھا اسلئے معبدوں کے پجاریوں میں امرد پرستی کا رواج ہوا یونان میں قدیم سے اس کا سراغ ملتا ہے چنانچہ اصنامیات کے باب میں لکھا ہے۔

''یورنیوس دیوتا نے جنسی اختلاط کے لئے اپنی ہی جنس کا ایک فرد پسند کیا تھا اس دیوتا کا جذبہ عشق ومحبت مردانہ تھا جس شخص کے دل میں یہ دیوتائی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے وہ امرد پرستی کی طرف مائل ہو جاتا ہے''

(Sexual Inuersion P.75)

ارسطو نے کہا ہے کہ جزیرہ کریٹا میں کثرت آبادی کا علاج یہی سوچا گیا کہ اس فعل (امرد پرستی) کو قانوناً جائز قرار دے دیا گیا۔قدیم سے گرو یعنی مذہبی رہنما کے ساتھ چیلے کا ذکر چلا آتا ہے گرو اور چیلے میں بڑی محبت ہوتی تھی۔فرانسیس زیویز نے جاپان کے متعلق لکھا ہے کہ'' یہاں مذہبی پروہتوں کے ساتھ چیلے ہوتے ہیں اور یہ لوگ خود اقرار کرتے ہیں کہ اپنے چیلوں سے شہوانی تسکین کرتے ہیں لطف یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں مذہبی آدمی کا عورت کے ساتھ جنسی تعلق رکھنا ناجائز مگر لڑکوں کے ساتھ ایسا تعلق رکھنا جائز ہے''

معبدوں اور مذہبی پروہتوں کے بعد فوج میں یہ فحاشی عام ہوئی۔ کیونکہ فوجی لوگ طویل عرصہ تک گھر سے باہر رہتے اور وہ کم عمر لڑکوں اور نوجوانوں سے یہ شوق پورا کرتے تھے۔ محققین کا خیال ہے کہ گھڑسواری سے مردانگی کم ہوجاتی ہے۔ اور آدمی نامردی کا شکار ہونے لگتا ہے اس حالت میں بھی یہ طریقہ فروغ پاتا ہے اپروتھ کے بیان کے مطابق تاتاریوں میں گھڑسواری کے باعث نامردی عام ہوگئی تھی۔

یونان میں ابتداء میں یہ فحاشی نہیں تھی کیونکہ ہومر نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا مؤرخ ہیروڈوٹس کے مطابق دنیا کے ہر حصہ میں قدیم سے موجود رہی ہے۔ مخنث پیدا ہونے والے لوگوں نے بھی اسکے فروغ مین نمایاں کردار ادا کیا غلام داری کے دور میں خوبصورت لڑکوں کو پکڑ کر خصی یا مقطوع الذکر کرادیتے تھے اور پھر انہیں اغلام پرست بادشاہوں پر بھاری قیمت پر بیچ دیتے تھے ایک روایت ہے کہ غلام قادر روہیلہ کو بھی اس مغل بادشاہ نے لڑکپن میں مقطوع الذکر کرادیا تھا جس نے بعد میں اسی بادشاہ کے ساتھ وہ کام کیا جس پر اقبال تڑپ اٹھا تھا کہ

روہیلہ کس قدر ظالم، جفا جو، کینہ پرور تھا۔ نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوک خنجر سے قدیم ایام میں تو یہ رسم اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ مرد لڑکوں کے ساتھ باقاعدہ شادیاں کرتے تھے اور معاشرہ میں اسے برا نہیں سمجھا جاتا تھا امریکہ کے جزیرہ کاڈیاک میں کوینا گا قوم میں یہ رواج عام تھا ایسے معشوق لڑکوں میں سے بعض کے دو دو خاوند بھی ہوتے تھے ان بیوی بنائے جانے والے لڑکوں کو (Achnut Chisk) کہا جاتا تھا۔ اور انکی توقیر کی جاتی تھی۔ اہل قرطاجنہ، ڈوری انز سیتھوں، تاتاریوں اور قلطیوں میں بھی اسکا رواج عام تھا ڈاکٹر ہان (Hohn) لکھتے ہیں کہ

> ''اہل البانیہ میں بکثرت یہ شوق پایا جاتا ہے اس ملک میں اگرچہ مسلمانوں میں یہ شوق زیادہ پایا جاتا تھا لیکن البانوی عیسائی بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے بلکہ عیسائیوں کی تو یہ حالت تھی کہ پادری صاحب گرجا کے اندر اس غیر فطری رابطہ کو برکت دیتے تھے'' (شہوانیات ص ۱۶۰)

شمالی چین اور خصوصاً ترکستان میں ایک جماعت عصمت فروش لڑکوں کی باقاعدہ ادارہ کی صورت اختیار کئے رہتی۔

بحرین میں قدیم سے یہ بیماری موجود ہے جب مولانا مودودی نے سفرنامہ ارض القرآن

اپنے ماہوار رسالہ ترجمان القرآن میں بالاقساط شائع کرنا شروع کیا تو لکھا تھا کہ ''بحرین میں رنڈیوں کے ساتھ لڑکوں کو بھی باقاعدہ لائسنس جاری کیا جاتا ہے اور انکے بھی ''بالا خانے'' ہیں افغانستان، بلوچستان، سندھ اور دیگر پڑوسی علاقوں میں یہ وبا ایران سے آ کر پھیلی بہر حال امرد پرستی قدیم بیماری ہے۔

تاریخ کے بعض معروف کردار بھی امرد پرستی کے مریض رہے ہیں اس پر ڈاکٹر رافاٹو ویشے نے ایک محققانہ کتاب لکھی تھی اس میں انہوں نے سکندر اعظم، اپنامناداس، مشہور شاعر ورجل وغیرہ کو اپنی ایسی ہی فہرست میں شامل کیا ہے (Liranisma P. 87) رومۃ الکبریٰ میں یہ مرض اس قدر عام رہا کہ شہنشاہ تک فاعلیت بلکہ مفعولیت میں مبتلا رہے جولین قیصر کو تو لوگ طنزاً کہا کرتے تھے کہ یہ سب عورتوں کا شوہر اور سب مردوں کی بیوی ہے (شہوانیات ص ۱۶۶) شعرائے انگلستان میں مارلو، شیکسپیئر، سوفٹ، شیلے، بائرن اور ٹینی سن تک کو لوگوں نے اس شوق میں گرفتار بتایا ہے ٹینی سن کے محبوب کا نام آرتھر ہیلم (Artur Hallam) تھا۔ یہ بحث بڑی طویل ہو سکتی ہے لیکن ہم اپنے موضوع سے بہت دور نکل جائیں گے اسلئے اسے سمیٹتے ہوئے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

لوط علیہ السلام کے شہر سڈوم (Sodom) میں یہ مرض بہت عام تھا وہ واقعہ جسے قرآن حکیم نے بھی بیان کیا ہے کہ عذاب کے فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں آ کر لوط علیہ السلام کے مہمان ہوئے بائبل میں اس طرح درج ہے۔

> ''اور اس سے پہلے کہ وہ (لوط علیہ السلام) لیٹے شہر کے مردوں یعنی سدوم کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس کے گھر کو گھیر لیا اور انہوں نے لوط (علیہ السلام) کو پکار کر کہا وہ مرد جو آج کی رات تیرے یہاں آئے کہاں ہیں؟ انہیں ہمارے پس باہر لا تا کہ ہم ان سے صحبت کریں تب لوط ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کر لیا اور کہا اے بھائیو ایسا برا کام نہ کیجیو دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں (یعنی کنواری ہیں) مرضی ہو تو ان کو تمہارے پاس نکال لاؤں مگر ان مردوں سے کچھ کام نہ رکھو''
>
> (تورات کتاب پیدائش باب ۱۹ آیت ۴ تا ۸)

قرآن حکیم میں بھی یہ واقعہ بیان ہوا ہے سورہ ھود میں ہے۔

''اور اس کے پاس (لوط علیہ السلام کے پاس) اسکی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور انہیں پہلے سے ہی ان برے کاموں کی عادت پڑی ہوئی تھی لوط علیہ السلام نے کہا اے لوگو یہ میری بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں اللہ سے ڈرو اور مجھے مرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی نیک چلن آدمی نہیں انہوں نے کہا تجھے معلوم ہے تیری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں اور تو اچھی طرح جانتا ہے جو ہمارا ارادہ ہے''۔

(۱۱/۷۸۔۷۹)

بائبل نے بتایا کہ یہ شہر ''سڈوم'' (Sodom) کے لوگوں کا عام مرض تھا اسلئے انگریزی میں اس کیلئے لفظ (Sodomy) وضع کیا گیا عربی، فارسی اور اردو والوں نے اس کے لئے ''لواطت'' کا لفظ استعمال کیا جو کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا کیونکہ یہ لوط علیہ السلام کا فعل نہیں تھا قوم لوط علیہ السلام کا فعل تھا مگر اب یہی لفظ عام ہو گیا ہے اور غلط العام بھی صحیح سمجھا جاتا ہے۔

جن ملکوں میں مرد مردوں کی محبت میں گرفتار ہو کر عورتوں کو نظر انداز کرنے لگے وہاں عورتوں نے بھی ایک دوسرے میں دلچسپی لینا شروع کر دیا اور ان میں بھی ہمجنس پرستی عام ہو گئی یونان میں اس کا بہت رواج ہوا یونان کی مشہور شاعرہ جسے ہومر کے بعد بہت بڑی شاعرہ سمجھا جاتا ہے سیفو (Saffo) تھی وہ بھی اسی مرض میں گرفتار تھی اسی کے نام کی مناسبت سے انگریزی میں عورتوں کی ہمجنس پرستی یا استلذاد بالمثل کو (Saffoism) کہا جاتا ہے۔ سیفو ایک لڑکی فاؤن (Phaon) کے عشق میں اس انتہاء کو پہنچ گئی تھی کہ ایک دفعہ اسکی جدائی کو نا قابل برداشت سمجھ کر مر جانے پر تیار ہو گئی اور سمندر میں کود پڑی کہتے ہیں مردوں کی نسبت عورتوں میں یہ شوق زیادہ ہوتا ہے اور یہ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے ایسی عورتیں بھی رہی ہیں جو باقاعدہ میاں بیوی کی طرح برسوں رہیں اور جب انہیں ایک دوسرے سے جدا کیا گیا تو تشدد پر اتر آئیں جون ۱۸۹۹ء کے ماہنامہ میڈیسن (The Medicine) میں ایک واقعہ شائع ہوا تھا کہ ایک نرس ایک اور عورت پر عاشق تھی دونوں چودہ سال تک اکٹھی رہیں وہ تین چار دفعہ اسے چھوڑ کر چلی گئی مگر وہ پھر کہہ سن کر اسے منا لاتی تھی آخر وہ پھر ایک دفعہ گئی اور کسی مرد سے شادی کر بیٹھی نرس غیظ و غضب میں تشدد پر اتر آئی اس نے جا کر اس مرد کو گولی ماردی تاہم زخم مہلک نہیں تھا مرد بچ گیا اور نرس گرفتار ہو گئی۔ شکاگو میں بھی ایک روس لڑکی

اکادو بینیو وچ دوسری لڑکی پر عاشق تھی وہ کسی اور کی طرف متوجہ ہوئی تو اکارو نے اسے گولی ماردی اور پھر خودکشی کرگئی۔

قدیم مصر، ترکی، فرانس اور تقریباً تمام ممالک میں یہ شوق موجود رہا ہے ڈاکٹر کوشر (Kocher) نے لکھا ہے کہ ''عربوں میں مردانہ حد تک ہمجنس پرستی زیادہ تھی عورتوں میں یہ شوق کم تھا ''۔عربوں میں عورتوں کے باہمی جنسی لذت حاصل کرنے کے فعل کو ''مساحقت'' کہتے ہیں ہندوستان میں یہ فعل اتنا عام تھا کہ ہندی زبان میں اس کے لئے بہت سے الفاظ وجود میں آ گئے تھے دوگانہ، زناخی ، چپٹ بازی وغیرہ کئی الفاظ ہیں ہندوستانی شعراء نظیر اکبر آبادی ، رنگین اور جان صاحب کے کلام میں اس شوق کی نسبت بہت کھلے اشارے ملتے ہیں بلکہ جان صاحب نے تو ساری کاروائی کھلم کھلا بیان کرڈالی ہے۔

اسلام اور ہم جنس پرستی

مفسرین اور فقہاء کا خیال ہے کہ (Sodomy) ہو یا Saffoism دونوں گناہ اور جرم ہیں لیکن قرآن میں انکی سزا بیان نہیں ہوئی گویا ان پر حد نہیں تغریر ہے اور جج اپنے حالات کے مطابق اور اپنی صوابدید سے ان کی سزا تجویز کریگا۔ ملا احمد جیون لکھتے ہیں۔

''لواطت زنا میں داخل نہیں اس فعل پر حد نہیں تغریر واجب ہوتی ہے اور تغریر کے سلسلہ میں صحابہ کے اقوال مختلف ہیں۔

آگ میں جلا دینا، غرق کر دینا، بلندی سے گرا دینا،

اوپر سے پتھر برسانا، فاعل مفعول دونوں کا ایک ہی حکم ہے''

(تفسیر احمدی)

مشہور معتزلی مفسر ابو مسلم بن بحر اصفہانی واحد مفسر ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ سورہ نساء کی آیات عورت اور مرد کی ہمجنس پرستی کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ عورتوں کے لئے کیا گیا۔

''اور تمہاری عورتوں میں جو فحاشی کریں ان پر خاص اپنے میں کے چار گواہوں کی گواہی لو پس اگر گواہی ہو جائے تو انہیں گھر میں بند رکھو حتی کہ انہیں موت آ جائے یا اللہ انکی کوئی راہ نکالے''

(۴/۱۵)

عام مفسرین کہتے ہیں یہ آیت زنا کے متعلق ہے پہلے یہی سزا یعنی گھر میں بند رکھنا (House Confinement) تھی ''اللہ انکے لئے کوئی راستہ نکالے'' میں یہ انتظار کرنے کو کہا گیا کہ خدا زنا کی سزا خود متعین کریگا پھر زنا کی سزا کا حکم آ گیا تو یہ آیت منسوخ ہوئی ابو مسلم اصفہانی قرآن میں نسخ احکام کے قائل نہیں تھے ان کے نزدیک یہاں فحاشی سے مراد زنا نہیں عورتوں کا استلذاذ بالمثل ہے۔ ''اللہ انکے

لئے راستہ نکال دے'' کا مطلب ہوگا کہ وہ اس فعل سے باز آجائیں اور انکی شادی ہو جائے۔

اس سے اگلی آیت ابو مسلم کے نزدیک دو مردوں کے فعل استلذاذ کے متعلق ہے اور الذان (دومرد) اس پر واضح دلیل ہے آیت یوں ہے۔

''اور تم میں سے الذان (جو دو مرد) فحاشی کا کام کریں تو ان دونوں کو اذیت دو پس اگر وہ دونوں تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انکا پیچھا چھوڑ دو یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے''

(۴/۱۶)

''اذیت دو'' سے مراد کیا ہے؟ مفسرین کہتے ہیں ''اس سے مراد ہے جھڑکو، گھرکو، شرم دلاؤ جوتیاں مارو'' (تفسیر جلالین، تفسیر مدارک)

ابو مسلم کہتے ہیں ''اذیت'' کا تعین جج کی صوابدید پر منحصر ہے۔

کوڑے

کوڑے سے جیلوں میں مارا جانے والا کوڑا ذہن میں آ جاتا ہے۔ جیل میں مارنے والا کوڑا یا بید تیل میں بھگو کر رکھا جاتا ہے۔ ایک آدمی روزانہ اس کی مشق کرتا رہتا ہے۔ مجرم کو ننگا کر کے ٹکٹکی پر باندھ دیا جاتا ہے ایک پتلا سا کپڑا ٹنکچر آیوڈین میں بھگو کر ستر ڈھانپنے کے لئے رکھ دیا جاتا ہے۔ کوڑے لگانے والا دور سے بھاگتا ہوا آتا ہے اور پوری قوت سے جسم کی ایک ہی جگہ (سرین) پر ضرب لگاتا ہے یہاں تک کہ گوشت قیمہ ہو کر اڑنے لگتا ہے اور ہڈی نظر آنے لگتی ہے۔ مضروب کے یہ زخم بھرنے میں مدتیں صرف ہوتی ہیں۔ مگر اسلام کا کوڑا یہ نہیں، فاجلدوا کا جو لفظ آیا ہے وہ بھی مفہوم واضح کرتا ہے کیونکہ جلد کا لفظ جلد سے ماخوذ ہے اور تمام مفسرین کہتے ہیں مار کا اثر صرف کھال تک رہنا چاہیے۔ ایسی ضرب تازیانہ جس سے گوشت کے ٹکڑے اڑ جائیں پھٹ کر اندر تک زخم پڑ جائے۔ قرآن کے خلاف ہے۔

یہ بھی ہدایات ہیں کہ کوڑا ہو یا بید نہ موٹا اور سخت ہو نہ بہت پتلا اور نرم۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور نے سزا دینے کے لئے کوڑا طلب کیا۔ جو کوڑا لایا گیا۔ وہ کثرت استعمال سے نرم پڑ چکا تھا فرمایا اس سے سخت لاؤ۔ پھر جو لایا گیا وہ کچھ نیا تھا فرمایا ان دونوں کے درمیان کا لاؤ پس ایسا لایا گیا جو سواری میں استعمال ہو چکا تھا اس سے آپ نے ضرب لگوائی۔

(موطا امام مالک)

''عثمان النہدی سے روایت ہے کہ حضرت عمر اوسط قسم کا کوڑا استعمال کرتے تھے۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۳۲۲) گرہ لگا ہوا، دوشاخہ یا سہ شاخہ کوڑا بھی استعمال نہ کیا جائے مار بھی اوسط درجہ کی ہونی چاہیے۔ حضرت عمرؓ مارنے والے کو ہدایت دیتے تھے اس طرح مار کہ تیری بغل نہ کھلے یعنی پوری طاقت سے ہاتھ تان کر

نہ مار''۔

(احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۳۲۳ احکام القرآن الابن العربی ج ۲ ص ۸۴)

ضرب سے زخم نہ آئے ایک جگہ نہ مارا جائے پھیلا کر پورے جسم پر مارا جائے۔ منہ اور شرمگاہ کو بچایا جائے۔ مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر مارا جائے۔ عورت کے صرف موٹے کپڑے اتارے جائیں۔ مرد کی بھی قمیض اور پاجامہ نہ اتارا جائے۔ سخت سردی اور سخت گرمی میں سزا نہ دی جائے۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں۔ اس امت میں ننگا کر کے مارنا اور ٹکٹکی سے باندھ کر مارنا حلال نہیں''۔ (ایضا) اگر صاحبان علم وبصیرت سزا دینے والے ہوں تو بہتر ہے ابن قیم کہتے ہیں۔

''حضور کے زمانہ میں حضرت علی، زبیر، مقدار بن عمرو، محمد بن مسلمہ وغیرہ صلحاء و معززین سے یہ خدمت لی جاتی تھی۔ (زادالمعاد ج ا ص ۴۴) اگر مریض لاعلاج ہو یا بہت بوڑھا ہو تو کوڑوں کی تعداد جتنی پتلی ٹہنیاں یا اتنے تنکوں والی جھاڑو ایک ہی دفعہ ماردی جائے''۔ (اعلام الموقعین)

گویا اصل مقصد پبلک میں تذلیل ہے تا کہ عبرت ہو۔

تفریحات

مذہب (Religion) عربی زبان کا لفظ ہے لیکن اسلام نے اپنے لئے یہ لفظ پسند نہیں کیا اسلام نے اپنے آپ کو ''دین'' کہہ کر متعارف کرایا۔ مذہب خدا اور بندے کے پرائیویٹ تعلق کا تصور دیتا ہے اسے ''مت''، ''دھرم'' (Religion) جو کچھ بھی کہا جائے اسکا بنیادی تصور یہ ہے کہ خدا انسان سے ناراض ہے زندگی ایک لعنت ہے، لذائذ حیات مصائب ہیں، جسم کو لذائذ اور حسن و جمال سے دور رکھ کر انتہائی خشک، بے مزہ اور بے لطف زندگی بسر کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے اور یہ کہ زندگی مصیبت کا طوق ہے جو انسان کی گردن میں پڑ گیا اب اس طوق سے نجات حاصل کرنا اور پیچھا چھڑا لینا اپنے آپ کو پرسکون کر لینا ہے۔ زندگی اور کشاکش حیات سے بھاگ جاؤ۔ غاروں اور جنگلوں میں پناہ لو، خانقاہوں اور قبرستانوں میں اپنے آپ کو حسرت و یاس کی تصویر بنائے بیٹھے رہو ایسے جیو جیسے تم چلتی پھرتی قبریں ہو، ایک بڑی سی مالا جپتے رہو ایک لمبی سی تسبیح پھیرتے رہو عورت اور بچوں کے چکر میں نہ پڑو چہرے خشک ہوں۔ آنکھیں ویران ہوں، ماتھے پر بل پڑے رہیں، جسم پر راکھ ملو اسے سردی اور گرمی میں مبتلائے عذاب رکھو تو شاید روٹھا ہوا خدا راضی ہو جائے یہ سب کچھ مذہب تھا اور مذہبی رہنما ہر وقت ''عبوساً قمطریراً'' بنے رہنا مذہبیت کی بلند مثال سمجھتے تھے اسلام نے آ کر ان سب توہمات پر خط تنسیخ پھیر دیا اور اپنے رسول کو خدا نے یہ حکم دیا۔

قل من حرم زینة اللہ الستی اخرج لعبادہ

''اعلان کر دے کون ہے جس نے زینت و جمال کی ان چیزوں کو حرام کر دیا جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں''

خدا بندوں سے ناراض نہیں وہ تو انکا دوست ہے **اللہ ولی الذین آمنوا** اور بندے اس کے دوست ہیں۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علھیم ولا ھم یحزنون

یہ دوستی اور رفاقت کا تعلق ہے جس کے باعث اس نے ساری کائنات اور کائنات کی ساری چیزیں اس کے تصرف میں دے دیں۔

ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمعیاً

"اس نے تو پورا عالم کون ومکاں اسکے لئے مسخر کر دیا"

سخر لکم مافی السموت ومافی الارض

اسے کہا غور وتدبر کر، علم حاصل کر اور سب کچھ فتح کرتا جا فضاؤں اور خلاؤں میں سٹلائیٹ بنا، چاند اور مریخ کو پامال کر میرے قوانین تیری رہنمائی کریں گے اور میری قوتیں تجھے کامرانی وفیروز مندی عطا کریں گی۔

حضور سرور کائنات کی زندگی اسی کی تفسیر ہے آپؐ نے یہی کھول کر بتایا کہ انسان کائنات کا دولھا ہے خدا کی تخلیق کا شاہکار ہے انتہائی قابل احترام اور انتہائی واجب التکریم ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم

آپؐ کی زندگی کسی زاہد خشک کی حسن وجمال سے نفور زندگی نہیں آہوں اور آنسوؤں کی زندگی نہیں تبسم کی کہکشاں ہے زعفران زار لٹانے والی خوشبو ہے اور پرمسرت دیناؤں کی خبر دینے والی بہار جانفزا ہے۔آپ کی محفلیں گلفشاں ہوتی تھیں۔لطیف مزاح کے چاند تاروں پر تبسم کی پھوار پڑتی رہتی تھی۔آپ لوگوں کے بہترین دوست، دکھ درد کے ساتھی، خوشیوں میں شریک مربی ومشفق، اور رحمتہ العالمینی کے پیکر تھے اپنے بچوں کے لئے انتہائی مہربان باپ، اعزہ واقربا کے لئے صلہ رحمی کی پرخلوص مثال اور اپنی ازواج کے لئے سکون واطمینان فراہم کرنے والے دمساز تھے۔انہیں تفریحات سے منع نہیں کرتے تھے۔ بخاری ومسلم کی ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والی روایات میں حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں مسجد نبوی میں بنوارندہ کے فنکار اپنے کرتب دکھا رہے تھے فرمایا دیکھنا چاہتی ہو تو آؤ اور میں اس طرح تماشا دیکھنے لگی کہ آپ کھڑے تھے اور میں آپؐ کے کندھے پر ٹھوڑی رکھے فنکاروں کے کرتب دیکھ رہی تھی۔عرب اپنی فطرت کے اعتبار سے سیر چشم، وسیع الظرف اور کھلے دلوں کے لوگ تھے آپؐ نے ان پر ناجائز پابندیاں نہیں لگائیں انہیں جائز طریقہ سے خوشیاں منانے دیں۔

مدینہ میں ایک شادی میں حضرت عائشہ صدیقہ دیگر عورتوں کے ساتھ دلہن کی رخصتی کر کے

انصاری دولھا کے گھر لے گئیں۔ حضور نے فرمایا

''عائشہ تمہارے ساتھ گانا بجانا تو تھا ہی نہیں دیکھو انصاری لوگ گانے بجانے سے خوش ہوتے ہیں'' (صحیح بخاری پارہ ۲۱ باب ۹۳)

خلفائے راشدین کے دور میں بھی زندگی اپنی مسرتوں کے ساتھ معاشرہ کے رگ و پے میں گردش کرتی رہی مذہبی پیشوائیت کا کوئی منصب الگ سے سامنے نہیں آیا میرا کہنے کا مطلب ہے کہ مساجد سنبھالنے والے مولوی اور مولانا نہیں تھے۔ یہ لوگ اسوقت پیدا ہوئے جب اسلام پر عجمی اثرات غالب آنے لگے اور دین کے وارث موالی ہو گئے۔ چونکہ عجمی مذاہب میں معبدوں کے پروہت زندگی سے دور راہبانہ طرز زیست اپنائے ہوئے تھے اسلئے دین مذہب میں تبدیل ہو گیا تو زندگی کو وبال سمجھا جانے لگا جب زندگی وبال ہوئی تو تفریحات کہاں برداشت کی جاسکتی تھیں عراق جب دین کا گہوارہ بنا تو ہر طرح کی یبوست آکاس کی طرح مذہب پر چھاتی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مذہب اور زندگی ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے جب بھی ایسا وقت آتا ہے زندگی جوئے رواں کی طرح اپنا راستہ خود بنانے لگتی ہے۔ اور مذہب اپنی تاریک کوٹھڑیوں میں زنجیریں ڈھالتا رہتا ہے یوں دونوں حقیقتوں سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد تک عرب عورتوں میں شادی بیاہ کے گانے دف پر اپنے انداز کے چلے آتے تھے لیکن مردوں کا گانا حدی خوانی تک محدود تھا یہ اشعار کو پڑھنے کا خاص انداز تھا جس میں طرب کی چاشنی، آزاد ہواؤں کی بہتی لے اور ندیوں کا زیر و بم ہوتا تھا مگر گانے کے اصول وضوابط ویسے نہ تھے جیسے ایرانیوں کے ہاں تھے پہلا شخص سعید بن مسحج ہے جس نے ایرانی نغمات کو عربی میں منتقل کیا اسکے بعد وہ شام چلا گیا اور وہاں سے اس نے رومی ابربطی اور اسطوخوسی الحان کو لیا پھر ایران آیا یہاں اس نے باقاعدہ فن گلوکاری اور باجوں کو بجانا سیکھا پھر وہ حجاز واپس آیا اور ان میں سے محاسن اخذ کر کے عربی گانے ترتیب دیئے یوں عرب نئے لحن اور نئی موسیقی سے روشناس ہوئے۔ (الاغانی ج ۳ ص ۸۱) ایک دوسرے شخص ابن محرز تھے ان کے والد کعبہ کے محافظین میں تھے ایرانی النسل تھے زرد رو اور دراز قد آدمی تھے کبھی مکہ میں رہتے کبھی مدینہ میں مدینہ میں ان کا تین ماہ قیام رہتا یہاں عزہ میلا سے باجا بجانا سیکھتے پھر واپس مکہ معظمہ جاتے اور تین ماہ قیام کرتے یہاں سے ایران جاتے وہاں ایرانی نغمات سیکھتے وہاں سے شام جاتے اور رومی نغمات کی تعلیم حاصل کرتے پھر واپس آکر ان میں سے انتخاب کرتے اور

عرب کے مزاج کے مطابق موسیقی ترتیب دیتے اب ایک نئی چیز وجود میں آ جاتی جس میں عرب، ایران اور روم کا امتزاج ہوتا وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے دو دو شعرا کھٹے گانے کا رواج ڈالا۔ ابوا الغرج کا بیان ہے کہ ابن محرز کا بھی پہلا استاد ابن مسیجح ہی تھا۔ (الاغانی ج ا ص ۱۴۵)

ابن خرداز بہ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عامر نے ایران سے چند سوز خوان کنیزیں خریدیں اور انہیں مدینہ منورہ لے آیا ان کے لئے جمعہ کا دن مقرر تھا جس دن وہ اپنے فن کا مظاہرہ کرتیں رقص دیکھاتیں اور گانا سناتی تھیں لوگ ذوق وشوق سے گانا سننے آتے تھے اسکے بعد ایک ایرانی فنکار آیا جسے لوگوں نے نشیط (عیش بانٹنے والا) کہنا شروع کر دیا اس کا گانا جب پہلی دفعہ سنا گیا تو عبداللہ بن جعفر کو بہت پسند آیا اس پر ایرانی جنگ میں گرفتار ہو کر آنے والے غلام سائب خاش نے عبداللہ بن جعفر سے کہا میں تمہیں اسی ایرانی گانے کی دھن پر ایک عربی گانا بنا دیتا ہوں چنانچہ اس نے یہ گت ترتیب دی" لمن الدیار سو مھاقفر" ابن الکلبی کا خیال ہے کہ اسلام میں با قاعدہ گایا جانے والا یہ پہلا گانا تھا ۔(الاغانی ج ا ص ۱۷۹)

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی گانوں نے عربوں کی موسیقی کی ساخت میں بنیادی کردار ادا کیا لیکن بات یہیں تک نہیں رہی ایرانی تمدن نے عربوں پر وسیع اثرات مرتب کیۓ عربوں نے رقص و موسیقی کے لئے سجائی جانے والی محفلوں میں بھی ایرانیوں کی پوری طرح نقل کی یہ مجلس صرف رقص وغنا کی مجلس نہیں ہوتی تھیں بلکہ انہیں لٹریری مجلسیں سمجھنا چاہیے ان کے لئے پاکیزہ، خوبصورت اور نازک اشعار کا انتخاب کیا جاتا تھا یا شاعر ایسے اشعار خود موزوں کرتے تھے تاکہ ذوق موسیقی کو تسکین ہو ان مجلسوں میں ادبی مباحثے، عمدہ اور حسین زبان میں بیان کئے جانے والی قصے، انتہائی قہقہہ آور لطیفے، بلند مرتبہ نادرہ گوئی کے نمونے، شاعروں اور ادیبوں کے سابقت اور قبولیت عامہ حاصل کرنے کی کوششیں یہ سب کچھ ہوا کرتا تھا۔ بدویانہ ثقافت میں ان مجلسوں نے بڑے خوشگوار اثرات چھوڑے۔ یہ حقیقت آپ پر بخوبی آشکار ہو چکی ہوگی کہ ان محفلوں نے عربی ثقافت اور لٹریچر کی ترقی میں کتنا بڑا کردار ادا کیا ہوگا۔

علامہ احمد امین مصری لکھتے ہیں۔

"یہ دور عجیب طرح کا تھا حجاز میں زہد و اتقاء تھا حدیث اور فقہ کے درس بھی ہو رہے تھے مگر ساتھ ہی حجاز میں شراب، عورتوں کے ساتھ تشبیب اور غزل وغنا کا بھی دور دورہ تھا۔ حتی کہ موسم حج بھی

اس سے مستثنیٰ نہیں تھا اور بکثرت لہو ولعب بھی پایا جاتا تھا۔ ادھر پہلی قسم کی زندگی تھی جو محدث اور فقیہ پیدا کر رہی تھی ادھر زندگی کا دوسرا رخ تھا جہاں راگ رنگ، نادرہ گوئی، شعر و ادب اور موسیقی و غناء میں جدتیں جنم لے رہی تھیں حیران کن امر یہ ہے کہ یہ فنون حجاز میں بھی اسی طرح پروان چڑھ رہے تھے جس طرح شام اور عراق میں مکہ مدینہ اور انکے مضافات موسیقار مرد و زن سے معمور تھے''

(فجر الاسلام ص ۳۱۱) ابو الفرج لکھتا ہے۔

''ابن سریج، غریض، معید اور حنین، ہمعصر تھے اور بڑے شہرہ آفاق فنکار تھے اول الذکر تینوں حجاز میں تھے اور حنین عراق میں تھا ان تینوں نے حنین کو لکھا کہ ہم تین ہیں اور آپ تنہا ایک، اسلئے بہتر ہے آپ ہمارے پاس حجاز تشریف لائیں حنین نے دعوت قبول کی چاروں گویئے سکینہ (خیال رہے کہ یہ سکینہ بنت امام حسینؓ کا ذکر ہو رہا ہے) کے مکان پر چاروں گویئے اکٹھے ہوئے لوگوں کا اتنا ہجوم ہو گیا کہ گھر میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی کیونکہ کوئی مخصوص محفل نہیں تھی ہر ایک کو اذن عام تھا گھر میں جگہ نہ پا کر لوگ چھت پر چڑھ گئے تاکہ چاروں کے گانے سن سکیں محل کی چھت لوگوں کا بوجھ سہار نہ سکی گر پڑی بدقسمتی سے حنین دب کر مر گیا۔'' (الاغانی ج ۲ ص ۱۲۳-۱۲۲)

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے۔

> ''وہ بھی دور تھا کہ گانے والوں اور گانے والیوں سے صرف حجاز میں جمیلہ، ہیت، طوسی، دلال بردالغواد، نومہ، الضحی ارحمتہ ہبیتہ اللہ، معید، مالک، ابن عائشہ، نافع، عزۃ المیلاء حبابہ، سلامہ، بلبلہ، لذۃ العیش، سعیدہ اور زرقاء وغیرہ جیسے بے مثل فنکار موجود تھے لوگ کہتے ہیں یہ سب گانے والے اور گانے والیاں حج کرنے آئے تو مکہ میں ان سے سعید بن مسجح، ابن سریج، غریض اور ابن محرز کی ملاقات ہوئی اور مکہ کے نوجوان مرد اور عورتیں انکا حسن و جمال دیکھنے شہر سے باہر نکل آئے تھے''
>
> (الاغانی ج ۷ ص ۱۲۸)

ابو الفرج ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔

> ''لوگ جمیلہ کے پاس جمع تھے وہ اپنی کنیزوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی اس نے ستار چھیڑا تو اسکے ساتھ کنیزوں نے بھی اپنے اپنے ستار چھیڑ دیئے پچاس ستار ایک ساتھ بجے تو جیسے گھر میں زلزلہ آ گیا پھر جمیلہ نے عود پر گانا شروع کیا اور تمام کنیزیں اس

کے سر تال پر ستار بجاتی رہیں'' (ایضاج ۷ ص ۲۳۱)

موسیقی میں مکہ کے فنکاروں کا الگ انداز تھا اور مدینہ کے فنکاروں کا الگ، دونوں قسم کے فنکاروں کا آپس میں مقابلہ رہتا تھا۔ لوگوں میں گانا سننے کا بڑا رجحان تھا۔ کہتے ہیں امام مدینہ حضرت امام مالک بتایا کرتے تھے کہ

''میں نے ہوش سنبھالا تو مغنیوں کے پیچھے لگ گیا اور ان سے گانا سیکھنا شروع کر دیا ایک روز میری والدہ نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ''بیٹا؛ گویا اگر بدصورت ہو تو لوگ اسکے گانے کی طرف توجہ نہیں دیتے لہذا تم گانے کا مشغلہ چھوڑ و اسکی بجائے علم فقہ کی طرف توجہ کرو۔ کیونکہ فقہ کے ساتھ بدصورتی کچھ نقصان نہیں کرتی'' یہ بات مری سمجھ میں آ گئی میں نے مغنیوں کا پیچھا چھوڑا اور فقہاء کے پیچھے لگ گیا تا آنکہ خدا نے مجھے اس مرتبہ تک پہنچا دیا جس پر تم مجھے آج دیکھ رہے ہو''

(ایضاج ۴ ص ۳۹)

خلفائے بنوامیہ کے شاہی کے محلات کے موسیقار زیادہ تر وہی لوگ تھے جنہوں نے حجازی سکول سے تربیت حاصل کی تھی۔ حدیث وفقہ میں عراقیوں پر حجازیوں کی فوقیت تو قابل فہم ہے لیکن اکثر مورخین متعجب ہوتے ہیں کہ فن موسیقی میں بھی حجاز عراق وشام پر فوقیت رکھتا تھا عراق مختلف تہذیبوں کا وارث تھا اور شام زوم کی رامش ورنگ کی تہذیب میں رنگا ہوا تھا ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ انہیں فوقیت حاصل ہوتی مگر معاملہ اسکے برعکس تھا اور یہی بات حیران کن ہے کہ فوقیت حجاز کی تھی حالانکہ وہ ان کے مقابلہ میں ویران تھا اور بادیہ نشینی سے قریب تر تھا۔ اسکی ایک اور صرف ایک وجہ تھی کہ حجاز کے لوگ وسیع انظرف، کشادہ دل اور سیر چشم تھے انہوں نے جس فن کو قبول کیا اس میں مصنوعیت کی بجائے فطری میلانات شامل ہوئے اور فطرت پرستی نے رنگ دکھایا یہی وجہ ہے کہ حجاز کے فقہاء بھی عراق کے فقہاء کی بہ نسبت زیادہ کشادہ ظرف نظر آتے ہیں۔ وہ موسیقی اور عشقیہ معاملہ بندی میں چشم پوشی برتتے ہیں کشادہ دلی سے کام لیتے ہیں اور تنگی ظرف نہیں دکھاتے۔ انکے برعکس اہل عراق اور عراقی فقہاء دینی معاملات میں تشدد اور انتہا پسندی کی طرف مائل رہتے ہیں یہ اسی طرح کی مذہب پرستی دکھاتے ہیں جیسی ان کے آبائی مذاہب کے پروہتوں میں تھی۔

ابوالفرج کہتا ہے۔ ''عبیداللہ بن عمر عمری کا بیان ہے کہ میں حج کے ارادہ سے نکلا میں نے ایک

عوت کو دیکھا جو بڑی شہوت انگیز حرکات کرتی جا رہی تھی میں نے اونٹنی اس سے قریب کی اور کہا

''اللہ کی بندی توجہ کرنے کے لئے نہیں جا رہی؟ کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتی'' اس پر اس نے اپنا چہرہ کھول دیا اس کا روشن چہرا حسن میں آفتاب کو شرماتا تھا وہ کہنے لگی'' چچا میاں غور تو کیجئے میں ان عورتوں میں سے ہوں جنکے متعلق عرب شاعر نے کہا تھا۔

من اللاء لم يحجن يبغين حسبةً

ولكن ليقتلن البر ى المغفلا

''وہ ان عورتوں میں سے ہے جو ثواب کیلئے حج نہیں کرتیں بلکہ اس لئے حج پر جاتی ہیں کہ کسی سادہ دل معصوم کو قتل کر دیں''

عبید اللہ بن عمر کہتے ہیں میں نے اس سے کہا میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس جیسے چہرے کو تو عذاب نہ دے، کہتے ہیں یہ بات مفتی مدینہ سعید بن المسیب نے سنی تو بولے'' اگر کوئی عراقی تنگ نظر اور تنگ مزاج ہوتا تو اس سے کہتا دور ہو خدا ترا ستیاناس کرے لیکن یہ حجاز کا زاہد ہو گا کہ اس حد تک بھی اسکی خوش مزاجی باقی رہی'' (اغانی ج ۱۷ص ۱۲۱) عبید اللہ بن عتبہ مدینہ کے سات معروف فقہاء میں سے تھے مگر بڑی بھر پور ظریفانہ شاعری کرتے تھے داؤد ثقفی کہتے تھے'' ہم ابن جریج کے حلقہ درس میں بیٹھے ہوئے تھے وہ ہم سے حدیثیں بیان کر رہے تھے ان کے پاس بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہوئے تھے جن میں عبد اللہ بن المبارک اور کئی دوسرے عراقی فقہاء اور محدثین بھی تھے۔ اچانک سامنے سے مشہور مغنی ابن میزان کا گزر ہوا۔ ابن جریج نے اسے بلا لیا۔ اور اس سے کہا'' بھیا کچھ گانا تو سناؤ ابن میزان نے معذرت کی کہ اس وقت بہت جلدی میں ہوں مگر ابن جریج زمانے اور برابر اصرار کرتے رہے آخر اس نے کچھ گانا سنایا اور کہنے لگا'' اگر آپ کے پاس یہ بوجھل لوگ نہ بیٹھے ہوتے تو میں دیر تک بیٹھتا اور آپ کا شوق پورا کر کے اٹھتا''۔ ابن جریج ان فقہاء کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگے کیا تم لوگوں کو میرا یہ فعل پسند نہیں آیا؟ وہ کہنے لگے'' واقعی ہم اسے عراق میں ناپسند اور مکروہ سمجھتے ہیں'' ابن جریج نے کہا اُدر جز اور حدی کو؟ انہوں نے کہا'' ان میں ہم کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے'' ابن جریج نے کہا آخر رجز حدی خوانی اور موسیقی میں کیا فرق ہے؟ (ایضاج ۱ص ۱۵۷ء) علامہ احمد امین کا خیال ہے کہ عربوں کے حصہ میں جو کنیزیں آئی تھیں نسب کے لحاظ سے اعلیٰ اور فنون لطیفہ میں اونچے رتبہ پر فائز تھیں انہوں نے اپنی تمام باتیں حجاز منتقل کیں اور انہیں عربیت کے رنگ میں بڑی حسن کاری سے رنگ دیا حجاز میں موسیقی کا سکول قائم

کرنے میں ان کنیزوں کو بڑی فوقیت اور فضیلت حاصل ہے‘‘(فجر الاسلام)

اسلام دین ہے اور دین کی حیثیت سے اسے اپنے اصول عزیز ہیں ان اصولوں پر تو وہ سمجھوتے نہیں کرسکتا لیکن بدلتی ہوئی تمدنی جزئیات میں جن سے اصولوں کو نقصان نہ پہنچے وہ مصلحتوں کا خیال رکھتا ہے۔ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت تصوف کے چشتیہ مشرب ومسلک کی مرہون احسان ہے ان لوگوں کے نزدیک قوالی کا سازوں کے ساتھ گایا جانا اچھا فعل ہے بشرطیکہ قوالی حضور سے اور آپؐ کے پیاروں سے اظہار عقیدت کے طور پر ہو۔

یہاں شادی بیاہ کے موقع پر عورتیں روز اول سے گانے بجانے سے لطف اندوز ہوتی ہیں رقص بھی کرتی ہیں کسی نے کبھی ان سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا۔ قوالیاں سازوں پر ہوتی ہیں مثنوی معنوی لکھنے والے مولانا جلال الدین رومی جنہیں اقبال پیر رومی کہتا ہے ان سے منسوب فرقہ جلالیہ موسیقی پر رقص بھی کرتا ہے ہمارے خشک فقہاء کبھی ساز پر کبھی آواز پر لڑتے رہے کہتے رہے غنا حرام ہے جب کہا گیا خوش الحانی سے تو قرآن بھی پڑھا جاتا ہے اور لغت بھی تو کہا گیا کہ سازوں کے ساتھ گانا حرام ہے ۔مگر چشتیہ مشرب صوفیوں نے کہا آواز بھی اور ساز بھی سب جائز ہیں بلکہ کلام والفاظ بھی کہ حافظ شیرازی کی رندی بادہ پرستی کو اہل صفا شراب معرفت کی سرمستی سے تعبیر کرلیا کرتے ہیں ۔صرف نیت جائز وناجائز ہے ۔ اگر قاری قرآن بھی اس نیت سے خوش الحانی سے پڑھتا ہے کہ عورتیں سن کر متاثر ہوں اور اس کے قریب آئیں اور وہ ان سے عشق لڑائے تو اسکی قرات بھی اسکے گناہ میں شامل ہو جائیگی۔

حرف آخر

ابتداء سے آج تک جنس کی پوری کہانی ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے دیکھ لیا کہ مادرسری دور کے ابتدائی مختصر عہد کے بعد دنیا کا ہر معاشرہ مرد کی بالادستی اور عورت کی محکومی و غلامی کا معاشرہ رہا ہے عورت ہمیشہ اس قہرمانی چکی میں پستی رہی ہے جسے مرد کا خونی ہاتھ پوری قوت سے چلاتا آ رہا ہے درمیان میں اسلام نے مختصر عرصہ کے لئے عورت کو اعتبار اور وقار دیا اور تاریخ نے دیکھا کہ عورت نے زندگی کے ہر شعبہ میں بڑا جاندار کردار ادا کیا لیکن یہ دور بڑا قلیل المیعاد ثابت ہوا جاہلیت نے پھر حصار اسلام میں سرنگیں بنالیں اور قلعے مسمار ہو گئے اسکا جو اثر ہونا تھا ہوا عورت پھر تذلیل و تحقیر کا ہدف بنی اور آج تک وہ مردوں کی ٹھوکروں میں پامال ہوتی چلی آ رہی ہے مرد اپنی جنسی آوارگی اور بدلگامی میں منہ زور ہے اس نے تمدن کی بست وکشاد اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور افسوسناک حیرت کی بات یہ ہے کہ فحاشی و بے حیائی کی ساری غلاظت عورت کے منہ پر تھوپ دینے کا عمل جاری ہے جاگیردارانہ نظام کے بعد سرمایادارانہ نظام نے عورت کو اور زیادہ مقہور بنادیا ہے اور ستم تو یہ ہے کہ عورت کی ذہنیت بھی مسخ ہوگئی ہے وہ اپنے آپ کو نمائش کی پری بنا کر مرد کی ہوسکاریوں کے آگے بچھائے اور بکھیرے دے رہی ہے۔ کیونکہ اس کی روزی مرد کے ہاتھ میں ہے وہ ہمیشہ مرد کے ہاتھ کی کٹھ پتلی اور بے جان کھلونا رہی ہے کبھی وہ اسے صندوق میں بند کر کے اوپر تالا ڈال دیتا ہے اور ضرورت کے وقت نکال کر اسے گھر کے کاموں میں جوت دیتا ہے کبھی وہ اسے گھر سے نکال کر دفتر میں بھیج دیتا ہے کہ معاشی کفالت میں مرد کا ہاتھ بٹائے۔

اس طرح وہ دہری ذمہ داریوں میں اسے جکڑ دیتا ہے اسے ملازمت بھی کرنی ہے اور خانہ داری کا دھندا بھی، دفتر سے تھک ہار کر آتی ہے تو گھر کے سارے کام اسی طرح اس کے لئے پڑے ہیں

بچے سنبھالنے میں، جھاڑو پھیرنی ہے، کپڑے دھونے ہیں، چولھا جھونکنا ہے۔ اور یہ سب کچھ کر کے اپنی آرائش وزیبائش بھی کرنی ہے کہ مرد گھر آئے تو وہ اس کا دل لبھا سکے اور اسکی دلچسپی کا سامان بن سکے۔ مشرق کی عورت بالخصوص عذاب کا شکار رہتی ہے کہ یہاں ملائیت نے اصل اسلام کو پس پشت ڈال کر مرد بادشاہ کو بے پناہ اختیارات دے رکھے ہیں طلاق کا طریقہ انتہائی سادہ اور آسان ہے بس ون ٹو تھری کہنا ہے اور عورت کی بربادی مکمل ہو جائیگی۔ اسے مرد کے لئے بنے ٹھنے رہنا ہے کہیں وہ اس سے اکتا کر اسے پھینک نہ دے اور دوسرا کھلونا لے آئے اسے مرد کے لئے قابل توجہ رہنا ہے کاسمیٹکس کی ہزاروں فرمیں دن رات اسے سمجھا رہی ہیں کہ وہ ہر وقت مرد کی زد میں ہے اسلیئے دلکشی قائم رکھنا اسکے لئے ضروری ہے۔

ٹی وی پر فنی مہارت رکھنے والی بزرجمہرنیں بیٹھی اسے بتا رہی ہیں کہ مصنوعی طور پر وہ مرد کے لئے کیسے دلچسپ کھلونا رہ سکتی ہے پلکوں کو کیا کرے۔ رخساروں پر کیا پلستر چڑھائے آنکھوں میں کیا تبدیلیاں کرے، ہاتھ اور ناخن کیسے بنائے، بالوں کا سٹائل کیا ہو۔ اور یہ سب کچھ کیوں ہے صرف اسلیئے کہ اس میں مرد کی دلچسپی قائم رہے گویا اسکی اپنی کوئی ذات نہیں کوئی دلچسپی نہیں جگہ جگہ بیوٹی پارلر کھلے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ اے عورت تو فقط مرد کی خاطر قابل توجہ رہنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ مرد کے لئے کسی بیوٹی پارلر کی کوئی ضرورت نہیں لباسوں کے نت نئے ڈیزائین نہیں بنتے کبھی ٹی وی پر بزرجمہروں کے کوئی پروگرام نہیں لگتے کیونکہ وہ تو آقا ہیں مالک ہیں جیسے مرضی آئے رہیں عورت انکے آگے دم نہیں مار سکتی کالے کلوٹے مرد سے خوبصورت عورت کا مقدر باندھ دیا جاتا ہے وہ اف تک نہیں کر سکتی۔ مرد بڑے شوق سے اپنی بیوی کو اپنے معاشتوں کے قصے سناتا ہے اپنی ہوسکاریوں کی مکروہ کہانیاں بیان کرتا ہے اپنی جنسی فتوحات کی داستانیں کھولتا ہے اور وہ سننے اور سنتے رہنے پر مجبور ہوتی ہے وہ اگر بھول کر بھی غیر مرد کا نام لے دے تو اسکی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

یہ سب کچھ کیوں ہے؟ ملائیت کی ستم رائی ہے جس خاتون کو اسلام اور قرآن نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سونپا تھا۔ اور جو اس پر عمل کرتے ہوئے حق وصداقت کی علمبردار بن کر تحریک چلاتی تھی۔ جو امیر المومنین کو ٹوک دیا کرتی تھی جسے حق کو حق کہنے میں کوئی باک نہ تھا جس نے جھوٹ

کے آگے کبھی سر نہیں جھکایا تھا اس کو ملائیت نے پھر سے مرد کا غلام بنا دیا مسلمان بیوی کو کس طرح رہنا چاہیے ایک مولوی کی نصیحت سنیئے ۔ مولانا محمد ادریس انصاری لکھتے ہیں ۔

''جہاں تک ہو سکے میاں کا دل ہاتھ میں لئے رہو اور اسکی آنکھ کے اشارے پر چلا کرو مثلاً اگر وہ حکم دے کہ رات بھر ہاتھ باندھے کھڑی رہا کرو تو دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی ہے کہ دنیا کی تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے آخرت کی بھلائی اور سرخروئی حاصل کرو ۔ کسی وقت کوئی بات ایسی نہ کرو ۔ جو اس کے مزاج کے خلاف ہو مثلاً اگر وہ دن کو رات بتلائے تو تم بھی دن کو رات کہنے لگو''

(مسلمان بیوی از مولانا محمد ادریس انصاری شائع کردہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۳ صفحہ۲۲)

مولانا صاحب نے آگے چل کر اس اندھی اور بے دست و پا غلامانہ اطاعت کا سبب بتاتے ہوئے فرمایا ۔

''خوب یاد رکھو کہ مردوں کو خدا نے شیر بنایا ہے دباؤ اور زبردستی سے ہرگز زیر نہیں ہو سکتے ان کو زیر کرنے کی بہت آسان ترکیب خوشامد اور تابعداری ہے''

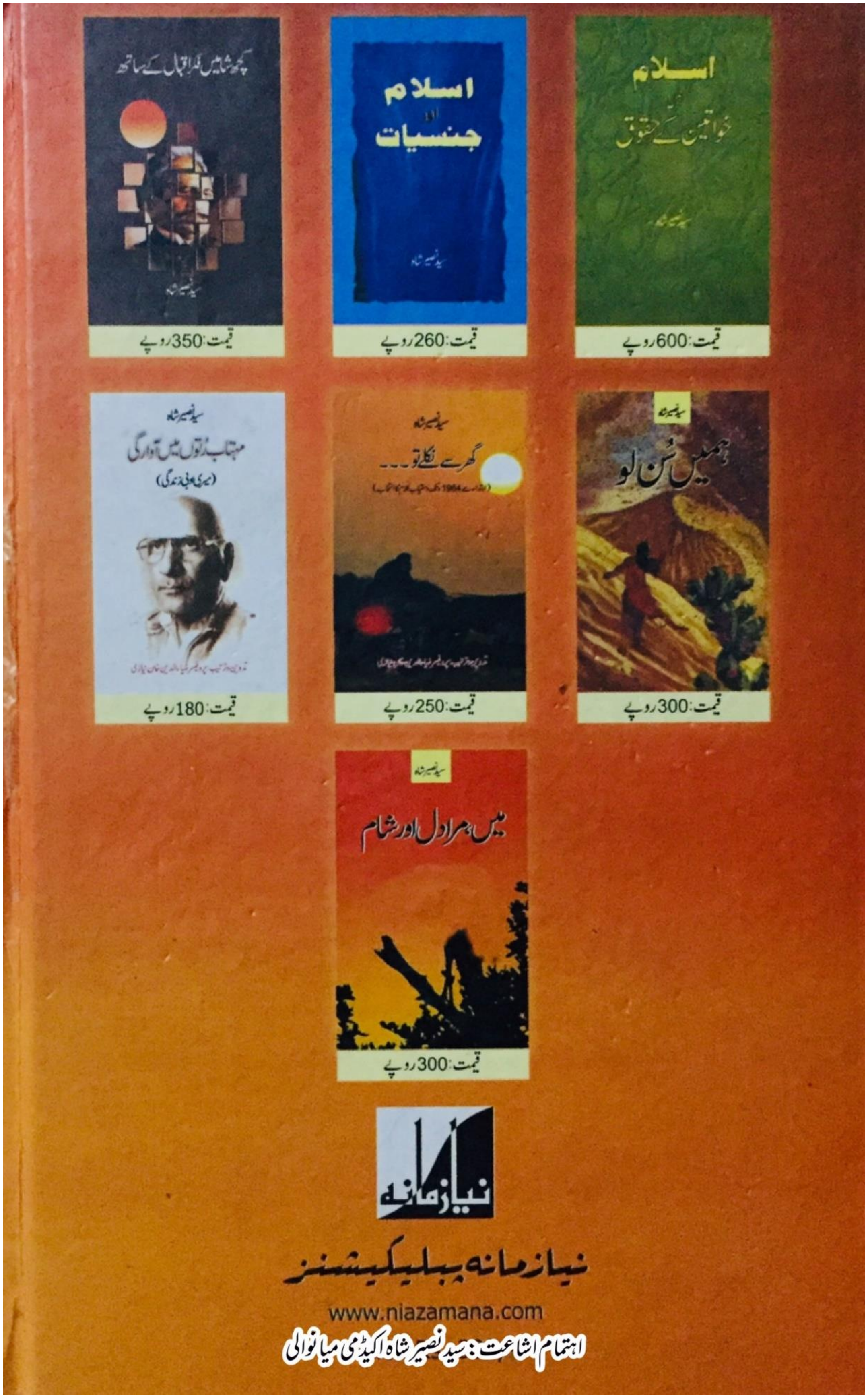
(ایضاً ص۲۹)

ملائیت نے اسلام کے نام پر یہ تعلیم دی ، جاگیرداری نظام نے اسے مملوک اور غلام بنایا اور مذہب کے علمبرداروں نے انکی بھرپور تائید کی شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے لوگوں نے اسے ''مقبوضہ چیز'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۷۳ شائع کردہ نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی) قرار دیا ، ابن خلدون نے اسے عمدہ جوتوں ، کپڑوں اور دوسری اشیائے استعمال میں شمار کیا (مقدمہ ابن خلدون ترجمہ عورت) سرمایہ دارانہ نظام نے اسکی حمایت کی اور اسے اپنی مصنوعات کے بازار میں لا کھڑا کیا یوں وہ بکری کا مال بن گئی ۔ یہ ساری چیرہ دستیاں ہوتی رہیں ۔ مگر خود عورت بھی اس سے بری الذمہ نہیں کیونکہ وہ بآسانی کھلونا بنتی گئی ۔

شکریہ پرسش غم کا مگر اصرار نہ کر ۔ پوچھنے والے یہ تیرا ہی کہیں راز نہ ہو

ہم حرف آخر کے طور پر مردوں سے گزارش کرینگے کہ اگر وہ دنیا کو امن و سلامتی کی جنت بنانا چاہتے ہیں تو خواتین کو بھی آگے لائیں انہیں اعلیٰ اور صحیح تعلیم سے روشناس کرائیں اور معاشرہ میں صحیح

مقام دیں تاکہ وہ معاشرتی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ اور خواتین سے بھی التماس کرینگے کہ وہ اپنے آپ کو مرد کا کھلونا نہ سمجھیں انسان سمجھیں وہ انسان جس کے سر پر کائنات کی سیادت کا تاج رکھا گیا اور جسے ہر لحاظ سے قابل تکریم ٹھہرایا گیا ہم بتا چکے ہیں کہ جس معاشرہ میں عورت کی اعلیٰ حیثیت کو تسلیم کیا گیا تھا اس میں جنگ کا تصور نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو بہت کم مرد اور خواتین دونوں جب اپنی ذمہ داری محسوس کرینگے دولت کی غیر فطری تقسیم ختم کر دی جائیگی تو ایسی نسلیں پیدا ہونگی جن کے سروں پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا اور وہ معاشرتی مسائل پر بہتر انداز سے سوچ سکیں گی۔


کچھ شامیں ڈاکٹر اقبال کے ساتھ
سید نصیر شاہ
قیمت:350روپے
اسلام اور جنسیات
سید نصیر شاہ
قیمت:260روپے
اسلام اور خواتین کے حقوق
سید نصیر شاہ
قیمت:600روپے
سید نصیر شاہ
مہتاب رُتوں میں آوارگی
(میری ادبی زندگی)
قیمت:180روپے
سید نصیر شاہ
گھر سے نکلے تو...
قیمت:250روپے
سید نصیر شاہ
ہمیں سُن لو
قیمت:300روپے
سید نصیر شاہ
میں، ہمرا دل اور شام
قیمت:300روپے
نیازمانہ
نیازمانہ پبلیکیشنز
www.niazamana.com
اہتمام اشاعت: سید نصیر شاہ اکیڈمی میانوالی